

مولانا مولوی عبد الحلیم صاحب کے مرحوم و مغفور
کی یادگار
رسالہ

دلگداز

جلد ۳

بابت ماہ جنوری ۱۹۳۵ء

نمبر

مرتبہ

محمد صدیق حسین ایڈیٹر

باہتمام

حاکم حلیم محمد راج الحق مینجراؤ پر نرہ و سلسلہ نگارانہ

دلگداز پریس محلہ بزن سنگھان مین

چھپا کے شائع ہوا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نیا سال اور نئی امیدیں

۱۹۲۶ء چیکے ہی چیکے رخصت ہو گیا اور اُسکی جگہ آج نظام عالم ۱۹۲۷ء نے لے لی ہے۔ اس موقع پر بحیثیت ایڈیٹر رسالہ ہمارا فرض ہے کہ گذشتہ ایک سال کے تمام واقعات عالم پر غائر نظر ڈالیں اور غور سے دیکھیں کہ کیا ہوا اور اس کے کیا نتائج ہیں۔ مگر افسوس عالم کے تغیر و تبدل کو سمجھنا بلکہ یاد رکھنا درکنار ہم صرف اپنی زندگی کے حالات کو بھی ٹھیک ٹھیک نہیں یاد کر سکتے۔ آج ۱۹۲۷ء ہمارا نیا مہمان آیا ہے اور ہم سے ہماری گذشتہ لایٹ کو دریافت کرتا ہے لیکن ہم حسرت سے کھڑے اسکی صورت دیکھ رہے ہیں اور کچھ نہیں یاد آتا کہ اُسے کیا بتائیں اور کن الفاظ میں اُسے اپنی رام کہانی سنائیں۔

اے ۱۹۲۹ء ہم باوجود گذشتہ سالوں کے وسیع تجربوں کے تیری قدریسی نہ کر چکے جبکہ کسی بار بار زک اٹھا چکے والے شخص کو کرنا چاہئے تھی۔ جن چاہئے تھا کہ تیرا وہن مضبوطی سے پکڑے اور تیر چند روزہ زمانہ گذشتہ سالوں کے تجربہ کی بنیاد پر اچھی طرح سے گزارے مگر افسوس ہم ایسا نہ کر سکے اب کیا بولیں جو زمانہ گذرنا تھا گذر گیا اور اب پھر تیرا دامن ہمارے ہاتھ میں نہیں آسکتا لہذا اب بھٹانا بیکار ہے۔ اے ۱۹۳۰ء آ۔ اور ہماری سرگذشت تیرے پیش رو ۱۹۲۸ء کے زمانہ میں باوجود کچھ تیرے لیے بننے اپنی حیثیت سے زیادہ بہت سے علمائے اسلام کا نام عام پبلک کو یاد دلایا سلف کے اکثر قابل تقلید و اتباع بزرگوں کے کارنامے دکھلائے اخلاقی و معاشرتی حیثیت سے بھی ایسے ایسے مضامین لکھے جنکی تعریف اپنے قد و انون سے سنی اور سنی انعام بنے مگر اس معاملے میں اپنا فیصلہ کرنے والے ہم خود نہیں ہو سکتے۔ یہ کام پبلک ہی اور اسی پر فیصلہ چھوڑا جاتا ہے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ ہم پورے سال بھر کچھ نہ کر سکے۔ اور تیرے پیش رو کا زمانہ بھی گذشتہ سالوں کی طرح امو و لمب میں گذرا۔

اتنا گذشتہ حال کہ اب ہم ۱۹۳۲ء میں اخیر مقدمہ ادا کرتے ہیں۔ اور اپنے تمام دوستوں کو بتائے دیتے ہیں کہ وہ بین تیرے عہد میں تیرے پیش و پس کی نسبت زیادہ کامیاب نکلیں گے۔ اس سال میں ہم ناول "فیروز شاہ" جسکی داغ بیل گذشتہ سال ہی میں چھپ چکی تھی اور حقیقت میں یہ اسی سال کے آخر حصہ کا کاغذ تھا۔ ناظرین کی دلچسپی کے واسطے پیش کریں گے خیال تھا کہ یہ ناول شروع فروری میں دنگداز کے اس سال کے چند پروپی کر دیا جائیگا۔ مگر چونکہ اس کا حجم بڑھ گیا ہے لہذا اس قلیل مدت میں اسکے تیار ہونے کی امید میں ناظرین دو ہفتہ تک اور صبر کریں اور اس کا انتظار ۱۵ فروری کے بعد کریں۔ ہمیں امید کامل ہے کہ یہ ناول ۱۵ فروری تک تیار ہو جائیگا اور اسکے بعد ہی یا دو ایک روز قبل روانہ ہونا شروع ہو جائیگا۔ یہ ناول بطور ہیہ ہوگا۔ مگر چونکہ چندہ "دنگداز" ۱۹۳۲ء اس کے ذریعے سے وصول ہوگا۔ لہذا وہی بی کا حاجے تفصیل دل ہوگا۔

چندہ "دنگداز" ۱۹۳۲ء۔ محصول ناول فیصلہ جڑی جملہ

خریداران "دنگداز" نوٹ کریں اور سراسر نیشنل شریں میں اس ناول کو بڑھ کر غلط ہوں۔

کسنی کی شادی

(یہ مضمون مولانا شرمہ رحمہ نے آج سے اسی سال پہلے لکھا تھا جو آج کل کے زمانے کے موافق ہے)

لہذا ہم ناظرین کی آگاہی کے واسطے مجاہد نقل کے دیتے ہیں:

لوگ غفلت میں پڑے رہتے اور آخر کار اس مغوس بل نے ایک قانون کے قریب قوت پیدا کر لی کہ کم سنی کی شادی میں گورنمنٹ کو دخل دہی کا موقع ملے۔ بیفک یہ صحیح رائے ہے کہ جس غرض سے یہ قانون پاس کیا جاتا ہے وہ غرض موجودہ قانون سے بھی پورے طور پر حاصل ہو سکتی ہے۔ خدا جانے پھر کیوں رعایا کی اخلاقی اور مذہبی رسوم میں دخل دہی کی جرات کی جاتی ہے۔ یہ رسم مسلمانوں میں بہت کم ہی ہندوؤں میں اور وہ بھی خاص کر بنگال میں زیادہ۔ اور اکثر شرعاً کے ہمارے کبھی ایسے واقعات پیش آتے ہیں جب تک نتیجہ اب یہ ہوگا کہ وہ پورا شریعت خاندان عدالت میں قانونی قوت سے کھینچ بلایا جائے گا۔ مان بہنیں اور دیگر قربات اور عورتیں ایک مجسٹریٹ کے سامنے کھڑے ہو کر اظہار دینگی۔

اسی کو ہائے تعلیم یافتہ دست چاہتے تھے اور اُن کی مراد پوری ہوگئی۔ شاید کوئی فخر اُن کے لئے کمین
جمل ہو گیا۔ جمل انھوں نے اپنی قوم کے تمام شرفاء کی آبروریزی کر دی، ساری قوم کی ناک کچا نیلے
بعد اگر کوئی شخص اُن کے کہ اُسکی ناک بچ گئی تو یہ اُسکی غلطی ہے۔

ہمارے نزدیک ہندوستان کے لئے یہ عبرت کا وقت ہو اور شاید گورنمنٹ کی طرف سے اس سے
زیادہ سخت حملہ ہماری خاندانی عزت پر کبھی نہیں ہوا تھا۔ گورنمنٹ کا یہ پہلا قدم ہو جو ہندوستانوں کے
گھروں میں آتا ہو اور جکے بعد شاید بہت سے شرفیو نیز کبھی ایسا وقت ضرور آجائے گا کہ اگر اُن کی گون
میں اُن کے بزرگوں کا خون ہو اور اُن کے دلوں میں اُن کے بزرگوں کی سی غیرت و حمیت ہو تو اُن کو سزا
خود کشی کے اور کسی چیز کے واسطے میں پناہ نہ ملے گی۔ ہندوستانی شرفاء کی عورتیں یورپ کی عورتیں
نہیں ہیں، یہ عورتیں وہ ہیں کہ ان کی ہوا تک کسی نامحرم تک نہ پہنچنے پانی تھی۔ جنگی آواز سننا
سوا اُن کے قریب عزیزوں کے اور کسی کو نہ نصیب ہوا ہوگا۔ انھیں عورتوں کے لئے یہ قانون پاس
کیا جاتا ہو کہ کسی موقع پر سر عدالت حاضر ہو کے جوابدہی پر مجبور کیا جائیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ
ملک کی طرف سے اتنا سکوت کیوں ہے۔ اور کیوں پوری قوت سے اس قانون کا مقابلہ نہیں کیا جاتا
اگرچہ مسلمان بظاہر اس قانون سے اپنا تعلق بہت کم باتے ہیں لیکن اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ
کوئی ایسا موقع ضرور پیش آجائے گا۔ جب وہ بھی اس آفت میں ضرور مبتلا ہو جائیں گے علاوہ برہمن جو مصیبت
اُن کے دوست ہندوؤں پر آئے اُس سے انھیں اپنے تئیں بچا ہوا نہ خیال کرنا چاہئے۔

ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ صرف اتنی بات پر کہ انگریز عورتوں کو ہندوستانی مجسٹریٹ کی سامنے
بار بار آکے کھڑا ہونا پڑے گا۔ اور وہیں جماعت میں کتنی بڑی ہائے بڑگی تھی۔ مسز زوروہن ہلڈی
بیتاب ہو کر رونے لگی تھی۔ دیکھا تھا لیکن اُس کے مقابلہ میں آج ہمارے ملک کی عورتوں کی عصمت پر
اتنا بڑا وارن لگایا جاتا ہے۔ اور ہم خاموش بیٹھے ہیں۔ بیشک اس قانون کا بہت بُرا نتیجہ ہو رہا ہے
بڑے غضب کی بات ہو کہ چند اپنی حیثیت بھول جانے والے نوجوانوں کے خیال کے مطابق ہندوستان
کی عام شریف سوسائٹی کو اتنا بڑا صدمہ پہونچا دیا جائے۔ بڑے طبیباری اکیڈمی کے شخص ہیں انھوں نے
صرف اپنی پارسی عورتوں کو دیکھا ہو جو تماشوں، تھیسڈن اور سیرکگلشٹ کی اُن سے زیادہ شائیں ہیں
ہندوؤں کی عورتیں (خدا نخواستہ) ایسی نہیں ہیں اُن میں عصمت ہو اور اُن میں تمام اوصاف ہیں جو
ہندوؤں کے نہ ہی قانون کے بموجب ایک شریف زادی میں ہونی چاہئے وہ اپنے باب بھائی کے شوہر اور بیٹے
کی پوری مطیع و فرمانبردار ہیں وہ ہرگز پسند نہ کر سکی کہ بڑے بھائی کی اطاعت سے نکل کر خدائی دیانیت کی اطاعت کریں

خلیفہ مامون الرشید کے دامن میں مسلمانوں کی علمی ترقی

(از جناب مولیٰ محمد شفیع الدین خان صاحب ایم۔ اے۔ ایس۔)

انصاف سے دیکھا جائے تو آج دنیا میں جہدِ علوم و فنون کی گرم بازاری ہو رہی ہے۔ سب لوگوں کے طفیل میں جو انھوں نے اپنے زمانہ میں جہانِ اودا و عالیہ کی جانِ تہجد کی زبانِ علمی اشغال کو بھی لیا۔ تاہم دیکھ لو کہ بدینِ سعادت زمانہ میں علمی دنیا کا سترج ہو رہا ہے۔ سب مسلمانوں کا طفیل ہے اور پروفیسر بنیاں پروفیسر ہو رہے ہیں۔ اکثر اراکینِ علمی و سیاسی وغیرہم ٹپے بٹپے مستشرقین اس امر کا اعتراف کر چکے ہیں کہ ہم نے جو کچھ جانا اور سیکھا سب مسلمانوں سے۔ ہم یہاں صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے نامدار خلیفہ مامون الرشید عباسی کے وقت میں مسلمانوں کی علمی ترقی کی کیا حالت تھی اور آگے چل کر وہ کیسی سرسبز ہوئی، منہ و باد میں الرشید غیرہ نے مدینۃ السلام بغداد میں لکھنے ہر طرف علمی چشمے جاری کر دیے تھے لیکن عروج پر پہنچا خلیفہ مامون الرشید کا کام تھا۔ اس لیے خصوصیت سے یہ تذکرہ نامناسب نہیں ہے۔

تشریری کلب (علمی مجلس) خلیفہ مامون الرشید کا ایجاد ہے جہاں علماء و فضلا و عوام جمع ہو کر مختلف مضامین پر بحث کیا کرتے تھے۔ دنیا کے ہر حصہ میں مختلف اقسام کے علمی کالج جاری ہیں وہ سب مامونی کلب کے نمونہ پر ہیں۔ اسکے علاوہ کتب فروشی بھی معراجِ کمال پر تھی اور یہ تاجرانِ کتب محض سو اگر بھی نہیں ہوتے تھے بلکہ خود صاحبِ تصانیف بھی تھے۔ ان کے کارخانوں میں طلباء اور علماء کا ہجوم رہتا تھا اور لوگ آزادی کے ساتھ ہر قسم کی بحثوں میں مشغول نظر آتے تھے جن کتابت کو بھی نہایت ترقی تھی یہاں تک کہ بعض کتابیں تلو دینا تک فروخت ہوتی تھیں۔ مامون رشید کے وقت میں صرف دیکھو علم فضاحت ادب جغرافیہ تاریخ احادیث وغیرہ پر بنیادِ تالیفات ہوئیں اور خصوصاً فلسفہ و لسانیات میں جو ترقی ہوئی اس کا اثر آج تک باقی ہے۔ مورخ سیدی یو فرنجی لکھتا ہے۔

خلیفہ مامون رشید عباسی کے زمانہ میں ترقی ادب قیمتی ایجادوں کا وجود اور غرض ہر شعبہ علمی و علمی میں کمال اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو اپنا استاد مانیں۔ ایک طرف تو انھوں نے وسط زمانہ کی تاریخ جغرافیہ و ریاضیات

۱۔ مضمون ہذا میں مندرجہ ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے۔

تاریخ اسلام (ڈاکٹر یحییٰ علی صاحب) تاریخ خلفاء (علامہ سید جلال الدین سیوطی) مختصر تاریخ بغداد (علاء الدین ابن کثیر)

اور لوگوں کے حالات سے ہکو مطلع کیا جو اور دوسری جانب صفتِ معرفت انجیری اور دیگر فنون سے آگاہی بخشی ہو۔

مامونی زانہ کا عالم ابو موسیٰ جعفر کو فی موجودہ علم کیمیا کیمٹری) کا بانی ہے اُسکے بعد اور لوگوں نے بھی اسی علم میں ترقی کی اور موجودہ نماز کے علماء یورپ کس قدر تعجب ہوتے ہیں کہ مسلمانوں کا دماغ کیسا روشن اور زبردست تھا کہ انھوں نے ایسا علم ایجاد کیا طلب و جراحی کو تو کمال پر پہنچا دیا تھا انھوں نے علم الدوا (فرک) ایجاد کیا اور ہسپتالوں کو دوا خانوں کی بنیاد رکھی۔ موجودہ شفا خانے دوا خانے اسی نمود کے ہیں علم نباتات (بوٹانی) کی علمی تعلیم کے واسطے بغداد اور دوسرے ٹیپے شہروں میں وسیع باغات لگائے گئے تھے اور علماء وہاں تحقیقات کرتے تھے۔

اس علمی تحریک کی وجہ سے جو نوین صدی میں علم کو درجہ کمال پر پہنچانے میں کامیاب ہوئی تھی مسلمانوں کو سیر و سفر کا شوق ہوا اور انھوں نے جغرافیہ و سیاحت میں وہ پیش ہاں کائنات الیقین کین جبر یورپ باوجود ادعا و تحقیقات ناز کر رہا جو ان بزرگوں میں مسلم بن حار جعفر بن احمد زری ابن فضلان ابن خردادہ جبائی مسعودی۔ الطبری ابن حوقل البیرونی باقوت حموی البیرونی اور سب کے نام بحیثیت جغرافیہ دانان مشہور ہیں اور اکثر تصانیف ان کی یورپ کے مطبعوں میں چھپ گئی ہیں بیرونی ہندوستان کا سفر کیا اور بیان رکھ سنسکرت زبان میں بہت بڑا تصدیق کر لیا۔ اُس نے ایک نہایت بیش قیمت کتاب لکھ لی ہے چین ہندوستان کے جغرافیہ و طبی حالت کو شرح مفصل بیان کیا جو اس کتاب کو جو من مشرق ڈاکٹر زاخونے بہت محنت سے تلاش کر کے مع مفصل حواشی شائع کیا ہے۔

حکیم ناصر خسرو علوی اصفہانی بھی بہت بڑا سیاح ہوا ہے۔ وہ ۳۶۷ھ میں مر سے روانہ ہوا اور نیشاپور۔ قم۔ تبریز۔ حالات میان قرقین۔ حلب۔ ہوتا ہوا شام۔ یونجا۔ اور طار۔ سیدن۔ بیروت۔ بیت المقدس کی سیر کر کے مصر و وہاں سے حرمین شریفین کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا سفر نامہ نہایت دلچسپ ہے۔

علامہ بلاذری کی بیش بہا تصانیف قابل قدر ہیں۔ فتح البلدان (تاریخ) اسی مختصر

۱۱۰ھ بغداد کو لندن کے ہانے ملکتی ہو ۱۱۰ھ حکم ناصر خسرو کے سفر نامہ کا ترجمہ میں نے شروع کر دیا ہے ۱۱۰ھ یہ دونوں کتابیں بالینڈ کے طبع بل میں چھپ گئی ہیں ۱۱۰ھ۔

و کمال کے ساتھ لکھی ہے کہ بے اختیار دل سے تحسین نکلتی ہے اور اُسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب اس فن میں کیا مرتبہ رکھتے تھے اس کے علاوہ حمدانی، بطری، ابن الاطیر، بقری، ابن اٹھارہ، ابو الفدا کی تاریخیں بھی اسی باب کی ہیں۔ فکر ہے کہ انہیں سے بعض کتابیں ہالینڈ کے مشہور مطبع برلین میں طبع بھی ہو گئی ہیں۔

مستودی، اسلام کا مشہور و پرست خرافیانہ ہے اس کی لاجواب کتاب وقح الذہب یادگار زمانہ ہے۔ دوسری تصنیف مرآۃ الزمان بھی عجیب،

ابن الاطیر نے تاریخ الکامل ایک بے نظیر و نادر تاریخ لکھی ہے۔ یہ بھی یورپ میں طبع ہو گئی ہے۔

سائنس کی مختلف شاخوں میں بھی اہل عرب نے کمال حاصل کیا۔ مامون رشید کے زمانہ میں سیند بن علی، بجی بن ابی منصور، خالد بن عبد الملک ایسے خرد روزگار مہندسین و کھنڈکار گذرے ہیں کہ ان کا جواب نہیں۔ و شوہد گرہن، نیارون اور اجرام فلکیہ کے متعلق ان کی تحقیقات نہایت بیش قیمت ہیں۔ مامون کے حکم سے محمد بن موسیٰ خوارزمی نے سدھانتا کا عربی ترجمہ کیا یعقوب کندی نے مختلف مضامین ریاضی، تقلیدس، فلسفہ، کرہ ہوائی، مناظر و مریا و طب کے قریب و سو کے تصانیف کیں۔

ابو مشرعلی، ابو جہر گھڑی، ابن اجرام فلکیہ کی بابت بڑی نادر تحقیقات کیں۔ موسیٰ بن شاکر ابو الحسن (موجد و دور بن)، النظیری، محمد بن علی، ابو عبد اللہ علی بن الجور، ابو الحسن علی ابن الجوریہ سب سائنس ان گذرے ہیں۔

ابو الوفا، حسین بن سہیم، ابن خاطر، عمر خیام، بہت بڑے ریاضی ان تھے۔ ان کے بے شمار تصانیف یورپ میں چھپ گئے ہیں۔ علم مابعد الطبیعیات و فلسفہ میں کندی، ابو نصر فارابی، ابو علی سینا بہت مشہور ہیں اہل عرب ابو نصر کو واسطوئے ثانی کہتے ہیں۔

فن شعر میں بھی عرب کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کا فصیح و بلیغ کلام آج بھی کیتائے زمانہ ہے۔ ابونواسی، خلیفہ امین، مشہور شاعر بڑا زبردست ناظم تھا۔ ابوتام حبیب، ابونواسی سے

۱۷ عمر خیام کی اکثر تصانیف فرانس میں طبع ہوئے ہیں اور اسکی اصل ابیات میں بھی مرتبہ کو ہیں ۱۸ کندی کی دو ایک کتابیں برلین پریس الیٹین میں طبع ہو گئی ہیں ۱۹ ابو نصر فارابی کی ایک کتاب ابو علی سینا کی دو کتابیں الیٹین میں طبع ہو گئی ہیں۔

دوسرے درجہ پر تھا۔ ابن خلکان اس کی بابت لکھتا ہے لفظ شستگی کلام خوبی نظم طرز ادا اپنے تمام معصرون پر سبقت لے گیا تھا۔

ابہتری۔ شبنہ۔ النمازی بھی اسی ذیل میں ہیں۔

علامہ ابن الندیم کی کتاب الفہرست ایک عجیب تصنیف ہے جس میں ہر علم کی ہر شاخ پر بحث ہو ابن خلکان کا قاموس اسرار وسیع و اقیفیت کا دریا ہے۔

ابوالفرج اصفہانی مصنف الاغانی بھی بڑے باہر کا شخص ہے کتاب الاغانی میں ان شعر کا کلام درج ہے جو راگ میں کام آتے ہیں اور ہر شاعر کی سوانح مختصر بھی علاوہ اسکے کلام پر صر فی د نحو کی بحث بھی ہے اس مختصر مضمون میں اس قدر گنجائش نہیں کہ ہم مفصل طور علمی ترقی کا ذکر کر سکیں جو کچھ لکھا گیا ہو سمجھ داروں کے لئے یہ بھی بہت ہے۔

رازداری

از جناب ابو جلت موہر لال صاحب نغان ام لے

واضح ہو کہ جب ایک بار کوئی بات تم سے راز کے طور پر کہہ دی گئی تو ہر طرح سے اس کا مخفی رکھنا تمہارا فرض ہے۔ جو راز کسی نے تم کو اپنا دوست سمجھ کر کہا ہو وہ اس اعتبار پر کہا ہو کہ تم اس سے عام ہونے دو گے بہت سی باتیں جو تمہارا دوست کسی خاص تکلیف یا غصہ کی حالت میں کہی اور طرح سے دلی بھڑاس نکالنے کیلئے تمہیں کہتا ہو مخفی رکھنے کے قابل ہیں۔ تمہاری جہدوی کے بھروسے پر اسے تمہیں اس قدر صفائی سے گفتگو کی گو یا تم اس کا دل اس کا ضمیر ہو۔

آپس کی گفتگو میں جو کچھ تم سنتے ہو اس کو دوسری جگہ کہنا اکثر ایک فحش و ناک افشائے راز ہوتا ہو۔ اسے اگر بیان ٹکسکی نہیں تو نادانی ضرور کہیں گے۔ بات یہ ہو کہ جب کوئی سنی ہوئی بات کہو گے تو تم اسے تمام و کمال تو کہہ نہیں سکتے بہر حال اس کا کچھ حصہ ہی کہہ کر رہ جاؤ گے بفرصت حال تمہیں اس خاص حصہ کو نہایت عمدہ اور صاف پر لہ میں ادا بھی کیا تو بھی ممکن ہے کہ اس کے معنی اور مفہوم میں فرق آجائے جس طرح کسی خاص زبان کا یا معنی لفظ اپنے قریب الفاظ اور فقرہوں سے جدا ہو کر اگر بے معنی نہیں ہو سکتا تو اس کے معنی طلب میں فرق ضرور پیدا ہو سکتا ہے۔

ابہتری کی بھی ایک تصنیف الہند میں بھی ہے۔

معمولی سے معمولی عالم سے عام گفتگو میں بھی چند باتیں ایسی ہوتی ہیں جو مخفی رکھی جانیکے قابل ہیں۔ علاوہ اُن باتوں کے جو بالخصوص راز کے طور پر رکھی جاتی ہیں ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو چھپائیکے قابل ہیں مگر راز نہیں کہلاتیں۔ مثلاً کسی شخص نے کوئی بات ایک خاص مجمع میں کہی کسی کو اُس نے خاص طور سے راز دار نہیں بنایا مگر اُس کا مدعا یہ ہو کہ وہ بات اُس مجمع کے باہر نہ جائے۔ ایسی حالت میں یہ خیال پہلے ہی سے کر لیا جاتا ہے کہ جو اصحاب ہاں موجود ہیں وہ بے کلمے بھی اس مدعا کو سمجھتے ہیں کسی سنی ہوئی بات کو بالعموم لوگوں سے کہتے پھرنا گویا اپنے ہاتھ اپنی بے عزتی کرنا ہو اسکے یہ معنی ہوئے کہ جو کچھ اُس سے کہا گیا وہ وہ ادنیٰ اُسے ادنیٰ آدمی سے کہا جاسکتا تھا۔ تو گویا یہ آدمی ایک صحت ہی ادنیٰ اور بے وقار آدمی ٹھہرا اور کوئی شخص دنیا میں یہ پسند نہیں کرنا کہ اُسکی وقعت ایک ادنیٰ اور کم ظرف آدمی کی سی ہو۔ اسکے برخلاف بعض آدمیوں میں خواہ مخواہ ہر بات کے چھپانیکے عادت ہوتی ہے اس سے بحث نہیں کہ وہ بات کس یا یہ اور کس وقت کی ہو وہ اُسے چھپائے جائینگے۔ ہر موقع پر اور ہر وقت وہ راز داری کی سخت ذمہ داری سر پہ لے لیتے ہیں۔ اس بڑی عادت کی نسبت ملائم سے ملائم الفاظ میں ہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ بے ضرورت ہو۔ اکثر یہ عادت طبعی سر پہ پین اور زہلی سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ عادت اکثر اُن لوگوں میں بھی پائی گئی ہو چکے انہیں خاص طور سے تسکلی دافع ہوئے ہیں کبھی کبھی ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کے راز اُکھارے ضرورت اور کثرت فاش ہو گئے اور اسل فشاء سے اُسے دل رنج ہو چکا تو وہ بے ضرورت راز داری اُسکی عادت ہو گئی۔ یا یہ کہ احتیاطاً اس بے ضرورت راز داری کا اُسے خود کو عادی بنا لیا خواہ اس عادت کی کچھ ہی وجہ کیوں نہ ہو۔ یہ بذات خود ایک تکلیف دہ کمزوری ہے۔

جس طرح بعض لوگ بجلا کی اور ہتھیلی کی طاق سمجھتے ہیں اسی طرح ایسے لوگ اس قسم کی راز داری کو دانائی خیال کرتے ہیں۔ یہ ضرور سچ ہے کہ جس آدمی کو یہ مزید نہ ہو کہ کس قسم کے اسرار کا کن اشخاص کو اور کیسے موقع پر راز دار بنانا چاہئے۔ اُسکے لئے یہی ہتھیلی بہتر ہے کہ وہ بالکل ہی خاموش ہے۔ یہی اُسکے لئے سب سے اچھی تدبیر ہے اور اُسے واجب ہے کہ اپنے طرز عمل کو کسی حال میں بدلنے نہ دے۔ ہاں اسے دانائی بھی نہ سمجھے۔ یہ ایک فائدہ مند احتیاط ہے دانائی نہیں ہے۔ کسی طبیعت میں صاف گوئی، کم سخی، اور سنجیدگی کی وہ ترکیب جو واقعی قابل تحسین ہے کوشش سے یا فائدہ خاموشی کے پڑھنے سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک

قدرتی بات ہے اور اسے حاصل کرنیکی سعی بے سود ہے، جو آدمی فطرۃاً معاملات کے سیدھے سادے طریقہ پر کہ گزرنے اور دوسروں کے جذبات اور احساسات کا پورا پورا لحاظ رکھنے کے عادی ہوتے ہیں انھیں کے طبائع میں نہ کو رد الباطن میں سمجھ پائی جاتی ہیں اور ایسے اشخاص میں یہ پیچیدگی بالکل فطری ہوتی ہے کہ ان کو معاملات میں کتنے اسرار مخفی رکھنے کے قابل ہیں اور کتنے دلائل کے کھلے ادا کی طرح دیگر کوساتھ میں لے کر کتنا چھپا کر بات کر سکتے ہیں تاکہ ان کا دل نہ پھر جھینٹ لگائی بنا اور بات سمجھیں ہر چیز منسکس ہو جاتی ہے اور برائے سخت اور بے حس ہیں ایک ضمیر جسکی ہر بات مخفی ہے اور ایک طبیعت جس سے رفتار کا مادہ ہی مخفی ہے اور برا کا راز ہیں۔

جب کوئی بات عام ہو جاتی ہے تو عموماً یہ بات بہت بری نہیں سمجھی جاتی اور عام طور سے لوگ ایسا کہہ بھی گزرتے ہیں کہ فلاں بات تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھی ممکن ہے کہ یہ کوئی بڑی نصیحت یا کین از داری کے خلاف نہ ہو لیکن یہ نو دیکھو کہ تم ایسے وقت میں اس سے زیادہ اذیتا لے رہے ہو کہ اس سے کتنے ہو۔

اب رہی یہ بات کہ کس قسم کے آدمی قابل اعتبار ہوتے ہیں اور راز کو راز کے طور پر رکھ سکتے ہیں۔

یہ بات کہی جاسکتی ہو کہ سنجیدہ آدمی جن میں ذرا خود بینی کی بوکھی ہو نہایت قابل اعتبار لوگ ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح وہ انخاص بھی مستبر ہوتے ہیں جنکو کبھی ایسے معاملات سے سابقہ نہ چکا جنہیں خواہ مخواہ اُن کو راز داری کرنی پڑی ہو۔ کیونکہ پہلے جس کام کو وہ فرض کے طور پر شروع کرتے ہیں وہی کچھ دنوں بعد اُن کی عادت ہو جاتی ہے۔

یہ بات صریح طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ کم فہم مغرور کا راز جلدی فاش ہوتا ہے یا ہو وقت کا۔

اکثر لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ اگر وہ کوئی راز جانتے ہیں تو اسکو صاف طور سے تو نہیں کہتے لیکن اس کے متعلق ایسی باتیں کہتے ہیں کہ سامعین میں سے کوئی تیز فہم شخص غرور اس کو دریافت کر لیتا ہے۔

ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنسے راز کتنا ہی نہ چاہئے کیونکہ اُن سے راز کتنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں کئی طرح کے لوگ ہوتے ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ کسی خاص راز کو جاننا اپنا اعزاز سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے بھرتے ہیں بعض میں رازداری کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ وہ راز کو جو نواز غلطی سے یا کیا فساد کر دیتے ہیں بعض ایسے بھی ہیں جو کسی ایسے راز کو دریافت کر کے اُس سے بیجا اور ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں اور ان سب جدا ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی جو جن کو دنیا کے

نشیب غراہ کا کوئی تجربہ نہیں، جو حکما زمانہ ہمیشہ کیا، موافق رہا جو ایسے لوگ اذ کو ایسے نہیں انشاء کرتے کہ وہ اس سے واقعی کسی کو نقصان پہنچا دین بلکہ وہ بچا رہے سیدھے سادے لوگ جانتے ہی نہیں کہ اسرار کے ظاہر ہو جائیے کیا کیا نقصانات ممکن ہیں بلکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اذ فاش ہو جائیے واقعی کوئی نقصان ہو سکتا ہی نہیں قبل اسکے کہ تم کسی کو اپنا راز دار بنائو یہ غور کرنا بہت ضروری ہے کہ جو بات تم کہنا چاہتے ہو وہ واقعی راز ہی نہیں اور کیا اُس میں کافی ذمہ داری کی ضرورت ہو اکثر لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ تھوڑے دنوں تک کسی راز کو مخفی رکھنا گویا راز داری ہو پورا پورا حق ادا کرنا ہے ایسے لوگ جب کچھ عرصے تک کسی بات کو چھپا چکے ہیں تو اُس کے افشاء کرنے میں انہیں کچھ بہن پیش نہیں ہوتا اور اس میں کچھ تعجب نہیں۔ اکثر باتیں ایسی ہلکی اور معمولی ہوتی ہیں کہ کچھ عرصے کے بعد ہم کو یاد بھی نہیں رہتا کہ وہ کبھی ہم سے بطور راز کے کہی گئی تھیں۔

اکثر اپنے عزیز ترین دوست سے بھی بات چھپائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کہ جب تم کسی خاص بات کے بھول جائیگی کوشش کرو گے تو جلد بھول سکو گے اور تمہاری پریشانی جلد ختم ہو جائیگی مگر برعکس اسکے اگر تم نے دوست کوئی بات کہ دی اور کچھ عرصے بعد اس کو بھول جانا چاہتے ہو تو یہ ممکن ہے کہ تم اُسے اپنے لئے نکال ڈالو لیکن دوسرے دل سے اس کا نکالنا خواہ وہ تمہارا عزیز سے عزیز اور سچے سے سچا دوست کیون ہو آسان نہیں ہے۔ اسی حالت میں پریشانی کا کاٹنا بالکل نہیں نکلیا تاکہ دو مذاقہ کا کھکا ہی کرنا ہو۔ یہ تمیز بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے کہ کس وقت سکوت اختیار کرنا چاہئے اور کس وقت نصیحت اور ہمدردی کی باتیں کرنی چاہئے۔ یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ تم کسی کو اپنے ضرورت پورا دلا دے اور اسے بنا دے اور ایسے شخص سے اپنے مخفی اسرار کو جسکا راز دار بننا اگر ظاہر ہو جائے تو کسی کا دل دکھے اور اس کو تمہاری کی آرزو یہ باتیں کہی ہی کیوں نہ ہوں لیکن دوسرے کو خواہ مخواہ اپنی صحبت کا شکر کرنا عقلمندی کی بات نہیں۔ تلمی داس جی نے کہا اچھا کہا ہے۔

تلمی ہر گھر جانے دکھ نہ کیوں روئے آپن بھرم گنوائے کے بات۔ پوچھو کوئے

اپنے راز دوسرے سے کہنے میں ایسی ہی ذمہ داری ہے جیسی دوسرے کے راز جاننے اور اُن کے راز دار بننے میں۔

معزز ناظرین! غالباً رمضان شریف اور عید بیک کی واسطے آپ کو اچھے عطر مطلوب ہوں آپ ہمارا وہ قول فرمائیے اور کاغذ و ذرا لیا میں کڑا ہزن بیگانہ لکھنؤ سے جتنے ہوئے ہر دم و ہر تہ کے عطر طلبہ لائے

کسان کی لڑکی

(ایک جیب میں)

گو الیا رنے آگے دہلی کے راستے میں بہت دور تک میدان چلے گئے ہیں۔ دہلی جانے والوں کو اس راستے میں بہت تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ دو دور تک پانی زمین ملتا۔ آبادی کا کوئی پتہ نہیں۔ بندھیا چل کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہو۔ مسافروں کے حلق خشک ہو جاتے ہیں۔ اور ہونٹوں پر بیڑیاں جم جاتی ہیں۔ اگر خدا نخواستہ اس اساتہ میں سایہ درخت نہ ہوتے تو مسافر گرمی کے مارے ٹرپ ٹرپ کر مر جاتے۔

ٹھیک دوپہر کا وقت ہو۔ ایک نیم کے درخت کے سایہ میں کوئی سوار دم لینے کے لئے ٹھہر گیا ہے۔ بادِ سہم کے تپ پڑے چل رہے ہیں۔ بیچارے نے بچاؤ کیلئے اس سے منہ ڈھانپ لیا ہو۔ اور دل ہی دل میں کہہ رہا ہو "اُف! اس طرف کسی کو جلتی ہے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، جو اس طرف بھٹک آیا؟" سب کے ساتھ رہتا تو اچھا ہوتا۔ خیر اذرا دھوب کم ہو جائے تو آگے بڑھوں، اور جب تک آبادی نظر نہ آئے دم نہ لون۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور ایڑ لگا لی۔ گرمی سے اس کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ پیاس کی شدت کے باعث وہ غش کھا کے گرا چا ہوتا تھا۔ اسے میں ایک گاؤں نظر آیا۔ سوار فوراً گاؤں کے کنوئیں پر، جہاں ایک کسان کی بھولی بھالی لڑکی باہی بھڑی تھی، جا پہنچا، گاؤں کی لڑکی نے شکل سے اس بٹھاٹھ کا کوئی سوار دیکھا ہو گا۔ اجنبی کے آنسو وہ کچھ گھبرا سی گئی اور ڈول اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں گر پڑا۔ لڑکی نے گھبراہٹ میں جاہلی سے رستی بکرتولی مگر اُس کے ہاتھ برابر کانپ رہے تھے،

سوار نے کہا "گھبراؤ نہیں میں تمھارا دوست ہوں، دیکھو تمھارے ہاتھ کانپ رہے ہیں، تسی تھے دو۔ میں ڈول کھینچ کر کھینچ پانی بلا دوں، اور خود بھی پیوں، اتنا لکڑہ گھوڑے سے اترنا اور ڈول کھینچ کر لڑکی کو پانی دینا چاہا، مگر اُس نے کچھ جواب نہ دیا، جب دیکھا وہ سوار نے کہا "تو وہ ڈرتے ڈرتے بولی "ہمارا لڑکے، ہم بی بی لو، میں نہ پیوں گی۔"

غرض سوار نے پانی پی کر گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا۔ اور خود کنوئیں کی جگت پر نیم کے سایہ میں پڑ کر سوار، کچھ دیر آرام کرنے کے بعد کباب لگی چونک کر اٹھا، تو دیکھا کباب لگی دہی لڑکی دودھ لئے کھڑی ہو۔ وہ بولی "ہمارا لڑکے! یہ گھوڑا اساد دودھ ہو اسے پی لو،"

سوار نے انکار کرنا مناسب سمجھا، اور لڑکی کی سادہ دعوت پر مسکرا کر بولا "لڑکی! ہم ضرور
بکھر گئی اور وقت ملین گے مگر کسی دوسری زمین پر، اور دوسری صورت میں۔ مجھے میرے ہمراہی تیار
کھینے ہیں۔ دیکھیں تم مجھے بکھر بچا جاتی ہو کہ نہیں! اتنا کمکراؤ اس نے زمین کی اور گھوڑے پر سوار
ہو کر باگ موڑی، اور اسی میدان میں غائب ہو گیا۔

(۲)

"ہم ضرور بکھر گئی اور وقت ملین گے" یہ کون تھا؟ کسی ملک کا راجہ ہوگا، جیسی تو ایسے کپڑے
پہنے تھا۔ مگر راجہ کو کیا پڑی تھی، کہ یوں مارا مارا بکھرا راجہ نہیں تھا، کسی دیوتا کا اُتار تھا، یا کوئی اچھا
آدمی تھا؟ سوار کے چلے جانے کے بعد لڑکی ان باتوں پر غور کرتی رہی جو اُس نے چلتے وقت
کہی تھیں۔ اُس کے دل میں کچھ ایسی محبت پیدا ہو گئی تھی، کہ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتی تھی، کہ
میں کیونکر سوار سے ملوں گی۔

دو مہینے اسی حالت میں گزر گئے۔ اب وہ زیادہ بے چین ہونے لگی کہ ابھی تک سوار
نہیں آیا۔ دنوں پر دن گزرنے لگے۔ مگر بچاری کا لکا کے سوار کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ اسکی
اس حالت سے اس کے والدین بھی واقف ہو گئے، انھوں نے مناسب سمجھا کہ اس کو کہیں ٹھکانے
لگا دیں، مگر کاکا ان باتوں کو زیادہ برداشت نہ کر سکی۔ اُس نے ارادہ کر لیا کہ جس طرف سوار
سودا گیا ہو، میں بھی اُسی طرف نکل کھڑی ہوں گی، شاید کہیں نہ کہیں انور اُس سے بھینٹ
کر ادا دے۔

(۳)

مصیبت کی باری کا لکا اپنے سوار کی تلاش میں باقی بہت کے میدان میں جا پہنچی۔ راستہ میں
ترکوں نے اُسے تنگ کیا۔ مگر اپنے بھوٹے پن اور سادگی کی وجہ سے وہ اُنکے پچھتے سے نکل گئی۔
"شکر ہے تیرا۔ بڑی بلا سے تو نے بچا۔ ایسی ایسی مصیبتیں تھیلین۔ دیکھوں اب بھی سوار ملتا ہے کہ
نہیں، اگر یہاں بھی تیرے چلا، تو لہان جاؤں گی، کتناک جو گن بنی بھردن گی، خدا یا اب توجی گبرا
جاتا ہو، پاؤں میں طاقت نہیں رہی، تلوؤں میں آئے بڑ گئے ہیں۔ آہ! ذرا آگے بڑھ کر دیکھوں
یہ کس کا ڈیرہ ہو۔ یہاں تو لڑائی کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ یہاں ضرور میرا سوار ہوگا مگر میری بہت
کیون ٹوٹی جاتی ہے۔ راجپوت تو بہت نہیں مارا کرتے! میرا باب دن بھر کیلا ہی مل چکا ہے اگر تیرا
اور میں اتنے ہی پرکھتی جاتی ہوں۔" غرض بہادر کا لکا اپنے دل سے اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے اُسے بھی

ایک طرف احمد شاہ درانی کی فوج پڑی ہے، اور دوسری طرف مرہٹوں کا بڑا ڈھ ہے، یہ بھولی بھالی لڑکی اپنے سوتا کی تلاش میں بادشاہ کے خیمے کے پاس جا پہنچی، اقبال پاس ہی لڑکی کو کپڑا کر اپنے افسر کے پاس لے گئے، بھوڑی دیر میں بادشاہ کو بھی خبر پہنچی، اُس نے اپنے حضور میں بلا کر پوچھا، "تو کون ہو؟ اور کہاں جانا جا رہی ہو؟ لڑکی نے سچ سچ بتا دیا بادشاہ کو بھی اس کی باتوں پر یقین ہو گیا۔ لڑکی فوراً راکر دی گئی۔

آگے بڑھ کر وہ مرہٹوں کے بڑاؤ کے پاس جا پہنچی وہ بہت ہم کم کر قدم اٹھاتی تھی ایک جگہ کسی کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی، "میرے رام! کہیں سوتا یہی تو نہیں، اُذرا آگے بڑھ کر ان کا نام پوچھو۔" سینگھیا اپنے خیمہ میں جانے ہی کو تھا کہ لڑکی کے سامنے آجانیے رک گیا۔ لڑکی، "ہمارا ج! مجھے میرے کالی کالی آنکھوں لے سوتا کا پتہ بتا دو۔"

یہ بھولی بھالی آواز سن کر پہلے تو سینگھیا اس کی بھولی صورت دیکھتا رہا، مگر جب اُسے کچھ یاد نہ آیا تو بولا، "تو کس کو پوچھتی ہو؟"

لڑکی، "میرے راجہ کا نام سوتا تھا۔ بندھیا جیل کے پاس جہاں میرے ماں باپ رہتے ہیں انھوں نے ایک فٹہ مجھ سے کہا تھا کہ ہم ضرور کبھی اور وقت ملیں گے! ہمارا ج! اُس سوتا میں دیوتا کی سی باتیں بھین میں کیا بتاؤں، کہ کہاں کہاں اُسے ڈھونڈ بھری ہوں اسکے لئے میں جو گن بن گئی! یوں تو ہمارا ج! ہم غریب کسان ہیں، مگر ہم میں چھتری خون ہو جسے مجھے یہاں تک پہنچایا، ہمارا ج! تمہاری صورت تمہاری آنکھیں، اس سے ملتی جلتی ہیں، کہیں تمہارا ہی نام تو سوتا نہیں ہو۔"

سینگھیا لڑکی کی ان باتوں کو سن کر بے چین ہو گیا، اور اُس روز کا سامان اُسکی آنکھوں کے سامنے بھر گیا، اُسے حیرت تھی کہ گانوں کی لڑکی نے جس سے اُسے مذاق بھرنے کے لئے کہا تھا، اس قدر عجیب ہو کر اُس کی تلاش میں کسی کی مصیبتیں جھیلی ہیں، سینگھیا کے دل پر بھی اب اس لڑکی کی محبت کی چوٹ لگی، اُس نے کہا "لڑکی تیرا سوتا میں ہی ہوں، تو نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں، آ، اس ڈیرے میں چل، تو میں اطمینان کے ساتھ تجھ سے بات چیت کروں۔"

(۴)

باقی پت کے میدان میں جہاں ہمیشہ ہندوستان کے بادشاہوں کو شکست ملا کی ہے، مرہٹے بھی مارے، اور ایسے ہائے کہ بھرنے پہنچے، سینگھیا جی توڑ کر لڑا، مگر جب پانسہ لپٹا ہو تو بتائے نہیں

بنتی، وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگا، تاہم کالکا کی محبت اس نازک وقت میں بھی نہیں بھولی
جیتک لڑتا رہا، تو بار بار خیمہ میں جا کر اسے دلاسا دیتا رہا۔ اور اب بھاگا تو اس کو بھی ساتھ لے کر
بھاگا ہو۔ اکیلے افغان نے جب دیکھا کہ جس شکار کو پہلے اس نے پکڑا تھا اسے ایک مرہٹے نے جا رہا ہو
تو وہ اس پر جھپٹا، سینہ دھانے بھی گھوڑے کو تیز کیا۔ دو گھنٹے تک وہ لگا مار گھوڑے کو دوڑاتا رہا
اور اب اس نے سمجھا کہ افغان نا اُمید ہو کر اس پر چلا گیا ہو گا، لہذا گھوڑے کو آہستہ کر دیا۔ لیکن
گھوڑی ہی دیر میں افغان بھر نظر آیا، سینہ دھانے بھی گھوڑے کو تیز کر دیا، مگر اسوس جتنا جڑھی
ہوئی تھی، اور تھکے ہوئے جانور کو پارے جانا بہت مشکل تھا، سینہ دھانے کو سیدھا صدمہ ہوا۔ افغان
برابر پیچھے چلا آ رہا ہو۔

کالکا نے جب یہ کیفیت دیکھی، تو کہا "ماراج مجھے یہیں چھوڑ دو، مجھ کو بھگت کیلئے اپنی جان
نہ گنواؤ، کالکا کی محبت کو آزمانے کا یہی وقت ہو! آئندہ خیمہ میں اسے اس خیال سے بڑی خوشی
ہوگی کہ وہ اپنی پت کی لڑائی میں اپنے سوتا پر سے بچھا کر ہو گئی۔"

مگر سینہ دھانے کو یہ کب گوارا تھا۔ جان جائے برکا کا پاس سے جُدا نہ ہو اسی اثنا میں افغان
سر پر آ پہونچا، سینہ دھانے کا لکا کو گھوڑے سے اتارا، اور خود خیمہ پر جھپٹا، دو لون میں
بہت دیر تک لڑائی ہوئی رہی۔ آخر سینہ دھانے کے سر پر ایک ایسی تلوار پڑی، کہ وہ اپنے گھوڑے
کی گزرن سے لپٹ کر بیہوش ہو گیا۔ گھوڑے نے جب اپنے مالک کی یہ حالت دیکھی، تو کسی طرف نہ
بھاگ نکلا، مگر بائے کالکا کہاں ہو؟ وہ اسی جگہ ہو جہاں اس کے سوتے نے اُس کو اتار دیا تھا، اُس کے
پہرے پر خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں۔ اُسے خود ہی خبر سے اپنا کام تام کر لیا ہو۔ جب وقت اس
افغان نے اُسے اٹھانا چاہا تو کالکا کے منہ سے سوتا نکلا، اور دنیا سے اجل لے لی۔

(ماخوذ از "العصر")

کارخانہ روض الریاحین کٹرہ بزن بیگ خان کفنو کے مندرجہ ذیل عطر بہت ہی اچھے ہیں
عطر حنا۔ فی تولہ آٹھ روپیہ عطر جلی فی تولہ آٹھ روپیہ عطر محبوب بند فی تولہ دس روپیہ
عطر شامہ النبر " چھ روپیہ عطر غلاب " آٹھ روپیہ عطر غلاب " دس روپیہ
روح خنس " آٹھ روپیہ خلوط آصفی " پانچ روپیہ عطر فتنہ " چار روپیہ
عطر موتیا " چھ روپیہ روح پاڑھی " تین روپیہ عطر رگ حنا " تین روپیہ

صبح سہرا کا ساقی نامہ

(از جناب مولانا شفیق عمار دہلوی)

ساقی نے دو آتش بکھر کر ملا مجھے گریاے جس سے طبع وہ ساغر بلا مجھے
بے درد تیز و تند مقرر بنا مجھے آتش لباس بادہ احمر بلا مجھے

دلی لگی بھلے وہ دے آگ ساقیا

نوتا ہے کیا سحر ہوئی اب جاگ ساقیا

جھپٹی ہین ماہتاب کے زہر ہوائیاں ہین زرد زرد شمع کی گوری کلایاں
کبتک سہین خمار کی زور آرمایاں کبتک بخار دل کا نکالین جالیان

لا جام آتشین ترے قربان ساقیا!

فروغ دخت زہری جان ساقیا!

مرے کھوئے جاتے ہین آئے ہوئے اس سرمایہ کبے پاس کی سرنائی کی ہو اس
جاگے نام رات کے لبخند آدا اس دانا زرا بھلا ہوا بٹھا بھر کے آگ کلاس

اعضا فکین ہو ہر نفس سرد ساقیا!

رگ رگ میں بند بندین ہو درد ساقیا!

کلی کو بھی ترستے ہین علاج آئے نان لالین کمان سے خال ڈالے رضایاں
اٹھ اٹھ کے پاتے ہے شہر ابھیٹیاں بیٹھے ہین دھوپ کھانیکو اب کرمان

کبے ہین منتظر ترے جام شراب کے

درے سب انتظار میں ہین آفتاب کے

جیب شفق سے تار شعاعی کا پتہ ظہور کرنین سہری پھلتی جاتی ہین زور زور
خجل کا ہر شجر نظر آتا ہے نخل طور چھایا ہوا ہر دشت درد و کج و برین زور

ساقی! یہ عکس مہر نہیں سطح آب پر

قلمی چڑھی ہو سونے کی جام جاب پر

گرتی تھی بزم جو کرہ زہری سے پانی ہوئی ہے شعلہ کان اینتر سے
ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جو پلٹے تھوڑے سے گریاے اب حرارت مہر سے

لبر ز نغہ جو لڑ پونے دے خوش تر کج
 بھر کر چھلک گئے وہ کٹورے گلاب کے
 ہنس نے رکھی چادر شہنشاہ انا کر
 کلیان بھی مسکرانے لگیں بدل کر گھر
 نرگس بھی آنکھیں ملتی جو اٹھی چھلکے سر
 سوسن زبان دلا دیتی بل اٹھی خطیر
 اے خنگان خاک! دم ناؤ نوش ہو
 ہنگام گرم خیر خیر خوش و خوش ہو
 میکش بکارتے ہیں کہ فریاد ساقیا!
 وعدہ نہیں جو کل کا تجھے یاد ساقیا!
 زندان رنج و غم سے کراؤ ساقیا!
 تو شاد میکدہ ترا آبا و ساقیا!
 سُرما کی بھر یہ صبح کمان، یہ سان کمان!
 بھرنو کمان، یہ گل کمان، یہ گلستان کمان!
 روحی فداک جام صبحی بلا مجھے
 تازہ ہو جس سے روح لے دہل مجھے
 کیا فکر راحت ابدی کے ہوا مجھے
 نئے موت میں جان فانیں بھال مجھے
 زندہ شفق کا نام و سحر شام ساقیا!
 وہ جام دے نجیر ہوا جام ساقیا!
 (ماخوذ العصر)

خواب ہرن مار کے



پونہ ہندوستان میں سیکرڈن خواب لایا ہو چکا ہے لیکن ہرن مار کے خواب کسی تعریف کا حاجت مند نہیں
 دوست میں برف جیسے سفید بالوں کو فندنی رنگ پر سیاہ شل ریشم کے کرتا ہوا جلد پر ہوا بھی
 دھبہ نہیں پڑتا ہے۔ دوسرے خوابوں سے بہتر اور بے ضرر ہے
 منہت فی شبی (جین بابا کی تواریخ ہوتا ہے) ۱۲ علامہ محمد لٹاک
 لکھنے کا پتہ۔ ڈاکٹر آر این۔ شیو پوری گورنمنٹ ہسپتال ممبئی ۴۴ کٹرہ ہرن بیگ خان لکھنؤ

دگلہ از

مولانا شہر مہم کی یادگار و دو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جسے زبان اردو کے علمی خزانے کی علی النہی سے بہرہ فراہم کرنے کے لیے خیر ادارہ کے بانی گرامر دو سرے میں بھی خرید اور پڑھیں تو ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے اور دس سال بعد کے چند اور محصول ڈاک پر ایک روپیہ بارہ آنہ میں پی دی روانہ کر دیا جاتا ہے۔

تصانیف مولانا محمد عبدالحکیم صاحب شہر مہم

- | | |
|---|---|
| ۶۱۔ فردوس بریں۔ جسے جنت کی سر | ۱۔ (تاریخ سوانحی اور کچھ وغیرہ) |
| ۶۲۔ قیس لبنانی۔ مشہور عاشق عربی کی مشہور | ۲۔ جہانگیر نامہ۔ حضرت جہانگیر کے حالات |
| ۶۳۔ لعلت چین۔ محمد صاحب کا تاریخی ناول | ۳۔ ابوبکر شبلی۔ حضرت نبی کے حالات |
| ۶۴۔ مقدس ناولین۔ ایک حبیب کا یوں بن جانا | ۴۔ حسن بن صباح۔ بانی زرقاطیہ کے حالات |
| ۶۵۔ ادملک۔ غول کا بیج اور فتوحات | ۵۔ خواجہ معین الدین۔ خواجہ بابری کے حالات |
| ۶۶۔ پرتھوی نچر کاہل۔ جنگ بقیہ میں پتی | ۶۔ ملکہ ذوالنیر۔ سلف کی ایک عربی نثر و نگہ |
| ۶۷۔ آیام عرب۔ جاہلیت عرب کی مکمل تصویر | ۷۔ سلیمان بن جعفر۔ جناب سلیمان بن جعفر |
| ۶۸۔ جولے حق۔ حضرت رسول اکرم کی سوانح | ۸۔ قرۃ العین۔ ایران کی مشہور بہتہ رادی کے حالات |
| ۶۹۔ بظور ناول۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا | ۹۔ ولادت سرور عالم۔ مولانا شہر مہم علامہ ابوالفتح |
| ۷۰۔ زوال بغداد۔ شہر بغداد کی ترقی و زوال کا | ۱۰۔ ابن خلدون کا تریخ العرب و اسلام کا نظم میں |
| ۷۱۔ نیکو۔ بغداد کی تباہی۔ | ۱۱۔ سفر نامہ امام غزالی۔ امام غزالی کے سفر کے حالات |
| ۷۲۔ شوقین ملک۔ دوسری صلیبی لڑائی۔ | ۱۲۔ سر سید کی دینی کتب۔ |
| ۷۳۔ طاہرہ۔ نہایت دلچسپ ناول | ۱۳۔ قانون وراثت اسلام پر مولانا کا ایک کچھ |
| ۷۴۔ مینا بازار۔ مولانا کا ایک اچھا ناول | ۱۴۔ ہندوستان کی ترقی |
| ۷۵۔ مینا کی کاکھل۔ نہایت دلچسپ نثری تصنیف | ۱۵۔ ثنائی اشین۔ حضرت عدنان اکبر کے حالات |
| ۷۶۔ الفلاسو۔ ایک عاشق ناول | ۱۶۔ ذبی النورین۔ حضرت عثمان کے حالات |
| ۷۷۔ بابک خانی۔ سلطنت عباسیہ کے حالات پر و جلد | ۱۷۔ ابوالحسن۔ حضرت علی کے حالات |
| ۷۸۔ حسن اخیلا۔ رومن کی لڑائی۔ | ۱۸۔ تاریخ ناول |
| ۷۹۔ فلور فلور۔ ایک نیا ناول | ۱۹۔ بغیر مہم۔ عبدی طون کا تاریخی ناول |
| ۸۰۔ ملک الغر و جانا۔ چودھریل اور صلاح الدین | ۲۰۔ فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ |
| ۸۱۔ منصور موہنا۔ شہر میں ایک انصافی | ۲۱۔ رومہ الکبریٰ۔ رومن کے لوگوں کا حملہ |
| ۸۲۔ خاندان کے حالات۔ | ۲۲۔ مفتوح قلعہ۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول |
| ۸۳۔ شہید وفا۔ | ۲۳۔ فلانا۔ افسانہ المشرق پر محمد بن احمد |

شہر حکیم محمد سراج الحق شہر دگلہ از کمرہ زبان بنگال لکھنؤ

تصانیف مولانا عبدالحکیم صاحب شریعت

دلگذازی مکمل جلدین		مولانا شریعت کے خیالی ناول	
جلد ۱۸۸۵ء	۱۰	۴۱۔ آغا صادقی کی شادی ایک نپ قصہ	۱۰
جلد ۱۸۸۶ء	۱۰	۴۲۔ حسن کاٹو اکوڑا جو کہ نواب کا اہل خانہ ہے	۱۰
جلد ۱۸۸۷ء	۱۰	۴۳۔ اسرار دربار حرا میوڑا جو کہ نواب کے	۱۰
جلد ۱۸۸۸ء	۱۰	۴۴۔ بہت سے حالات ہر دو جلد	۱۰
جلد ۱۸۸۹ء	۱۰	۴۵۔ عیب دان و لمن حیرت انگیز غیب انی	۱۰
جلد ۱۸۹۰ء	۱۰	۴۶۔ خوفناک محبت، ہندوستان کی غریب آبادی	۱۰
جلد ۱۸۹۱ء	۱۰	۴۷۔ پاکداسی دجالت کی ایسی اچھی تصویر نہیں ہو سکتی	۱۰
جلد ۱۸۹۲ء	۱۰	۴۸۔ مکتب، مصنف کا پہلا روزنامہ	۱۰
جلد ۱۸۹۳ء	۱۰	۴۹۔ لکھنؤ کی حالت	۱۰
جلد ۱۸۹۴ء	۱۰	۵۰۔ ڈرامے اور نظمیں	۱۰
جلد ۱۸۹۵ء	۱۰	۵۱۔ سیری بابل گولڈ ہیر کے ٹیکے کا انگریزوں کا	۱۰
جلد ۱۸۹۶ء	۱۰	۵۲۔ زمانہ اور اسلام، ایک سوز و دل تو خیر نظم	۱۰
جلد ۱۸۹۷ء	۱۰	۵۳۔ غزلی کی بیباکیاں اور رشتہ دار	۱۰
جلد ۱۸۹۸ء	۱۰	۵۴۔ غیب و محفل، اوراق کے بعدوں کا بیان	۱۰
جلد ۱۸۹۹ء	۱۰	۵۵۔ مضامین شریعت	۱۰
جلد ۱۹۰۰ء	۱۰	۵۶۔ شاعرانہ و عاشقانہ دوحے	۱۰
جلد ۱۹۰۱ء	۱۰	۵۷۔ تاریخی و جہانی	۱۰
جلد ۱۹۰۲ء	۱۰	۵۸۔ گذشتہ نگینہ	۱۰
جلد ۱۹۰۳ء	۱۰	۵۹۔ سیر حال	۱۰
جلد ۱۹۰۴ء	۱۰	۶۰۔ ختم سال و شروع سال	۱۰
جلد ۱۹۰۵ء	۱۰	۶۱۔ سیر نوان	۱۰
جلد ۱۹۰۶ء	۱۰	۶۲۔ ادب و تحقیق مسائل	۱۰
جلد ۱۹۰۷ء	۱۰	۶۳۔ اصلاح قوم و ملت	۱۰
جلد ۱۹۰۸ء	۱۰	۶۴۔ تاریخی و اوقات پر خیال آرائی	۱۰
جلد ۱۹۰۹ء	۱۰	۶۵۔ نظم و ڈرامے	۱۰
جلد ۱۹۱۰ء	۱۰	۶۶۔ مضامین شریعت	۱۰
جلد ۱۹۱۱ء	۱۰	۶۷۔ شاعرانہ و عاشقانہ دوحے	۱۰
جلد ۱۹۱۲ء	۱۰	۶۸۔ تاریخی و جہانی	۱۰
جلد ۱۹۱۳ء	۱۰	۶۹۔ گذشتہ نگینہ	۱۰
جلد ۱۹۱۴ء	۱۰	۷۰۔ سیر حال	۱۰
جلد ۱۹۱۵ء	۱۰	۷۱۔ ختم سال و شروع سال	۱۰
جلد ۱۹۱۶ء	۱۰	۷۲۔ سیر نوان	۱۰
جلد ۱۹۱۷ء	۱۰	۷۳۔ ادب و تحقیق مسائل	۱۰
جلد ۱۹۱۸ء	۱۰	۷۴۔ اصلاح قوم و ملت	۱۰
جلد ۱۹۱۹ء	۱۰	۷۵۔ تاریخی و اوقات پر خیال آرائی	۱۰
جلد ۱۹۲۰ء	۱۰	۷۶۔ نظم و ڈرامے	۱۰
جلد ۱۹۲۱ء	۱۰	۷۷۔ مضامین شریعت	۱۰
جلد ۱۹۲۲ء	۱۰	۷۸۔ شاعرانہ و عاشقانہ دوحے	۱۰
جلد ۱۹۲۳ء	۱۰	۷۹۔ تاریخی و جہانی	۱۰
جلد ۱۹۲۴ء	۱۰	۸۰۔ گذشتہ نگینہ	۱۰
جلد ۱۹۲۵ء	۱۰	۸۱۔ سیر حال	۱۰
جلد ۱۹۲۶ء	۱۰	۸۲۔ ختم سال و شروع سال	۱۰
جلد ۱۹۲۷ء	۱۰	۸۳۔ سیر نوان	۱۰
جلد ۱۹۲۸ء	۱۰	۸۴۔ ادب و تحقیق مسائل	۱۰
جلد ۱۹۲۹ء	۱۰	۸۵۔ اصلاح قوم و ملت	۱۰
جلد ۱۹۳۰ء	۱۰	۸۶۔ تاریخی و اوقات پر خیال آرائی	۱۰
جلد ۱۹۳۱ء	۱۰	۸۷۔ نظم و ڈرامے	۱۰
جلد ۱۹۳۲ء	۱۰	۸۸۔ مضامین شریعت	۱۰
جلد ۱۹۳۳ء	۱۰	۸۹۔ شاعرانہ و عاشقانہ دوحے	۱۰
جلد ۱۹۳۴ء	۱۰	۹۰۔ تاریخی و جہانی	۱۰
جلد ۱۹۳۵ء	۱۰	۹۱۔ گذشتہ نگینہ	۱۰
جلد ۱۹۳۶ء	۱۰	۹۲۔ سیر حال	۱۰
جلد ۱۹۳۷ء	۱۰	۹۳۔ ختم سال و شروع سال	۱۰
جلد ۱۹۳۸ء	۱۰	۹۴۔ سیر نوان	۱۰
جلد ۱۹۳۹ء	۱۰	۹۵۔ ادب و تحقیق مسائل	۱۰
جلد ۱۹۴۰ء	۱۰	۹۶۔ اصلاح قوم و ملت	۱۰
جلد ۱۹۴۱ء	۱۰	۹۷۔ تاریخی و اوقات پر خیال آرائی	۱۰
جلد ۱۹۴۲ء	۱۰	۹۸۔ نظم و ڈرامے	۱۰
جلد ۱۹۴۳ء	۱۰	۹۹۔ مضامین شریعت	۱۰
جلد ۱۹۴۴ء	۱۰	۱۰۰۔ شاعرانہ و عاشقانہ دوحے	۱۰

اگرچہ مولانا عبدالحکیم صاحب شریعت کی تصانیف دلگذازی مکمل جلدین ہیں لیکن ان کی تعداد کم ہے اور ان کی قیمتیں زیادہ ہیں۔

مولانا مولوی عبدالکلیم صاحب مرحوم مفتوحہ
کی یادگار
رسالہ

دلکشاں

جلد ۱۰۱
بابت ماہ صفر ۱۳۹۳ھ

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہنام

خاکسار حکیم محمد سراج الحق مینجراور پرنٹر و پبلشر ڈلکشاں

دلکشاں پریس فیکٹری بزرگ بنگلان مین

چھپ کے شائع ہوا



لش و لسن کہتا ہے "کسی کی نسبت یہ سن کے کہ اُس نے کسی غریب کو اس لیے روپیہ دیا کہ شراب خانے میں جا کے شراب پیے۔ یا قمار خانے پہنچ کے جو اٹھیلے یا بازار میں جا کے چند لغو کھلونے خرید لے ہمیں کس قدر متحیر بنا دے گا؟ تو پھر جس چیز کی اجازت دے دوسرے کو دینے میں تم ہنسے جاؤ گے اُس کے تم خود کیوں مرتکب ہو؟"

اپنی نظروں پر رکھو لاہور میں کسی شخص کا قول ہے "جو شخص اپنی نظروں پر نہیں رکھتا اُس کی نظر کو نیچا ہونا پڑے گا۔ اور جس کی ہمت بلند نہیں اُس کی قسمت میں ہے کہ لپٹ ہو کر رہے"

جونا بلی کی نظم میں ہے "آہ کون شخص لاپرواہی کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ شہر بجز خالی نام کے اور کوئی چیز نہیں ہے جبکہ اُس آواز میں ایک جادو موجود ہے جو دلی جذبات کو اس کی طرف کھینچتا اور دلوں میں ایک گرمی پیدا کرتا ہے۔ جس طرح کہ نامور مرحومین سلف کو یاد کر کے نوجوان آدمی اپنے شباب کے بستر سے چونک کے اٹھ کھڑا ہو گا۔ اور وہ دن باغیوں کو اوپر اٹھا کے ادر چھینکے عہد کرے گا کہ میں بھی ویسے ہی شریفانہ کام کروں گا"

اس میں شک نہیں کہ حقائق اشیاء کے لحاظ سے معمولی قسم کی الوالہریات ہیں بلکہ اپنے حوصلے کے زیر اثر نظر آتی ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ ہمارے

عہد ابلی گھٹان کی ایک مشہور صنف ہے۔ اس میں پیدا ہونے والی قوم اور ائمہ میں وفات پائی گو اس کی زندگی سچے مذاق مصنفین کے مطابق عزت و تہائی میں گزری اور چھٹی کوئی مشہور معاصر صنف تھا جو چند روز اس کا ہاتھ نہ رہا ہو۔

بڑے سے بڑے لوگ شکسہ اور ملٹن۔ شوٹن اور ڈارون۔ اُن خطابوں کے مطلقاً زیر بار احسان تہتین ہیں جو سلطنت سے مل سکتے ہیں۔ الوالعزمی کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان کا دل کسی طرح بھر نہیں چکتا۔ جیسے ہمارے دل پر چڑھنا کہ جب ایک چوٹی تک پہنچ چکے ہیں تو دوسری چوٹی نظر آتی ہے۔ اعظم ترین فاتحون مثلاً سکندر اور نیمبولین کا حوصلہ کبھی نہیں پورا ہوا۔ یہ محل الوالعزمی کے گھائل نہ کبھی چین پاتے ہیں اور نہ کبھی شکر گزار ہوتے ہیں۔ یہ ملین کہتا ہے "جو شخص آگے ہی بڑھتے چلے جانے کا شیا ہے اُسے رکن پڑنا ہو۔ وہ خود اپنی نظر سے گر جاتا ہے۔ اور وہ چیز ہی نہیں باقی رہتا جو کہ تھا۔" تاہم شاعر کے ہم زبان ہوں گے یہ کہنا کہ "شاندار زندگی کی مسرت کا ایک گھنٹہ گمنامی کی ایک عمر سے بہتر ہے" حد سے گزر جاتا ہے۔ خود غرضانہ الوالعزمی غول بیابان کی طرح ایک جگہ لگانے والا دھوکا ہے ان پی ولسن اپنی نظم میں کہتا ہے "وہ ایک معزز فریب ہے۔ وہ خوش نصیب لڑکے کا کمرہ دھونڈھتی ہوئی آتی ہے۔ اس کی حقیر کھڑکی کھول کے اندر داخل ہوتی ہے۔ اس کے آتے ہی تنگ دیوار میں پھیل کے وسیع ہو جاتی ہیں۔ مکان ایک شاہانہ قصر بن جاتا ہے۔ چھت بلند ہوتے ہوئے آسمان سے جا لگتی ہے۔ اور نہ نظر آنے والی غیب کی انگلیاں چھت پر اعلیٰ درجہ کے شہرے نقش و نگار بنا دیتی ہیں۔ اور سب سے بالا اس کے نام کو دہکتے ہوئے حرفون میں لکھ دیتی ہیں۔

"اور اس کا انعام کیا ہے؟ سب سے بڑھ کے ناموری۔ جس میں پہلے تعریف ہوتی ہے۔ جب اُسے سننے سننے کاں بھر جائیں تو زور۔ جب وہ جس خوش و زور سے خوش ہوتی ہے مردہ ہو جاتی ہے تو ہمار۔ جب وہ بال جن کی اُن باروں سے زینت تھی سفید ہو جائیں تو شہرت۔ پھر جب دل جوان نعمتون پر اچھلنے لگتا ہو بے جس ہو جائے تو اور باتیں مگر محبت نہیں۔ حالانکہ محبت ہی وہ چیز ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ پھر اس کے بعد ہی موت آ پہنچتی ہے۔ اور قبل اس کے کہ ہمیں یہ بھی معلوم ہونے پائے کہ یہ غیر سودمند نعمتیں ہیں لی تھیں یا کسی

اور کوہین بہ ہنہ اور بیک بینی و دو گوش قبرین پہونچا دیتی ہے۔
 "فقط عالی خاندان ہونے سے کیا مل جاتا ہے؟ میری ٹوچی میڈی
 سس جو فرانس کی ملکہ مملکت فرانس کے نظم و نسق کی مالک۔ بادشاہ فرانس
 کی مان۔ اسپین کی ملکہ۔ انگلستان کی ملکہ۔ اور سیواس کی نواب بیگم تھی۔ غرض
 کتنی ایک عزتیں رکھتی تھی۔ مگر باوجود اس کے اس کے بیٹوں نے اسے چھوڑ دیا
 اپنی قومین اس کے آنے کے بھی روادار نہ تھے۔ اور آخر دس سال کی تباہیوں
 کے بعد وہ شہر کو نیا میں فافہ کر کے مر گئی۔

دینا کے سارے تاج کم و بیش کانٹون کے۔ تاج ہین۔ تاج پویشون
 کی جیسی جس ہوا اسی کے مطابق ان پر ذمہ داریوں کا سخت بار رہا کرتا ہے
 جب کوئی غلط فیصلہ ہزار باختلقت کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے تو اس کی تکلیف
 محسوس نہ کرنا غیر ممکن ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ترقی سے چاہے وہ کتنی ہی آہستگی کے ساتھ
 ہونہ زندگی پر لطف ہو جاتی ہے۔ اور بغیر اس کے ناقابل برداشت رہتی ہے
 کیونکہ ترقی کا پتہ لگتا ہے۔ "ایسے اوقات آتے ہیں جبکہ تمام لوگ اپنی آرزوؤں سے
 مسرور ہوتے ہیں۔ اور انھیں زیادہ ترقی دینے کے لیے خوشی کے ساتھ غم
 و سرور۔ غزل خوانی۔ اور اسی قسم کی اور چیزوں سے تائید حاصل کرتے ہیں۔
 انسان اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ ٹرپھ نہ اس لیے کہ ایک ہی حالت پر
 پڑا رہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ ایک حالت پر کسی طرح قرار نہیں لے سکتے۔ ہمارے
 لیے لازمی ہے کہ آگے بڑھیں یا مرجائیں۔ مگر باوجود اس کے اپنے حوصلوں
 میں ہین وسائل ترقی اور نیز انجام سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ ایک ظاہری
 ترقی اگر ناجائز وسائل سے حاصل بھی ہو گئی ہو تو دراصل وہ تنزل ہے۔ تو
 پھر ہم کیونکر اپنی ان دونوں فطری ضرورتوں کو ہم آہنگ بنا سکتے ہیں؟ ہمارا
 حوصلہ یہ ہونا چاہیے کہ خود اپنے اوپر حکومت کریں جو کہ ہم میں سے ہر ایک
 شخص کی سچی سلطنت ہے اور سچی ترقی یہ ہے کہ زیادہ چاہیں۔ زیادہ بڑھیں
 اور زیادہ کام کریں۔ اس ترقی میں ٹھہرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ہر نہر قدم

وہ زیادہ مضبوط ہوتی جائے گی نہ متحدہ دش۔ پہلی اور سب سے اعلیٰ ترقی جو انسان حاصل کر سکتا ہے اپنے فرض منصبی کا بجالانا ہے۔

مسٹر کریک اپنے اشارہ میں کہتی ہیں: ”اُسے شاعرانہ مدح خوانی تاج پہناتی ہے نہ رسم و رواج اسے اپنی بیڑیاں بچھاتے ہیں۔ نہ دوستوں کی تحسین کی ضرورت ہے نہ دشمن الزام دیتے ہیں۔ موت بغیر کسی شان و شوکت یا حُسن و جمال کے اُسے ایک دیباچہ دیا نیت دار آدمی پالتی ہے۔ جو اپنے فرض منصبی کو بجالاتا ہو۔“

کہتے ہیں کہ ”ناموری“ کا لفظ ڈلوک آف ولنکمن کے مراسلات میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ اُس کی زندگی کا شعار ”فرض تھا“

بغیر اس کے کہ بہت میں فرق آئے اپنے آپ کو دلی اور دانا نابت کرنے کی کوشش کر دے۔ کیونکہ بابرگن کہتا ہے ”فضول خود نمائی نے بھی شہرت کا ایک صحیح راستہ اس طریقہ سے پایا ہے کہ ماترخی کے بیکار صفحہ پر دس ہزار ماتحون کے مقابلے میں صرف ایک دانا آدمی کو منتخب کر لیا۔“

آج کے سو برس بعد کیا امتیاز باقی رہے گا کہ تم مالدار تھے یا محتاج؟ نواب تھے یا کسان؟ مگر کیا اس کا امتیاز بھی مٹ سکتا ہے کہ تم نے جو کچھ کیا وہ ٹھیک تھا یا غلط؟

رسم کو کہتا ہے ”جو ہم خیال کرتے ہیں۔ یا جو ہم جانتے ہیں یا جس چیز کا ہم یقین رکھتے ہیں انجام میں سب بے نتیجہ ہیں۔ یا نتیجہ چیز فقط یہ ہے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔“

الوہ کی نظم میں ہے۔ دانا ئی کمان ملتی ہے؟ اور سمجھ کمان رہتی ہے؟ انسان نہیں جانتا اور نہ اُن کی قیمت جانتا ہے۔ وہ زندگی کی زمین پر نہیں ہے۔ پستی کہتی ہے کہ وہ مجھ میں نہیں سمندر کہتا جو مجھ میں بھی نہیں اشرقیان دینے سے دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اور نہ روپیوں سے اس کی قیمت پوری ہو سکتی ہے۔ مونگے یا موٹی کا نام نہ لو۔ اس لیے کہ دانا ئی کی قیمت یا قوت سے بھی بڑھتی ہے۔ دانا ئی کیا ہے؟ خدا کا خوف اور

سمجھ کیا ہے؟ بڑائیوں کو چھوڑ دینا۔

دیانت دار اور راست باز رہو۔ جے۔ ان۔ پال۔ پیر حیر کا قول ہے۔ "ہیلانگہ جس کا مجرم شیطان ہوا وہ جھوٹا ہی تھا۔ دیانت داری سب سے اچھی اور صحیح پالیسی ہے۔" عام شل ہے۔ "ایک جھوٹی ترازو خدا کی ناراضی کا باعث ہے مگر سچی تول میں اس کی خوشنودی ہے۔"

جاسر کہتا ہے۔ "انسان جس اعلیٰ ترین نعمت کا مالک ہو سکتا ہے وہ سچائی ہے۔" **کلے رنڈن فاکلینڈ** کی نسبت کہتا ہے۔ "وہ سچائی پر اس قدر فریفتہ تھا کہ چاہو تو آسانی سے اس کی زبان سے چوری بکڑ لو۔ یا اُسے اپنے خیالات نہ چھپانے کا الزام دیدو۔"

یلو مار کہتا ہے۔ "حق سے گریز کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان خدا کی تحقیر کرنا اور انسان سے ڈرتا ہے۔" یہ اچھا ہے کہ تم اپنی غلطی پر نادم ہو۔ مگر اس کا اقرار کرنے پر ہرگز نہ شرمناؤ۔

میکسمو لمر کا بیان ہے۔ ایسے بیچارے صفات میں جو انسان کو انسان اور اس کام کے لیے موزون بناتے ہیں جو اس کی غرض تخلیق میں لیکن اُن میں سے ایک ایسی صفت ہے جو بالکل اصلی ہے جبکہ بغیر آدمی نہیں ہو سکتا۔ میں نے کبھی کسی کو اعلیٰ نہ نہ گئی نہیں نصیب ہوئی جس کے بغیر کبھی کوئی بڑے کام تکمیل کو نہیں پہنچا وہ صفت سچائی ہے۔ وہ سچائی جو اندرونی طور پر سچائی ہو۔ ان تمام لوگوں کو کہتے ہیں جو حقیقت میں بڑے ہونے کے لیے ہوسے ہیں۔ ہم انھیں کیوں بڑا اور اچھا کہتے ہیں؟ اس لیے کہ وہ خود ہی اپنی نظر میں سچے ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور وہ وہ چیز ہونے کے مدعی ہو سکتے ہیں کہ حقیقت میں ہیں۔ **شکس** کہتا ہے۔ "یہ سب پر بالا ہے کہ تو خود اپنی نظر میں سچا ہوا اور اس کے بعد جس طرح رات کے بعد دن ہوا کرتا ہے لازمی طور پر ہر گاہ کہ تو کسی کی نظر میں جھوٹا نہ ہو سکے گا۔"

ورد سو رکھ کہتا ہے۔ "دو چیزیں بظاہر متضاد نظر آتی ہیں مگر انھیں ایک ساتھ غصا چاہیے۔ اول مردانہ پابندی۔ اور مردانہ آزادی۔ دوسرے مردانہ اعتماد۔ اور مردانگی کیساتھ خود اپنے اوپر بھروسہ۔ تم فرمان برداری سیکھ لو پھر فرمان روائی خود ہی آجائے گی۔" ڈرل

(تقاعد و رزٹش) دل اور جسم دونوں کے لیے اچھی تربیت ہو اور ایک بڑا سپاہی کبھی اچھا سپہ سالار نہ بن سکے گا۔

مثل مشہور ہے اگر کامیابی تمھارے ساتھ ہو تو کبھی تکبر کو دل میں نہ آنے دینا۔ تکبر بنا ہی سے پہلے جاتا ہے۔ اور درشت مزاجی زوال سے پہلے جاتی ہے۔

ہم اکثر کام کرتے وقت غصہ کرتے ہیں اور بیماری کے وقت تحمل کریں غلطی ہو تحمل کے لیے طاقت چاہیے۔ اسکے مقابل غصہ کمزوری کی بول چال اس کے لیے بڑا اور ناقابلِ فکھ کی مدت چاہیے۔

اگر تمھیں حکومت کی خدمت مل جائے تو نہایت ہی نصف اور خلیفہ رمبوعدی شیرازی کہتے ہیں کسی مشرقی بادشاہ نے کسی بیگناہ کے قتل کا حکم دیا اس نے کہا اباؤ شاہ اپنے آپ کو بچا۔ مجھ تو ایک لمحہ ہی بھوکے لیے تکلیف برداشت کرنا پڑے گی۔ مگر تیری گردن پر گناہ کا بوجھ ہمیشہ لدا رہے گا۔

اقتدار حاصل ہونے کے ساتھ ہمہ درہمی بھی عائد ہو جاتی ہے۔ کسی معاملہ میں یہ نہ خیال کرے کہ تمھارا دل کیا چاہتا ہے بلکہ یہ خیال کرے کہ تمھیں کیا کرنا چاہیے۔

اگر تو بدھامین ہو کر دوسروں میں سے کسی کے انجام دیا جائے تو یہاں قریب فرض کو پورا کرے بعض لائق لوگ کافروں کی اصلاح کے خیال میں پڑے کہ اپنے خاندان کی خبر گیری سے غافل ہو جاتے ہیں مگر عہد دی کو کبھی نیکی کی طرح گمراہی سے شروع ہونا چاہیے۔

اس دنیا میں ہر چیز راست بازی چاہتی ہے۔ اس بارے میں ہم اپنے نہیں بہت آسانی سے مطمئن کر سکتے ہیں اچھا ہم گناہ کی سزا پر بحث کرتے ہیں۔ ہمیں کون سزا دیتا ہے؟ جواب یہ کہ ہم خود ہی اپنے نہیں سزا دیتے ہیں۔ اس دنیا کا نظام لوگوں کا بھلائی کرنے سے سرٹ ہوتی ہے۔ اور بڑے کام شروع ہوتا ہے۔ لہذا گناہ کرنا اور بھلائی کی عقوبت سے بچ جانا ایسی چیز ہے جس سے قانون قدرت میں رخنہ پڑ جائے گا۔ گناہ کے معاف ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیں اس کی سزا ملے گی۔ یہ غیر ممکن ہی نہیں بلکہ اگر ایسا ہو تو آفت آجائے۔ واقعی اس سزا کی کوئی آفت نہیں کہ بڑائی کے ساتھ فارغ البالی بھی ہو۔ تم اگر غلط کاری میں مبتلا ہو گے تو گزشتہ غلطی کی یاد تمھیں آئندہ ہمیشہ سنانی رہے گی جن لوگوں کو تم سے اذیت پہنچی ہے وہ تمھیں معاف کر دے سکتے ہیں۔ لیکن اس معاف کرنے سے وہ اور تمھارے سر پر دھرتے ہوئے کو لوں کا انبار لگا دین گئے کیونکہ ان کی فیاضی تمھارے گناہ کی سیاحی کو اور زیادہ

گھر کر دے گی۔

چال چلن ہی زندگی ہے۔ عمر کی طولانی و طریں مسرت و سرسبزی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ بہ نسبت اُس کے خارجہ امور کو تھاری سرسبزی میں اتنا داخل نہیں ہے۔ گرد و پیش کی چیزیں کیسی ہی ہوں اس میں چندان مضائقہ نہیں دیکھنا ہے کہ خود تھاری کیا حالت ہے۔ لہذا روزانہ اپنی نگرانی کرنے رہو۔ عادت طبیعت ثانی ہے جو رُوِ زمین کستا ہے۔ کام کو بوڑھا اور عادت کا پھل عادت کو بوڑھا اور چال چلن کا پھل اور چال چلن کو بوڑھا اور مقدر کا پھل ہو۔ ہم سب ہر روز کچھ کچھ ترقی ضرور کرتے ہیں عام اس سے کہ وہ بڑائی میں ہو یا بھلائی میں۔ بننا سب ہو کہ رات کو ہر شخص خود اپنے دل سے پوچھ لیا کرے کہ آج ہم نے کس چیز میں ترقی کی۔

اگر میں نے کہا ہے، "نوع انسانی دو طبقوں میں منقسم ہے۔ نیکو کار اور بدکار" اگر تم بچھلے گروہ میں ہو تو دو دھتور کو دشمن بنا لو گے تو اپنے حافظہ سے دکھ پاؤ گے۔ زندگی غمناک ہو جائے گی دنیا قید خانہ بن جائیگی اور موت ایک ہیسیب چیز ہوگی بمقابل اس کے اگر تم پہلے گروہ میں ہو تو اگر ایک نیک اور دشمن خیال دل میں لاسکو یا ایک خوشی کا گھنٹہ کسی نئی نوع کی زندگی کی نذر کر سکو تو سمجھ لو کہ تم نے ایک اچھے فرشتے کا کام کیا۔

یہ ایک بڑی بات ہوگی اگر ہر شخص ہر روز ایک گھنٹہ کے لیے یا آدھے ہی گھنٹہ کے لیے سہی اپنا کرہ بند کر کے خاطر جمعی سے بیٹھ کر غور کیا کرے۔ یہ کہنا کہ اسکی فرصت نہیں غیر ممکن ہے۔ سراسر اسل کا معمول تھا کہ ہر شرب باؤس اُن کا منتر سے واپس آ کے انجیل کا ایک باب پڑھ لیا کرتے تھے۔ اگر مجھے اس کا بھی اعتراف کر لینا چاہیے کہ اُن دنوں باؤس آت کا منتر کا اجلاس رات کو اتنی دیر تک نہیں ہوتا تھا جتنی دیر تک کہ اب ہوتا ہے۔

اچھی بات کے خیال میں رہو پھر تم سے کوئی بڑی حرکت نہ سر نہ دھوگی۔ سردالہ طریلے کا قول ہے، "جو شخص موت۔ روزِ جزا۔ اور جنت و دوزخ کو اکثر یاد کیا کرتا ہے وہ ضرور اچھی قوم ہے" اور اس کا انعام بھی بڑا ہے۔ خدا کستا ہے، "میرے بیٹے! میری شریعت کو نہ بھول بلکہ اپنے دل کو ادھر متوجہ رکھ کہ میرے احکام کی تعمیل کرے۔ اس لیے کہ ان باتوں سے میرے ایام زندگی تیرا عار اور تیرے اطمینان قلب میں برکت حاصل ہوگی" ان باتوں کو ترک نہ کر۔ اس میں شباب کا عذر بھی نہ پیش کرنا۔ گرسٹ آف والو کا

عہ اگر گرسٹ آف والو شاہ فرانس فرمیس اول کی بہن اور نویر کی ملکہ تھیں۔ وہیں پیدا ہوئی اور ۱۹۱۹ء میں وفات پائی۔

قول ہے۔ جب ہماری ہڈیوں پر گوشت نہ باقی رہے گا ہم سب بڑے متقی و پرہیزگار بن جائیں گے۔

اس لیے عہد شباب میں اپنے خالق کو نہ بھولو۔ اگر ہمیں آرزو ہو کہ جیسی موت ہم چاہتے ہیں ویسی موت ہمیں نصیب ہو تو اس طرح کی زندگی بسر کرنا جیسی کہ ہمیں ہر کرنی چاہیے۔ اچھے آدمی کے لیے موت میں اندیشے اور خطرے نہیں ہیں **بشیرِ قتل** مال اپنی آخری بیماری میں صرف یہ کام کرتا رہا کہ مندرجہ ذیل فقرہوں کا ترجمہ شات زبانوں میں کر ڈالا۔ چونکہ نیند موت کی بہن ہے اس لیے مجھے اس بارے میں غفلت نہ کرنا چاہیے۔ کہ اپنے آپ کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دے جو تجھے نیند کی موت اور موت کی نیند سے اٹھا گا۔ سقراط جب قتل کا حکم جاری کرنے والوں کے اجلاس میں پیش ہوا تو سسر کہتا ہے۔ ”وہ اس شخص کی کسی گفتگو نہیں کرتا تھا جسے سزا موت دی گئی ہو بلکہ اس شخص کی سی باتیں کرتا تھا جسے آسمان پر معراج ہونیوالی ہو۔“

شکیکا کہتا ہے۔ ”اگر تم اپنے فرض کو بہادری اور فیاضی سے بجالاؤ گے تو تمہیں کیا ملے گا؟ تمہیں یہ ملے گا کہ تم اسے کر چکے۔ کام خود ہی انعام ہے۔“ ہمیں حتیٰ بر صل کرنا چاہیے نہ وعدوں کی امید پر اور نہ سزا کے خوف سے بلکہ خود امر حق کے شوق سے۔ ”کیونکہ خدا کہتا ہے۔“ خاص میرے دل کی خوشی تیری سزا ہے!“

نیکی آپ ہی اپنا انعام ہے۔ بعض کے لیے واقعی خلاتِ فطرت جزا و سزا کی ضرورت ہے تاکہ وہ گناہ سے بچنے پر مجبور ہوں آپسی **نورا** کہتا ہے۔ ”میں جانتا ہوں کہ یہ شخص کیسی کینچر میں پھنسا ہوا ہے۔ یہ ان لوگوں میں ہے جنہیں اگر دوزخ کا خوف نہ ہوتا تو شہوتِ رانیوں میں مبتلا ہو جاتے۔ اس طریقے سے وہ برے کاموں سے بچتے اور خدا کے احکام بجالاتے ہیں۔ جیسے کوئی غلام بے دلی سے کام کرتا ہو۔ اور اس کام کے صلہ میں خدا سے ان نعمتوں کا امیدوار ہو جو اس کے مذاق میں محبتِ آسمانی سے بڑھی ہوئی ہیں۔ اور اسے نیکی سے جو حقیقی نفرت ہے اس کے

عہد آپسی **نورا** ایک برنگی یہودی کا بیٹا تھا۔ علم و فضل میں ترقی کر کے بعض ایسے عقائد ظاہر کیے کہ یہود کے رب یون نے اس کے کفر کا فتویٰ دے دیا جس پر وہ عیسائی ہو گیا۔ وہ قدانتِ اودہ کا قاتل ہے ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۹۴۴ء میں مر گیا۔

دیکھتے وہ نعمتیں اصل میں اس کے کام سے زیادہ ہیں! اس کے سوا دوسری جگہ بھی وہ عابد و زاہد شخص کی تصویر ان انفاط میں کھینچی ہوئی ہے۔ روزِ جزا کو وہ اللہ جلشانہ کے سامنے آئین گے۔ اور امیدوار ہوں گے کہ زہد و تقویٰ کے تکلیف دہ بوجھ اٹھانے کے صلہ میں رحمتوں سے لاد دیے جائیں۔ جو شخص دراصل عقلمند ہے اس کے لیے نیکی کا صلہ رحمت نہیں بلکہ خود نیکی ہے۔ گو اس منزل تک پہنچنے کا راستہ بہت ہی ڈھالا ہو، مگر پھر بھی انسان اس پر سے گزر سکتا ہے۔ جتنی چیزیں عمدہ ہیں سب ایسی ہی دشوار اور ایسی ہی کمیاب ہوتی ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ کمال کی انتہائی حد تک ہم نہیں پہنچ سکتے۔ تاہم ہمارا مقصد یہی ہونا چاہیے کہ اور سب باتوں کی طرح چال چلن میں بھی کمال حاصل کر لیں۔ علاوہ ہم سب نے اپنے دلوں میں ایک یقینی رہنما پیدا کر لیا ہے۔ اگر ہم (اسی رہبر) کا شمس (نفس مطمئنہ) کے کہنے پر عمل کریں تو غلط راستہ پر نہیں جاسکتے۔ اگر چاہے تو ہر شخص اپنی زندگی کو شریفانہ زندگی بنا لے سکتا ہے۔ اس لیے جہاں تک بے بہترین زندگی کا نمونہ اپنے پیش نظر رکھا کر دوں گے۔ کہتا ہے: "انسان اگر اپنے سے زیادہ بلند درجہ پر اپنے آپ کو نہ چڑھا سکے تو وہ کس قدر حقیر چیز ہے!"

اس طرح بلکہ (زور دے کے کہا جائے تو) اسی طرح شاید تم اپنے آپ کو ایسا تیار کر سکو کہ اگر مرد ہو تو تمھاری نسبت وہی کہا جاسکے جو شیکسپیر نے مارک انٹونی کی زبان سے بہرہ و لوٹس کی نسبت کہا ہے کہ تیس کی زندگی شریفانہ تھی اور اُس کی صورت میں عناصر کا ایسا مناسب امتزاج ہوا تھا کہ کیا عجب جو خود قدرت کھڑی ہو کے ساری دنیا میں پکار دیتی کہ انسان ایسے ہوتی ہیں! اور اگر عورت ہو تو وہ دوسرے ورگھ کا یہ قول صادق آئے کہ ایک مکمل عورت جو اندیشوں سے ہوشیار کرنے، تسلی دینے اور حکومت کرنے کے لیے نفاست کے ساتھ بنی ہے۔ اور باوجود اس کے ایک خاموش اور روشن روح ہے جس میں تھوڑی بہت فرشتوں کی نورانیت بھی ملی ہوئی ہے!"

سر ڈالو اسکاٹ نے اپنے بستر مرگ پر لاکھا رٹ سے جو اتفاق
کہے یہ تھی "نیکو کار رہو۔ یا بندہ دین بنے رہو۔ اور ایک اچھے آدمی رہو۔ بس
اس کے سوا اور کسی طرح نصیحتیں اس مقام پر جہان میں لیٹا ہوا مہولک اطمینان
قلب نہ حاصل ہو سکے گا۔" بلعام کے دل میں بھی یہی تمنا تھی کہ میں ایک حق
پرست کی طرح مردوں۔ اور میرا خاتمہ ویسا ہی ہو جیسا کہ اُس کا ہوتا ہے۔"

اطمینان و مسرت

✓ کامیابی اور مسرت ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ نہیں دیتی ہیں اور
بہت سے لوگ تکلیف میں ہیں باوجودیکہ اُن کے پاس مسرت کا پورساں
جمع ہے۔ فطرت شدہ زور کو جو اس کا لاڈلا ہوا کرتا ہے دولت۔ قوت۔
خطابا۔ اور عمر طویل۔ غرض سارے سامان عیش دے سکتی ہے مگر اسے
مسرت نہیں بنا سکتی۔ اپنے تبین مسرور بنانا یہ خود اس کا کام ہے دنیوی
کامیابی کی زندگی خطر و نادر نکردن سے بھری ہوئی ہے۔ اگر کوئی شخص
اپنی ذات میں مسرت کے اسباب نہیں پاتا تو اُسے دنیا بھر کا حنہ بیان
کثیر دنیوی خوشیاں۔ اور منفعتیں غرض کوئی چیز بھی اسے مسرت نہیں
دے سکتی شوقِ دنیا اور مسرت کا تعلق ہے "دنیا ایک شخص کی نظر میں بے سود ہے
اور لغو ہے۔ اور دوسرے کی نظر میں سود مند۔ دلچسپ۔ اور بانیجہ" مسرت
ایک ایسی چیز ہے جس سے کام لینا۔ سرود کی مثل ہے۔ اگر ہم ٹھیک طور پر
قاعدے سے سیکھیں گے تو بچانا آجائے گا۔ لیکن خیال رہے کہ اس کے شوق
میں ہم حد سے نہ گزر جائیں۔ ^۱ ^۲ ^۳ ^۴ ^۵ ^۶ ^۷ ^۸ ^۹ ^{۱۰} ^{۱۱} ^{۱۲} ^{۱۳} ^{۱۴} ^{۱۵} ^{۱۶} ^{۱۷} ^{۱۸} ^{۱۹} ^{۲۰} ^{۲۱} ^{۲۲} ^{۲۳} ^{۲۴} ^{۲۵} ^{۲۶} ^{۲۷} ^{۲۸} ^{۲۹} ^{۳۰} ^{۳۱} ^{۳۲} ^{۳۳} ^{۳۴} ^{۳۵} ^{۳۶} ^{۳۷} ^{۳۸} ^{۳۹} ^{۴۰} ^{۴۱} ^{۴۲} ^{۴۳} ^{۴۴} ^{۴۵} ^{۴۶} ^{۴۷} ^{۴۸} ^{۴۹} ^{۵۰} ^{۵۱} ^{۵۲} ^{۵۳} ^{۵۴} ^{۵۵} ^{۵۶} ^{۵۷} ^{۵۸} ^{۵۹} ^{۶۰} ^{۶۱} ^{۶۲} ^{۶۳} ^{۶۴} ^{۶۵} ^{۶۶} ^{۶۷} ^{۶۸} ^{۶۹} ^{۷۰} ^{۷۱} ^{۷۲} ^{۷۳} ^{۷۴} ^{۷۵} ^{۷۶} ^{۷۷} ^{۷۸} ^{۷۹} ^{۸۰} ^{۸۱} ^{۸۲} ^{۸۳} ^{۸۴} ^{۸۵} ^{۸۶} ^{۸۷} ^{۸۸} ^{۸۹} ^{۹۰} ^{۹۱} ^{۹۲} ^{۹۳} ^{۹۴} ^{۹۵} ^{۹۶} ^{۹۷} ^{۹۸} ^{۹۹} ^{۱۰۰} ^{۱۰۱} ^{۱۰۲} ^{۱۰۳} ^{۱۰۴} ^{۱۰۵} ^{۱۰۶} ^{۱۰۷} ^{۱۰۸} ^{۱۰۹} ^{۱۱۰} ^{۱۱۱} ^{۱۱۲} ^{۱۱۳} ^{۱۱۴} ^{۱۱۵} ^{۱۱۶} ^{۱۱۷} ^{۱۱۸} ^{۱۱۹} ^{۱۲۰} ^{۱۲۱} ^{۱۲۲} ^{۱۲۳} ^{۱۲۴} ^{۱۲۵} ^{۱۲۶} ^{۱۲۷} ^{۱۲۸} ^{۱۲۹} ^{۱۳۰} ^{۱۳۱} ^{۱۳۲} ^{۱۳۳} ^{۱۳۴} ^{۱۳۵} ^{۱۳۶} ^{۱۳۷} ^{۱۳۸} ^{۱۳۹} ^{۱۴۰} ^{۱۴۱} ^{۱۴۲} ^{۱۴۳} ^{۱۴۴} ^{۱۴۵} ^{۱۴۶} ^{۱۴۷} ^{۱۴۸} ^{۱۴۹} ^{۱۵۰} ^{۱۵۱} ^{۱۵۲} ^{۱۵۳} ^{۱۵۴} ^{۱۵۵} ^{۱۵۶} ^{۱۵۷} ^{۱۵۸} ^{۱۵۹} ^{۱۶۰} ^{۱۶۱} ^{۱۶۲} ^{۱۶۳} ^{۱۶۴} ^{۱۶۵} ^{۱۶۶} ^{۱۶۷} ^{۱۶۸} ^{۱۶۹} ^{۱۷۰} ^{۱۷۱} ^{۱۷۲} ^{۱۷۳} ^{۱۷۴} ^{۱۷۵} ^{۱۷۶} ^{۱۷۷} ^{۱۷۸} ^{۱۷۹} ^{۱۸۰} ^{۱۸۱} ^{۱۸۲} ^{۱۸۳} ^{۱۸۴} ^{۱۸۵} ^{۱۸۶} ^{۱۸۷} ^{۱۸۸} ^{۱۸۹} ^{۱۹۰} ^{۱۹۱} ^{۱۹۲} ^{۱۹۳} ^{۱۹۴} ^{۱۹۵} ^{۱۹۶} ^{۱۹۷} ^{۱۹۸} ^{۱۹۹} ^{۲۰۰} ^{۲۰۱} ^{۲۰۲} ^{۲۰۳} ^{۲۰۴} ^{۲۰۵} ^{۲۰۶} ^{۲۰۷} ^{۲۰۸} ^{۲۰۹} ^{۲۱۰} ^{۲۱۱} ^{۲۱۲} ^{۲۱۳} ^{۲۱۴} ^{۲۱۵} ^{۲۱۶} ^{۲۱۷} ^{۲۱۸} ^{۲۱۹} ^{۲۲۰} ^{۲۲۱} ^{۲۲۲} ^{۲۲۳} ^{۲۲۴} ^{۲۲۵} ^{۲۲۶} ^{۲۲۷} ^{۲۲۸} ^{۲۲۹} ^{۲۳۰} ^{۲۳۱} ^{۲۳۲} ^{۲۳۳} ^{۲۳۴} ^{۲۳۵} ^{۲۳۶} ^{۲۳۷} ^{۲۳۸} ^{۲۳۹} ^{۲۴۰} ^{۲۴۱} ^{۲۴۲} ^{۲۴۳} ^{۲۴۴} ^{۲۴۵} ^{۲۴۶} ^{۲۴۷} ^{۲۴۸} ^{۲۴۹} ^{۲۵۰} ^{۲۵۱} ^{۲۵۲} ^{۲۵۳} ^{۲۵۴} ^{۲۵۵} ^{۲۵۶} ^{۲۵۷} ^{۲۵۸} ^{۲۵۹} ^{۲۶۰} ^{۲۶۱} ^{۲۶۲} ^{۲۶۳} ^{۲۶۴} ^{۲۶۵} ^{۲۶۶} ^{۲۶۷} ^{۲۶۸} ^{۲۶۹} ^{۲۷۰} ^{۲۷۱} ^{۲۷۲} ^{۲۷۳} ^{۲۷۴} ^{۲۷۵} ^{۲۷۶} ^{۲۷۷} ^{۲۷۸} ^{۲۷۹} ^{۲۸۰} ^{۲۸۱} ^{۲۸۲} ^{۲۸۳} ^{۲۸۴} ^{۲۸۵} ^{۲۸۶} ^{۲۸۷} ^{۲۸۸} ^{۲۸۹} ^{۲۹۰} ^{۲۹۱} ^{۲۹۲} ^{۲۹۳} ^{۲۹۴} ^{۲۹۵} ^{۲۹۶} ^{۲۹۷} ^{۲۹۸} ^{۲۹۹} ^{۳۰۰} ^{۳۰۱} ^{۳۰۲} ^{۳۰۳} ^{۳۰۴} ^{۳۰۵} ^{۳۰۶} ^{۳۰۷} ^{۳۰۸} ^{۳۰۹} ^{۳۱۰} ^{۳۱۱} ^{۳۱۲} ^{۳۱۳} ^{۳۱۴} ^{۳۱۵} ^{۳۱۶} ^{۳۱۷} ^{۳۱۸} ^{۳۱۹} ^{۳۲۰} ^{۳۲۱} ^{۳۲۲} ^{۳۲۳} ^{۳۲۴} ^{۳۲۵} ^{۳۲۶} ^{۳۲۷} ^{۳۲۸} ^{۳۲۹} ^{۳۳۰} ^{۳۳۱} ^{۳۳۲} ^{۳۳۳} ^{۳۳۴} ^{۳۳۵} ^{۳۳۶} ^{۳۳۷} ^{۳۳۸} ^{۳۳۹} ^{۳۴۰} ^{۳۴۱} ^{۳۴۲} ^{۳۴۳} ^{۳۴۴} ^{۳۴۵} ^{۳۴۶} ^{۳۴۷} ^{۳۴۸} ^{۳۴۹} ^{۳۵۰} ^{۳۵۱} ^{۳۵۲} ^{۳۵۳} ^{۳۵۴} ^{۳۵۵} ^{۳۵۶} ^{۳۵۷} ^{۳۵۸} ^{۳۵۹} ^{۳۶۰} ^{۳۶۱} ^{۳۶۲} ^{۳۶۳} ^{۳۶۴} ^{۳۶۵} ^{۳۶۶} ^{۳۶۷} ^{۳۶۸} ^{۳۶۹} ^{۳۷۰} ^{۳۷۱} ^{۳۷۲} ^{۳۷۳} ^{۳۷۴} ^{۳۷۵} ^{۳۷۶} ^{۳۷۷} ^{۳۷۸} ^{۳۷۹} ^{۳۸۰} ^{۳۸۱} ^{۳۸۲} ^{۳۸۳} ^{۳۸۴} ^{۳۸۵} ^{۳۸۶} ^{۳۸۷} ^{۳۸۸} ^{۳۸۹} ^{۳۹۰} ^{۳۹۱} ^{۳۹۲} ^{۳۹۳} ^{۳۹۴} ^{۳۹۵} ^{۳۹۶} ^{۳۹۷} ^{۳۹۸} ^{۳۹۹} ^{۴۰۰} ^{۴۰۱} ^{۴۰۲} ^{۴۰۳} ^{۴۰۴} ^{۴۰۵} ^{۴۰۶} ^{۴۰۷} ^{۴۰۸} ^{۴۰۹} ^{۴۱۰} ^{۴۱۱} ^{۴۱۲} ^{۴۱۳} ^{۴۱۴} ^{۴۱۵} ^{۴۱۶} ^{۴۱۷} ^{۴۱۸} ^{۴۱۹} ^{۴۲۰} ^{۴۲۱} ^{۴۲۲} ^{۴۲۳} ^{۴۲۴} ^{۴۲۵} ^{۴۲۶} ^{۴۲۷} ^{۴۲۸} ^{۴۲۹} ^{۴۳۰} ^{۴۳۱} ^{۴۳۲} ^{۴۳۳} ^{۴۳۴} ^{۴۳۵} ^{۴۳۶} ^{۴۳۷} ^{۴۳۸} ^{۴۳۹} ^{۴۴۰} ^{۴۴۱} ^{۴۴۲} ^{۴۴۳} ^{۴۴۴} ^{۴۴۵} ^{۴۴۶} ^{۴۴۷} ^{۴۴۸} ^{۴۴۹} ^{۴۵۰} ^{۴۵۱} ^{۴۵۲} ^{۴۵۳} ^{۴۵۴} ^{۴۵۵} ^{۴۵۶} ^{۴۵۷} ^{۴۵۸} ^{۴۵۹} ^{۴۶۰} ^{۴۶۱} ^{۴۶۲} ^{۴۶۳} ^{۴۶۴} ^{۴۶۵} ^{۴۶۶} ^{۴۶۷} ^{۴۶۸} ^{۴۶۹} ^{۴۷۰} ^{۴۷۱} ^{۴۷۲} ^{۴۷۳} ^{۴۷۴} ^{۴۷۵} ^{۴۷۶} ^{۴۷۷} ^{۴۷۸} ^{۴۷۹} ^{۴۸۰} ^{۴۸۱} ^{۴۸۲} ^{۴۸۳} ^{۴۸۴} ^{۴۸۵} ^{۴۸۶} ^{۴۸۷} ^{۴۸۸} ^{۴۸۹} ^{۴۹۰} ^{۴۹۱} ^{۴۹۲} ^{۴۹۳} ^{۴۹۴} ^{۴۹۵} ^{۴۹۶} ^{۴۹۷} ^{۴۹۸} ^{۴۹۹} ^{۵۰۰} ^{۵۰۱} ^{۵۰۲} ^{۵۰۳} ^{۵۰۴} ^{۵۰۵} ^{۵۰۶} ^{۵۰۷} ^{۵۰۸} ^{۵۰۹} ^{۵۱۰} ^{۵۱۱} ^{۵۱۲} ^{۵۱۳} ^{۵۱۴} ^{۵۱۵} ^{۵۱۶} ^{۵۱۷} ^{۵۱۸} ^{۵۱۹} ^{۵۲۰} ^{۵۲۱} ^{۵۲۲} ^{۵۲۳} ^{۵۲۴} ^{۵۲۵} ^{۵۲۶} ^{۵۲۷} ^{۵۲۸} ^{۵۲۹} ^{۵۳۰} ^{۵۳۱} ^{۵۳۲} ^{۵۳۳} ^{۵۳۴} ^{۵۳۵} ^{۵۳۶} ^{۵۳۷} ^{۵۳۸} ^{۵۳۹} ^{۵۴۰} ^{۵۴۱} ^{۵۴۲} ^{۵۴۳} ^{۵۴۴} ^{۵۴۵} ^{۵۴۶} ^{۵۴۷} ^{۵۴۸} ^{۵۴۹} ^{۵۵۰} ^{۵۵۱} ^{۵۵۲} ^{۵۵۳} ^{۵۵۴} ^{۵۵۵} ^{۵۵۶} ^{۵۵۷} ^{۵۵۸} ^{۵۵۹} ^{۵۶۰} ^{۵۶۱} ^{۵۶۲} ^{۵۶۳} ^{۵۶۴} ^{۵۶۵} ^{۵۶۶} ^{۵۶۷} ^{۵۶۸} ^{۵۶۹} ^{۵۷۰} ^{۵۷۱} ^{۵۷۲} ^{۵۷۳} ^{۵۷۴} ^{۵۷۵} ^{۵۷۶} ^{۵۷۷} ^{۵۷۸} ^{۵۷۹} ^{۵۸۰} ^{۵۸۱} ^{۵۸۲} ^{۵۸۳} ^{۵۸۴} ^{۵۸۵} ^{۵۸۶} ^{۵۸۷} ^{۵۸۸} ^{۵۸۹} ^{۵۹۰} ^{۵۹۱} ^{۵۹۲} ^{۵۹۳} ^{۵۹۴} ^{۵۹۵} ^{۵۹۶} ^{۵۹۷} ^{۵۹۸} ^{۵۹۹} ^{۶۰۰} ^{۶۰۱} ^{۶۰۲} ^{۶۰۳} ^{۶۰۴} ^{۶۰۵} ^{۶۰۶} ^{۶۰۷} ^{۶۰۸} ^{۶۰۹} ^{۶۱۰} ^{۶۱۱} ^{۶۱۲} ^{۶۱۳} ^{۶۱۴} ^{۶۱۵} ^{۶۱۶} ^{۶۱۷} ^{۶۱۸} ^{۶۱۹} ^{۶۲۰} ^{۶۲۱} ^{۶۲۲} ^{۶۲۳} ^{۶۲۴} ^{۶۲۵} ^{۶۲۶} ^{۶۲۷} ^{۶۲۸} ^{۶۲۹} ^{۶۳۰} ^{۶۳۱} ^{۶۳۲} ^{۶۳۳} ^{۶۳۴} ^{۶۳۵} ^{۶۳۶} ^{۶۳۷} ^{۶۳۸} ^{۶۳۹} ^{۶۴۰} ^{۶۴۱} ^{۶۴۲} ^{۶۴۳} ^{۶۴۴} ^{۶۴۵} ^{۶۴۶} ^{۶۴۷} ^{۶۴۸} ^{۶۴۹} ^{۶۵۰} ^{۶۵۱} ^{۶۵۲} ^{۶۵۳} ^{۶۵۴} ^{۶۵۵} ^{۶۵۶} ^{۶۵۷} ^{۶۵۸} ^{۶۵۹} ^{۶۶۰} ^{۶۶۱} ^{۶۶۲} ^{۶۶۳} ^{۶۶۴} ^{۶۶۵} ^{۶۶۶} ^{۶۶۷} ^{۶۶۸} ^{۶۶۹} ^{۶۷۰} ^{۶۷۱} ^{۶۷۲} ^{۶۷۳} ^{۶۷۴} ^{۶۷۵} ^{۶۷۶} ^{۶۷۷} ^{۶۷۸} ^{۶۷۹} ^{۶۸۰} ^{۶۸۱} ^{۶۸۲} ^{۶۸۳} ^{۶۸۴} ^{۶۸۵} ^{۶۸۶} ^{۶۸۷} ^{۶۸۸} ^{۶۸۹} ^{۶۹۰} ^{۶۹۱} ^{۶۹۲} ^{۶۹۳} ^{۶۹۴} ^{۶۹۵} ^{۶۹۶} ^{۶۹۷} ^{۶۹۸} ^{۶۹۹} ^{۷۰۰} ^{۷۰۱} ^{۷۰۲} ^{۷۰۳} ^{۷۰۴} ^{۷۰۵} ^{۷۰۶} ^{۷۰۷} ^{۷۰۸} ^{۷۰۹} ^{۷۱۰} ^{۷۱۱} ^{۷۱۲} ^{۷۱۳} ^{۷۱۴} ^{۷۱۵} ^{۷۱۶} ^{۷۱۷} ^{۷۱۸} ^{۷۱۹} ^{۷۲۰} ^{۷۲۱} ^{۷۲۲} ^{۷۲۳} ^{۷۲۴} ^{۷۲۵} ^{۷۲۶} ^{۷۲۷} ^{۷۲۸} ^{۷۲۹} ^{۷۳۰} ^{۷۳۱} ^{۷۳۲} ^{۷۳۳} ^{۷۳۴} ^{۷۳۵} ^{۷۳۶} ^{۷۳۷} ^{۷۳۸} ^{۷۳۹} ^{۷۴۰} ^{۷۴۱} ^{۷۴۲} ^{۷۴۳} ^{۷۴۴} ^{۷۴۵} ^{۷۴۶} ^{۷۴۷} ^{۷۴۸} ^{۷۴۹} ^{۷۵۰} ^{۷۵۱} ^{۷۵۲} ^{۷۵۳} ^{۷۵۴} ^{۷۵۵} ^{۷۵۶} ^{۷۵۷} ^{۷۵۸} ^{۷۵۹} ^{۷۶۰} ^{۷۶۱} ^{۷۶۲} ^{۷۶۳} ^{۷۶۴} ^{۷۶۵} ^{۷۶۶} ^{۷۶۷} ^{۷۶۸} ^{۷۶۹} ^{۷۷۰} ^{۷۷۱} ^{۷۷۲} ^{۷۷۳} ^{۷۷۴} ^{۷۷۵} ^{۷۷۶} ^{۷۷۷} ^{۷۷۸} ^{۷۷۹} ^{۷۸۰} ^{۷۸۱} ^{۷۸۲} ^{۷۸۳} ^{۷۸۴} ^{۷۸۵} ^{۷۸۶} ^{۷۸۷} ^{۷۸۸} ^{۷۸۹} ^{۷۹۰} ^{۷۹۱} ^{۷۹۲} ^{۷۹۳} ^{۷۹۴} ^{۷۹۵} ^{۷۹۶} ^{۷۹۷} ^{۷۹۸} ^{۷۹۹} ^{۸۰۰} ^{۸۰۱} ^{۸۰۲} ^{۸۰۳} ^{۸۰۴} ^{۸۰۵} ^{۸۰۶} ^{۸۰۷} ^{۸۰۸} ^{۸۰۹} ^{۸۱۰} ^{۸۱۱} ^{۸۱۲} ^{۸۱۳} ^{۸۱۴} ^{۸۱۵} ^{۸۱۶} ^{۸۱۷} ^{۸۱۸} ^{۸۱۹} ^{۸۲۰} ^{۸۲۱} ^{۸۲۲} ^{۸۲۳} ^{۸۲۴} ^{۸۲۵} ^{۸۲۶} ^{۸۲۷} ^{۸۲۸} ^{۸۲۹} ^{۸۳۰} ^{۸۳۱} ^{۸۳۲} ^{۸۳۳} ^{۸۳۴} ^{۸۳۵} ^{۸۳۶} ^{۸۳۷} ^{۸۳۸} ^{۸۳۹} ^{۸۴۰} ^{۸۴۱} ^{۸۴۲} ^{۸۴۳} ^{۸۴۴} ^{۸۴۵} ^{۸۴۶} ^{۸۴۷} ^{۸۴۸} ^{۸۴۹} ^{۸۵۰} ^{۸۵۱} ^{۸۵۲} ^{۸۵۳} ^{۸۵۴} ^{۸۵۵} ^{۸۵۶} ^{۸۵۷} ^{۸۵۸} ^{۸۵۹} ^{۸۶۰} ^{۸۶۱} ^{۸۶۲} ^{۸۶۳} ^{۸۶۴} ^{۸۶۵} ^{۸۶۶} ^{۸۶۷} ^{۸۶۸} ^{۸۶۹} ^{۸۷۰} ^{۸۷۱} ^{۸۷۲} ^{۸۷۳} ^{۸۷۴} ^{۸۷۵} ^{۸۷۶} ^{۸۷۷} ^{۸۷۸} ^{۸۷۹} ^{۸۸۰} ^{۸۸۱} ^{۸۸۲} ^{۸۸۳} ^{۸۸۴} ^{۸۸۵} ^{۸۸۶} ^{۸۸۷} ^{۸۸۸} ^{۸۸۹} ^{۸۹۰} ^{۸۹۱} ^{۸۹۲} ^{۸۹۳} ^{۸۹۴} ^{۸۹۵} ^{۸۹۶} ^{۸۹۷} ^{۸۹۸} ^{۸۹۹} ^{۹۰۰} ^{۹۰۱} ^{۹۰۲} ^{۹۰۳} ^{۹۰۴} ^{۹۰۵} ^{۹۰۶} ^{۹۰۷} ^{۹۰۸} ^{۹۰۹} ^{۹۱۰} ^{۹۱۱} ^{۹۱۲} ^{۹۱۳} ^{۹۱۴} ^{۹۱۵} ^{۹۱۶} ^{۹۱۷} ^{۹۱۸} ^{۹۱۹} ^{۹۲۰} ^{۹۲۱} ^{۹۲۲} ^{۹۲۳} ^{۹۲۴} ^{۹۲۵} ^{۹۲۶} ^{۹۲۷} ^{۹۲۸} ^{۹۲۹} ^{۹۳۰} ^{۹۳۱} ^{۹۳۲} ^{۹۳۳} ^{۹۳۴} ^{۹۳۵} ^{۹۳۶} ^{۹۳۷} ^{۹۳۸} ^{۹۳۹} ^{۹۴۰} ^{۹۴۱} ^{۹۴۲} ^{۹۴۳} ^{۹۴۴} ^{۹۴۵} ^{۹۴۶} ^{۹۴۷} ^{۹۴۸} ^{۹۴۹} ^{۹۵۰} ^{۹۵۱} ^{۹۵۲} ^{۹۵۳} ^{۹۵۴} ^{۹۵۵} ^{۹۵۶} ^{۹۵۷} ^{۹۵۸} ^{۹۵۹} ^{۹۶۰} ^{۹۶۱} ^{۹۶۲} ^{۹۶۳} ^{۹۶۴} ^{۹۶۵} ^{۹۶۶} ^{۹۶۷} ^{۹۶۸} ^{۹۶۹} ^{۹۷۰} ^{۹۷۱} ^{۹۷۲} ^{۹۷۳} ^{۹۷۴} ^{۹۷۵} ^{۹۷۶} ^{۹۷۷} ^{۹۷۸} ^{۹۷۹} ^{۹۸۰} ^{۹۸۱} ^{۹۸۲} ^{۹۸۳} ^{۹۸۴} ^{۹۸۵} ^{۹۸۶} ^{۹۸۷} ^{۹۸}

طرف پلٹ کے دیکھ لیں گے فرینکلن کا مقولہ ہے "تم مسرتوں سے بھاگو۔ پھر وہ
تھارے پاس دوڑی چلی آئیں گی۔
اپنے آپ کو بہت بڑھا چڑھا نہ تصور کرو۔ دنیا میں اکیلے تھیں نہیں ہو سکتی
کہتا ہے "فیش و عشرت کی جستجو نہ کرو۔ لیکن ہمیشہ خوش ہونے کے لیے آادہ رہو۔ زندگی
کو مسرتوں کے حصول میں کامیاب بنانا بڑی چیز ہے چاہے وہ مسرتیں چھوٹی ہی چھوٹی
ہوں۔

میں فطرت کی طور پر کہتا ہوں کہ ظرافت کا جذبہ ایک ایسی نعمت ہے جو انسان
کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں شک کیا جاتا ہے کہ سبوں اور علتوں کو جانور بھی سمجھتے
ہیں یا نہیں۔ مگر بادی النظر میں وہ مسرور ہونے کی برکت سے مطلقاً محروم ہیں۔
چیم فورٹ کا قول ہے "جس دن ہم ہنسے نہ ہوں وہ دن ہمارے ہاتھ سے
ضائع ہو گیا" ایک خندہ مسرت کی آواز سننے سے بڑی کون مسرت ہو سکتی ہو؟
دل پر سے وہ ہزار کو کس قدر ہلکا کر دیتا ہے ہلکا کیسے کہتا ہے "ایک مسرور دل
سارے دن چلتا رہتا ہے مگر تمھارا انگلیں دل ایک ہی میٹل میں تھک جاتا ہو ایک
عیسائی استغاث کا قول ہے "مسیحیت کے دس حصوں میں سے نو حصہ عہد مذاق ہے"
اور اگر تم کسی بات پر یہ ہم ہو تو انجیل کے اس حکم کو نہ بھولو کہ "تمھارا غصہ
خود ہونے سے پہلے آفتاب نہ ڈوبے" (مذائی میں دو ذوق ہو کرتے ہیں۔ اس کا
خیال رکھو کہ ان دونوں میں سے کوئی ذوق تم نہ ہو۔

عہد یہ نقشہ طلب جملہ ہے۔ اور لوانیوں کی دیو مالا سے مشعل ہے۔ یونان کے دیوتاؤں
کے زمانے میں اور قیوس نام ایک کلاؤنت گویا تھا جس کا فخر جاو کی طرح دزد و فیوار پر اثر
کرتا اور جو شمع کو رقص میں لاتا تھا۔ اسکی جو ویلوری ڈیس مرگئی تراسکی تلاش میں وہ
عالم ارواح میں گھس گیا۔ اور گھبرا کے دمان دالون کو ایسا بخود کیا کہ انھوں نے اس کی
جو ویلوری ڈیس کو اجازت دے دی کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جاے۔ مگر اس شرط سے کہ جبکہ
ادبہ کی دنیا میں نہ پہنچے جانا جو رو کی طرف پلٹ کے نہ دیکھنا اور چپ چاپ اپنے جانا۔ مگر ادبہ
شوق دیدہ میں ایسا اندھا ہو رہا تھا کہ مقام مقررہ تک پہنچنے سے پہلے ہی پھر کے دیکھ لیا
فوراً اثر جاتا رہا اور اسکی معشوقہ بی بی ہمیشہ کے لیے کرسی چھن گئی۔

بعض آدمی ہمیشہ دکھاروتے رہتے ہیں۔ اگر وہ جنت عدن میں پیدا ہوتے تو وہاں بھی انھیں شکایت کے بہت سے موقع مل جاتے۔ ان کے مقابل بعض اور لوگ ہیں جو ہر جگہ خوش رہتے ہیں۔ وہ اپنے گرد و پیش سسرتین اور برکتیں ہی پاتے ہیں مگر اس اپنی نظم "جنت دینوی" میں کہتا ہے "وینا کیسی جنت بن جاتی اگر خوف زمین کے اندر و افق ہو جاتا۔ امید نامراد نہ رہتی۔ اور محبت کو نہ وال نہ ہوتا۔"

خوش مزاجی ایک بڑا اخلاقی علاج ہے جسے سورج کی کرنیں پھول کھلاتی اور سورج کو چمکاتی ہیں ویسے ہی خوش مزاجی جس سے آزادی و زندہ دلی کا جذبہ مراد ہے۔ ہمارے اندر خوبی کے تمام تخمیں کون نشوونما دیتی اور ہم میں جو کچھ خوبیاں ہیں ان کو چمکا دیتی ہے خوش مزاجی ہمارا ایک فرض ہے۔ اور دوسروں کے ساتھ اس فرض کے بجالانے کے ہم ذمہ دار ہیں۔ ایک پڑائی کہادت چلی آتی ہے کہ "قوس قزح جس جگہ زمین سے چھو جاتی ہے وہاں ایک سونے کا جام پیدا ہو جاتا ہے" اور بعض ایسے لوگ ہیں جن کی مسکراہٹ جن کی ہنسی کی آواز۔ اور جن کی موجودگی آفتاب کی شعاعوں کی طرح ہر چیز کو سنہرا بنا دیتی ہے۔ لوگ جب تک اپنے آپ کو خوش مزاج رکھیں ہرگز شکستہ خاطر نہیں ہو سکتے سی بکسٹن کہتا ہے "ایک سرور دل اپنے علاوہ دوسروں کے لیے بھی ایک ہمیشہ برقرار رہنے والی ضیافت ہے فلائس نامائن گیل کی صورت اس کی دواؤں سے زیادہ شفا بخش تھی۔ اور اگر ہم دوسروں کے بوجھ میں ہاتھ لگا دیں گے تو خود ہمارا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ خوش مزاجی بے فکری و سہولت ہے۔ مگر ان دونوں میں کوئی لازمی علاقہ نہیں ہے اگر غلط کہتا ہے "سہولت پسند

علاء اللہ فلائس نامائن گیل ایک انگلش خاتون تھی جس نے مختلف زبانوں کی تحصیل کے بعد قومی خدمت پر کرباندھی۔ ڈاکٹر کی کافن حاصل کیا۔ مریضوں کی خدمت کرادی کرتے کرتے بڑی نمود حاصل کی۔ اور آخر کرمیہ کی لڑائی میں انگریزی فوج کے ساتھ آئی واپسی میں قوم نے بڑی قدر کی۔ اور ہر شخص اس کے نام پر فریفتہ تھا۔ جس مریض کے سرانے جا کھڑی ہوتی اسے تسکین ہو جاتی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئی تھی اور تھوڑے دن ہوئے مر گئی۔

طبائع جو دنیا میں واقعی خدا کی اعلیٰ ترین برکات ہیں اُن میں کبھی نہایت ہی پر جوش خیال اور نازک ترین محبت کی دھن پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نہایت ہی خوبی کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو خدا کی نظر میں اُن کے طبائع کی تنگی اور ورستی اگر اُن کی اُس دھن میں مل جاتی تو یہ خوبی ہرگز نہ ہوتی۔“

بہت سے لوگ ہیں جن کی پیدائش بھی اُن کے حق میں مدت العمر کے لیے محنت شاقہ کی سزا ہے۔ اس کو غریبی ہی کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ دولت مندوں کو بھی ویسی ہی بلکہ اس سے زیادہ سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔ اسوا اس کے کتنے ہیں جن کے لیے تکلیف کا باعث اُن کی دولت ہی ہے۔ جن کو زندگی میں نہ آسائش نصیب ہے اور نہ سکون و اطمینان۔ کس دنیا میں ہم تکلیف سے نہیں بچ سکتے۔ لیکن ہاں اگر ہم خود ہی چاہیں تو اس پر غالب آسکتے ہیں اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے ہم اپنے حافظہ کے کمرے کی دیواروں کو خوبصورت تصورات کی تصویریں دیں اور سرسبز آبادیوں سے آراستہ کرنا چاہیے۔

چاہتے سب ہیں مگر جانتے چند ہی ہیں کہ اپنے آپ کو کیوں سرور بنانا چاہیے کیونکہ یہ لوگ زندگی کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔

✓ چھوٹی مصیبتوں کو بڑا نہ بنا دو سسر و کتا ہے۔ اس زندگی میں کون سی مصیبت ہے جو اس شخص کو بڑی نظر آئے جو بدیت اور مافی الکون کی وسعت سے آشنا ہے؟ کیونکہ انسانی علم میں یا زندگی کے چھوٹے ظرف میں کون سی چیز ایسی ہو سکتی ہے جو اس دانا شخص کی نظر میں بڑی معلوم ہو سکے جس کا دل ہمیشہ اُسکی جا بچ کر رہتا ہے کہ کون سی ایسی مصیبت ہے جو غیر متوقع ہو؟

ایک خفیف سی جیٹ آجاتی ہے تو ہم اُسے اکثر ایک بڑا بھاری کاری زخم تصور کر لیتے ہیں فکر یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی سرجن (جراح) ایک خفیف زخم کے علاج کے لیے بلا باگیا۔ سرجن نے آدمی کو دوڑایا کہ اسی وقت بھاگتے ہوئے جاؤ اور شہر سے مرجھ کا بھاگنا آدمی معزز مرلیض نے اُسے جلدی کی سخت تاکید کرتے دیکھ کے پوچھا ”کیوں؟“ اکثر صاحب کیا یہ زخم خطرناک تو نہیں ہے؟ ”سرجن نے کہا ”خطرناک تو نہیں ہے مگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر یہ آدمی بو باسی ڈاک دوائے کے نہ آیا۔“

تو یہ زخم خود ہی اچھا ہو جائے گا اور مرہم بیکار جائے گا۔ مرد راہم سے جس طرح زخم اچھے ہوتے ہیں اسی طرح غم بھی دور ہو جاتے ہیں۔ **جان استوار شل** کہتا ہے۔ "ایک شائستہ دل دیر ہی مراد فلسفی کے دل سے نہیں ہے بلکہ ہر دل جس میں علم کے چشمہ جاری ہو گئے ہوں۔ اور کسی حد تک تحمل و برداشت کے عمل میں سدھ لگے ہو اپنے گرد و پیش کی تمام چیزوں میں منافع کے غیر فانی سرچشمہ دیکھے گا۔ فطرت کے تقاضا میں علم و فن کی کمات میں شاعری کی خیال آفرینی میں تاریخ کے واقعات میں۔ انسانی اطوار و ادوار میں۔ گذشتہ حال میں۔ اور ان کی آئندہ امیدوں میں۔ غرض سب چیزوں میں ایسے ہی فوائد و منافع نظر آئیں گے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص قبل اس کے کہ ان کا ہزار دان حصہ بھی ختم ہوا ہوں اس سے بے پیر ہو جائے ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کی غرض شروع ہی سے ان چیزوں کی طرف توجہ کرنے میں کوئی اخلاقی یا انسانی دلچسپی نہ ہو بلکہ اس کا مقصد صرف اپنا شوق پورا کرنا ہو۔ ہم ایک ایسی دنیا میں رہتے ہیں جس میں بھول ہیں درخت ہیں۔ سبزہ ہے۔ ندیاں ہیں۔ جھیلیں ہیں سمندر ہیں۔ پہاڑ ہیں۔ اور سورج کی کرنیں ہیں۔ باغ قدرت روشن کے لیے روشن ہے۔ اور جو تسلی پذیر ہیں انھیں تسلی دینے والا ہے۔ ولیم ہارس کہتا ہے۔ "روشن کروں والی صبح خاموش اور اجلی بھی بے خطر کھڑا ہوا پھیلا ہوا تھا۔ ایسا لطیف سماں تھا کہ معلوم ہوتا جیسے موسم بار بار ہر دایس آکے اپنی باہن زندگی ختم کرنے والے برس کے گلے میں ڈالے دیتا ہے۔ دنیا غمناک کے خواب ناز میں غافل سو رہی ہے اور وہ اس کا منہ جوم رہا ہے۔

لیکن حسن کی قدر دانی کے لیے ہم میں حسن کے پہچاننے کی جس ہونی چاہیے کئے اور اچھی کی ہوشیاری کے ہم نے بہت سے واقعات سنے ہیں۔ لیکن ایسا خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ دنیا کے نہایت دلفریب منظر دیکھ کے انھیں بھی کوئی لطف آتا ہے۔

ہم بعض اوقات لوگوں کو بیکاری کی شکایت کرتے سنتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ میں کرنے کو کوئی کام نہیں ہے۔ لیکن ایسی باتوں کی اصلیت یہ ہے کہ بیکاری خود انھیں کی ذات میں ہے سا و دی کہتا ہے۔ "اگر کوئی تعلیم یافتہ آدمی جو تندرست ہو

آنکھیں اور ہاتھ رکھتا ہو۔ اُسے فرصت بھی ہو۔ اور پھر اس کے ساتھ بیکاری کی شکایت کرے تو سمجھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے یہ تمام نعمتیں ایک ایسے شخص کو دی ہیں جو اُن کا مستحق نہ تھا۔

✓ مسرت و دولت سے لٹی ہوئی عورت سے بغیر محنت۔ فیاضی۔ اور فارغ البالی کے تم دولت مند بن سکتے ہو۔ بڑے آدمی ہو سکتے ہو۔ اور زبردست بھی بنے جاسکتے ہو۔ مگر مسرور نہیں ہو سکتے۔

فارس میں ایک کمائی مشہور ہے کہ ایک عالی مرتبہ بادشاہ کی پریشانی نہ جاتی تھی آخر بخوبیوں سے پوچھا گیا کہ یہ پریشانی کیوں ہے؟ اور کیونکر دور ہوگی؟ انھوں نے بتایا کہ جان نہا کسی ایسے شخص کا کرتالے کے پینیں جو بہرہ وچہ خوش ہو۔ دربار میں اور ایسے ملک کے تمام آسودہ حال لوگوں میں اس صفت کا شخص ڈھونڈنا چاہا گیا مگر نہ لگا۔ اور ساری جستجو بیکار گئی۔ آخر خدا خدا کر کے ایک مزدور مل گیا جو اپنا کام پورا کر کے آ رہا تھا اور اُس میں بخوبیوں کے بتاے ہوئے تمام شرائط موجود تھیں یعنی ہنر و وجہ شادمان و فرحان تھا۔ مگر افسوس بادشاہ کی پریشانی کی دوا اب بھی دستیاب نہ ہوئی۔ کیونکہ اس شخص کے جسم میں کرتا ہی نہ تھا۔

میں پہلے بتا چکا ہوں اور سب لوگوں کو اس پر اتفاق بھی ہے کہ مسرت نہ کہیں روپیہ دے کے مول لی جاسکتی ہے۔ اور نہ زور بازو سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بادشاہوں کے۔ اجوں میں کانٹے پلنے ہوئے ہیں میرے سنی مونی ڈیزر سے کہا۔ نوع انسان کا زیادہ حصہ شاہی شان و شکوہ سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ مگر میں اس پر بالکل فریفتہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ میرے نزدیک لوگوں کے سرور پریشان خاطر ہونے کا اندازہ عوام الناس بالتحقیص بخین چیزوں سے کرتے ہیں جو ان کو نظر آتی ہیں۔ اور شاہی عام دنیا کے سامنے علانیہ طور پر اور بالکل آشکارا طریقہ سے اُن چیزوں کو نمایان کرتی ہے جو نہایت ہی قیمتی خیال کیجاتی ہیں۔ بہ خلاف اس کے بادشاہی کی دشواریوں اور فکر و کد و روح کے اُن نہایت ہی پوشیدہ خلوت کد و ن میں چھپائے رکھتی ہے جو انسانی مسرت و الم کے رہنے کے خاص مقامات ہیں۔ جو دیر سے پوچھو تو مجھے قہر سے بخوبی معلوم ہے اور سی مونی ڈیزر میں بھی اس کا یقین

دلالتا ہوں کہ بادشاہوں کو اعلیٰ ترین سر توں میں بہت ہی کم نصیب ہوئی ہیں اور اکثر بہترین برائیاں ان میں موجود ہیں۔

مگر سرت کی مختلف روشنیوں اور نیکی کے دلکش طریقوں کی حالت بیان کرنے میں ہم بالکل عاجز ہیں اور سب سے اعلیٰ سرت کی نسبت ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں یہ کہ اس میں ایک نامعلوم اور ناقابل بیان جاوہ ہے۔ اور اعلیٰ ترین نعمت کے متعلق ہم بس اسی قدر کہہ سکتے ہیں کہ اُسے زبان ادا نہیں کر سکتی۔

مگر اگر ہم ٹھیک طور پر دیکھیں تو فریٹ کے ساتھ ہم سب کی زبان پر یہ اتفاق جاری ہو جائیگا کہ "اور میں نے جو کچھ دیکھا ایک عالم وجد تھا۔ ساری چیزیں ایک عالم تبسم کی شان میں نمایاں تھیں۔ بے نظیر فرحت تھی۔ ناقابل بیان سرت تھی! طہنان محبت کی غیر فانی زندگی تھی۔ نہ ٹھٹھنے والی دولت تھی۔ اور بیحد بے پایان رحمت۔"

✓ عالم فطرت میں ہر چیز ایک عاقلانہ اور فیاضانہ نظام کے تابع ہے۔ ہر چیز دوسری سے وابستہ ہے۔ اور نفع رسانی کے لیے کام کر رہی ہے۔ اگر ہم تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس میں یا تو خود ہمارا ہی قصور ہوتا ہے یا عالم کی عام بہبود اسی میں متصور ہوتی ہے۔ سنیکا کہتا ہے "ایسا کوئی فرض منصبی نہیں ہے جس کے بجالانے میں ہمیں سرت نہ ہوتی ہو۔ اور نہ کوئی ایسی ہوس ہے جس کی کوئی روک نہ موجود ہو۔"

✓ سسٹر کے بیان کے مطابق اہلی کپورس نے اُسے یوں لکھا ہے کہ "خواب میں تین قسم کی ہوتی ہیں پہلی تو وہ جو فطری بھی ہیں اور ضروری بھی ہیں دوسری وہ جو فطری تو ہیں مگر ضروری نہیں تیسری وہ جو نہ فطری ہیں اور نہ ضروری۔ اور ان تینوں کی کیفیت یہ ہے کہ جو فطری بھی ہیں اور ضروری بھی وہ بغیر زیادہ دشواریوں کے اور بغیر زیادہ صرف کر نیے رفع ہو جاتی ہیں۔ جو فطری ہیں مگر ضروری نہیں وہ بھی بہت زیادہ صرف نہیں جاتے۔ کیونکہ قسطہ کا قاعدہ ہے کہ کسی خواہش میں جن دولتوں سے پوری ہوتی ہوں انھیں وہ ہمیشہ سہل الحصول رکھتی ہے۔ اور ایک محدود مقدار تک ہوتا رہتی ہے۔ لیکن فضول خواہشیں (جو نہ فطری ہیں اور نہ ضروری) ان میں کسی قسم کا اعتدال پیدا کرنا یا ان کی کوئی حد مقرر کرنا غیر ممکن ہے۔"



اطمینان و مسرت

و اُن کتابچہ "وہ شخص کیسا سرور پیدا ہوا اور لیے بہت کے آغوش میں پلا رہا جو دوسروں کی مرضی کا غلام نہیں جس کی آواز اس کے نیک بیٹی کے پاکیزہ خیالات ہیں اور جس کا اعلیٰ ترین ہنر کمال سادگی کے ساتھ اُس کا سچ بولنا ہے ہمارے زمانے کی اور بد قسمتیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمیں سسٹانہ اور دم لینے کی بہت ہی کم ہمت ملتی ہے۔ ہم ایک دائمی حکم میں رہتے ہیں۔ کتنی ایک عورتوں اور نیر مردوں کے دلوں میں پوریشیا کی طرح یہ خیال گزرا ہو گا کہ "میرے اس ننھے سے جسم کو اس بڑی بھاری دینا نے ٹھکا ڈالا ہے"۔

الغرض اچھا کام جلدی میں نہیں ہو سکتا ہے۔ قوت تخیل فرصت اور اطمینان چاہتی ہے کنگسلے کتابچہ "میں جانتا ہوں کہ ہم سب کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ اطمینان و تسارع البالی ہے۔ یعنی دل و دماغ کا سکون نیتین۔ مضبوط رکنا تھا۔ اور ضابطہ مزاج جس کے لیے کسی محرک کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُسے بستی و پشیمردگی کا عارضہ نہیں ہے۔ نہ کسی مسکن کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اُسے جوش میں آپے سے باہر ہو جانے کی شکایت نہیں ہے۔

نہا نہ اتفاق کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ خد کی نعمتوں کو بغیر اس کے کہ اُن کی بے وقعتی ہو کام میں لائے۔ وہ مزاج جس میں سچ و اتفاق و پیریز ہے۔ کھانے پینے ہی میں نہیں بلکہ تمام خواہشوں و خیالوں

وہ پوریشیا ٹیکسیر کے ایک ڈراما کی ہیروین کا نام ہے جس کی زبان سے اُس نے یہ خیال ظاہر کرایا ہے۔

اور کاموں میں جو وحشیانہ شہوتوں اور موسوں سے بچا ہوا ہے (جن میں کہہ سکتے ہیں) نے جدا جدا حضرت آدم علیہ السلام مبتلا ہو گئے تھے۔ اور ممنوع چیز کے ذریعے سے نورانیت اور زندگی کی آرزو کرنے کے باعث بیماری اور موت کی آفت میں پھنس گئے) ان ہاں میں اس ضرورت کو جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آرام و بہن مل سکتا ہے جہاں تم کو نظر آیا ہے۔“

ایک نئی نسل کہتا ہے، جیسا زیوس (یونانیوں کے مہادیو) نے مقدر کر دیا ہے۔ دنیا ہی تمھارا عمل بھی رہے۔ اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو سزا بھگتو گے اور سزا کیا ہے؟ اپنے فرض منصبی کو پورا نہ کر چکنا اس کے ساتھ ہی تم میں سے اعتدال و یانت داری اور قابلیت کے خصال فنا ہو جائیں گے۔ کیا اس سے بڑی کوئی اور بھی سزا ہو سکتی ہے؟

رسلین کا قول ہے، ہم بہت سی ضرورتوں کی شکایتیں کیا کرتے ہیں ہمیں دوٹ کی ضرورت ہے۔ ہمیں آزادی کی ضرورت ہے۔ ہمیں دلچسپیوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں رویہ کی ضرورت ہے۔ مگر ہم میں سے کون محسوس کرتا یا سمجھتا ہے کہ اسے اطمینان خاطر کی ضرورت ہے۔ اگر تمہیں اس کی ضرورت ہے تو اس کے حاصل کرنے کے دو طریقہ ہیں۔ جن میں سے پہلا مطلقاً تمھارے ہی اختیار میں ہے۔ وہ یہ کہ اپنے آپ کو مسرت و شادمانی کے خیالات کا آشیانہ بنا لو۔

اس بات کو ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ کیونکہ عقوان شباب میں کسی کو اس کی تعلیم ہی نہیں ہوتی ہے کہ پر لطف خیالات سے ہم کیسے کیسے پر یوں کے محل بنا کے کمرے کر لے سکتے ہیں جو ہر قسم کی دست برد سے مصنون و مامون ہوں۔ روشن خیالات پرانی فارغ البالی کی باتوں کی یاد۔ و یانت داری کے اقوال قیمتی اور اطمینان بخش خیالات کا خزانہ یہ ایسی قیمتی ہیں جن میں فکر خلل نہیں ڈال سکتی۔ دروہ پریشان نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ مفلسی بھی ان کو ہم سے نہیں جین سکتی۔ یہ ایسے قصر و ایوان ہیں جو بغیر ہاتھ لگے بن گئے ہیں تاکہ ہماری روحیں ان میں آرام کریں۔

نیک شہنشاہ انٹونی نسل اعظم نے مرثیہ وقت جو آخر ”پرول“ اپنے پرے کے افسر کو دیا ”مستقیم سکون“ تھا۔ حضرت ایسے کے استقلال میں کبھی فرق

نہیں آیا۔ اور ہمارے پیئر آخر الزمان محمد مصلم کا استقلال تحمل و برداشت کا ایک منظر
نمونہ تھا۔ سینٹ ٹامس آف لیفس کتا ہے "خواہش کو جھوڑ دے
بس تجھے اطمینان حاصل ہو جائے گا" ہم کو زندگی میں جھوٹی جھوٹی باتوں سے
دلیا ہی صدمہ پہنچتا ہے جیسا کہ بڑی باتوں سے کہ لکھنا اپنے ایک شعر میں
کتا ہے "وہ تمام بڑی چیزیں جن سے انسان مردود و خلاق ہو جاتا ہے ان سب سے
بدتر خود اپنی بڑی طبیعت ہے" اک کلی سی ایسی کس میں جو کہ عیسائیوں کی ایک
غیر متلو انجیل جو درج ہے کہ "ایک تو انا جسم سے بڑی کوئی دولت نہیں۔ اور دل کی
خوشی سے بڑھ کے کوئی خوشی نہیں"

✓ اپنے مسرور کرنے کے لیے ہمیں باہر کی طرف نظر نہ دوڑانی چاہیے۔ بلکہ خود
اپنے نفس میں اور اپنے دل میں دیکھنا چاہیے۔ آسمانی سلطنت تمہارے نفس کے
اندروں میں ہے۔ اگر ہم ہمیں نہ خوش ہو سکیں تو ہمیں دوسرے عالم میں مسرت
کی توقع رکھنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیا وہاں خدا ہی ان سے زیادہ ہماری
نگہبانی کرے گا؟ اگر ہم دنیا ہی میں اطمینان قلب نہیں حاصل کر سکتے تو پھر جنت میں
اسکے حاصل کرنے کی ہمیں کیونکر امید ہو سکتی ہے؟ اس نعمت سے ہمیں کوئی سی چیز
محروم رکھتی ہے؟ وہ سخت۔ حرص۔ خود غرضی۔ اور بلند پروازی کے جذبات ہیں
لیکن ان کو ادا کرنے اور بہت سے بڑے جذبات حاصل ہونے کی بجائے ہمیں خوش ہو سکتے ہیں اور جب تک
ان میں مبتلا ہیں ہم ہرگز بہت نہیں نصیب ہو سکتے۔ اگر ہمیں یہاں کھٹکا لگا ہوا ہے کہ جو چیزیں ہماری نظر
میں قیمتی ہیں کہیں ہم سے چھین نہ جائیں تو اس سے کس قدر زیادہ وحشت کا ہمیں جنت
میں لگا رہے گا۔ اگر ہم یہاں دوسروں کے ساتھ اطمینان سے نہیں رہ سکتے تو کسی
دوسرے عالم میں ہمیں ان کے ساتھ خوش رہنے کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ اگر
ہمارے اطمینان اور ہماری مسرت کی بنیادوں کی چیزوں پر ہوا اور ان کے لیے
ہم دوسرے عالم کی طرف نظر دوڑائیں تو کیا یہ نہ ہو گا کہ اس دوسرے عالم
کی زندگی میں ہم ایک تیسرے عالم کے آرزو مند ہوں؟ اور اسی طرح سلسلہ امید
برابر آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ مسرت کا لطف پیش بینی۔ آرزو مند ہی۔

اور یاد کرنے میں سہ گونہ ہو جا-ا ہے۔ لہذا حصول مسرت کا ایک خالص اور وسیع سرچشمہ آئندہ پر نظر ڈالنے میں ہوتا ہے۔ یعنی اس بات کی امید کرنے میں کہ ہمارے جو پیارے ہم سے جھوٹ گئے ہیں اُن سے پھر ملاقات ہوگی۔ اس شوق میں ہم اُن چیزوں کو زیادہ نمایاں طور پر دیکھنے لگتے ہیں جو ہماری نظر سے مخفی ہیں۔ نیکین و مسرت کے اس سرچشمہ کے متعلق میں کچھ کننا نہیں چاہتا۔ مگر اُن اتنا ضرور کہوں گا کہ ہمیں موجودہ نعمتوں کی بے قدری اور ماسخری نہ کرنی چاہیے۔ لہذا کوشش کر کے اپنے آپ کو اس قابل بناد کہ مندرجہ ذیل مقولہ میں کبیل کے ہم زبان ہو سکو۔ "میرے خدا! جیسی تیری مقدس مرضی ہو ویسا ہی زمین خاموش پڑا رہوں گا۔ میں ذرا بھی چون و چرا نہ کروں گا۔ مبادا تیرا ہاتھ مجھ سے جدا ہو جاے۔ اور وہ نغمہ موقوف ہو جائے جس کی لوریان سن سن کے میں نہایت آرام سے سو رہا اور اپنے باپ (خدا) کے سینہ سے لگا ہوا ہوں۔"

باغ فطرت کے سکوت و سکون سے بس تم اسی طرح لطف اٹھا سکتو ہو۔ جس کی نسبت ورڈس ورڈس لکھتا ہے "وہ خموشی جتنا روں بھرے آسمان میں ہے اور وہ نیند جو سنسان پہاڑوں پر طاری ہے۔" اس باغ سے جب تم اس طرح لطف اٹھاؤ گے تو فرشتہ خود تمہارے گلہ میں چلے آئیں گے جس طرح کہ مدت ہوئی حضرت ابراہیم کے پاس قرعے کے میدان میں آئے تھے مانت گزرا کہتا ہے "یہ بھی ممکن ہے کہ بت سی ایسی نئی سرزمین بھی ہوں جن سے انسان اس وقت تک نا آشنا ہوا اور جیہیں وہ تمدن کے اچھے راستہ میں حاصل کر سکے۔"

۱۔ جسمی ٹیکسز کا قول ہے "روح جب عقلمندی سے حکومت اور محنت کے ساتھ فرمان روائی کرتی ہے اُس کے مقاصد نفع بخش ہوتے ہیں۔ وہ افراط کے ساتھ سامان ترقی فراہم کرتی ہے۔ اور جسم کو نیکو کاری کے راستہ پر لے جاتی ہے جو کہ اس کا شریک مگر ادنیٰ درجہ کا شریک ہے۔ پھر اس وقت روح اور جسم سے مل کے ایک انسان کا مل بن جاتا ہے۔ لیکن اگر جسم حکمران

بن جائے۔ اور خواہشات کے ہجوم میں پڑ کے پہلے تو فہم و فراست کو ذلیل کرے۔ پھر اسکے بعد مرنی اور انتخاب کے زیادہ حصہ پر قابض ہو جائے۔ تو ایسی حالت میں جسم اور روح میں مناسب اشتراک نہیں قائم رہے گا۔ اور اُن سے مل کے جو انسان بنے گا وہ نالائق اور لغو ہو گا۔ روح اگر حکومت کرے تو پھر وہ جسم کے ساتھ برابر کی شریک نہ رہے گی۔ اسکے لیے لازمی ہے کہ یا تو حکومت کرے۔ اور نہیں تو غلام بن جائے۔

✓ اگر ہم زندگی سے حظ نہ اٹھا سکیں تو یہ خود ہمارا قصور ہے۔ رسکمن کہتا ہے "تمام آدمی لطف اٹھا سکتے ہیں اگرچہ یہ چند ہی آدمیوں سے ہو سکتا ہے" دل کو مطمئن اور مسرور رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تم اُسے اعلیٰ درجہ کے خیالات سے بھر دو۔ **افلاطون** کا قول ہے "خدا تر سنی۔ دانائی۔ حسن۔ اور نیکی اور اسی قسم کے اور بہت سے صفات ہیں جن سے روح کے پر و بال نشو و نما پاتے اور جلدی بڑھتے ہیں۔ لیکن اگر ان کا تعذیب برائی سے ہو تو وہ ضائع اور خشک ہو جاتے ہیں"

✓ اس لیے ان میں سے جو بات ٹھیک ہو اُسے اختیار کرو۔ **جان ایملو** کا قول ہے "خوشی کو اپنے گھر میں لاؤ۔ اپنے دل میں اسکے لیے جگہ کالو۔ اسے نشو و نما کا موقع دو۔ اور اسکی پرورش کرو۔ جب تم یہ کر گے تو اکثر اوقات جبکہ تم ہل جوتے یا کھیت کو نکارہے ہو گے وہ آ کے تمہیں اپنا نعمہ سنائے گی۔ خوش رہنا ایک زیادہ منع ہے۔ اور مسرت ہی خدا کی حمد و ثنا ہے جسے ہم ادا کیا کرتے ہیں"

✓ **سقراط** نے کہا ہے سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اپنے مکمل بنانے کی سب سے زیادہ کوشش کرتا ہے۔ اور سب سے زیادہ مسرور وہ شخص ہے جسے سب سے زیادہ محسوس ہوتا ہو کہ میں اپنے نفس کی تکمیل کر رہا ہوں"

دین

دین کے مسائل اتنی اگرچہ بڑے بڑے تال لوگوں کی نظر میں بھی آج تک ایک راز سر بستہ ہیں۔ مگر دین کے عملی فرائض ایک بچہ کی نظر میں بھی روشن اور صاف ہیں۔ **جریمی ٹیلر** کہتا ہے "فرائض دین کے احکام نہ اپالو (یونانی دیوتا) کے

مندر کی مجذوبانہ بڑوں کی طرح دو فصلی ہیں۔ مضمون کے لحاظ سے مبہم اور پیچیدہ ہیں نہ اُن کا مفہوم کوئی چستانِ جز نہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے دو دھوکا دینے والا ہیں۔ اور نہ ایسا ہے کہ ظاہر کے خلاف اُن کا منشاء کچھ اور ہی ہو۔ بلکہ فرائض کے احکام جو خدا کے الفاظ میں ہیں۔ آسمان کی طرح آشکارا چاند کی طرح روشن اور سورج کی کرنوں کی طرح صحت بخش ہیں۔ یہ بات یقیناً سچ ہے کہ جب کوئی چیز نامعلوم ہوتی ہے تو گودہ میں مجبور کرتی ہے کہ دانائی کے ساتھ اُس کی حقیقت کا پتہ لگائیں۔ لیکن اس جستجو میں عاجز رہنے کی وجہ سے ہم گنہگار نہیں ہو سکتے۔ گناہ اسی وقت عائد ہوتا ہے جبکہ کوئی بات صاف طور پر سمجھ میں آئے۔“

فصح وحق پڑوہ ہو کر کہتا ہے ”انسان کے کمرزد وماغ کے لیے خطرناک تھا کہ اس خدا سے برتر کے معاملات کی جستجو کرے جس کا جانتا اگرچہ بعثتِ زمرگی اور اس کا نام لینا موجبِ مسرت ہے مگر باوجود اس کے ہمارا مکمل ترین علم صرف اتنا سمجھ لینا ہے کہ اس کی کنہ حقیقت کو ہم نہیں جانتے۔ اور نہ جان سکتے ہیں۔ اس کے بارے میں ہماری اعلیٰ ترین فصاحت خاموشی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہم بغیر زبانِ ہلا سے ظاہر کرتے ہیں کہ اس کی عظمت الفاظ میں نہیں ادا ہو سکتی۔ اور اُس کی برتری ہمارے ظرف اور ہماری عقل کی رسائی سے بالا ہے۔“

لاک نے یہ جو بچوں کی نسبت کہا ہے یہ فی الواقع بہت سوخو جوانوں سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے اُن کے دلوں میں اس وعدہ لاشریک کی محبت اور اس کا ادب ٹھادو۔ شروع شروع میں بس اتنا ہی کافی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ بیان کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو روحانیات کی نازک جہتیں چھیرنا اس کے لیے قبل از وقت ہو۔ اور اس ازلی ہستی کی نوعیت جو سمجھ سے باہر ہے اس کے سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کی بے وقت کوشش سے ممکن ہے کہ اُن کے وماغ میں غلط خیالات پیدا ہو جائیں یا اس بل جلالہ کے حالات جو سمجھ سے باہر ہیں اُن کے خیالات کو پریشان کر دیں۔

میرے خیال میں تو یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ لوگ علی العموم اللہ جل شانہ کے بارے میں بس اسی حد پر مطمئن ہو جائیں کہ اس کی عظمت اور اس کا ادب دل پر نقش ہو جائے۔ بغیر اس کے کہ وہ ایک ایسی ہستی کے متعلق جسے سب ناقابل ادراک تسلیم کرتے ہیں خیال آرائیان کر کے وادی حیرت میں بھٹکتے پھریں جس کا نتیجہ یہ ہونا ہے کہ بہت سے لوگ جن میں نہ اس کی قدرت ہے اور نہ جس کے اپنے اقتداری اور غیر اقتداری امور میں امتیاز کر سکیں یا تو ضعیف الاعتقاد یوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یا الحاد کے گروہ میں گر پڑتے ہیں۔ یا تو خدا کو اپنا ہی سا تصور کر لیتے ہیں اور یا بوجہ اپنے تصور فہم کے اس کی ہستی ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔

قول نہایت ہی اعتراف کے ساتھ جانسن کے اس قول کا حوالہ دیا کرتا تھا جو چیز میں اپنے حواس کی قوت میں عاجز ثابت کرتی ہے۔ جو چیز گذشتہ آئندہ اور دور کی باتوں کو موجودہ باتوں کے مقابلے میں اہم ثابت کرتی ہے۔ وہی زمین اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ جس مخلوق میں قوت مدد کر ہو وہ زیادہ با وقعت ہے۔ انبیاء اور فقہ بے شک علوم ہیں۔ مگر دین کا جوہر نہیں ہیں۔ مذہب روزانہ زندگی کے لیے چال چلن کا ایک قانون ہے۔ اقبال مندی و کامرانی میں محافظہ۔ بدبختی و ناکامی میں تسلی دینے والا ہے۔ پریشانی میں دستگیری کرنا والا ہے۔ اور امن و امان کی ایک بندرگاہ ہے۔ مذہب جسم و روح دونوں کے لیے یکساں ضروری ہے۔ اور اسی لیے جسم و روح دونوں کی عزت کرنی چاہیے۔

فحط سچ کہتا ہے کہ مذہب فی نفسہ یا فی حد ذاتہ کوئی معاملت نہیں ہے جس پر انسان اپنے دیگر مشاغل سے جدا ہو کے یا خاص ایام و واقعات میں عمل کرے وہ تو خاص اندرونی روح ہے جو سارے جسم میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ دل میں خیالات کو القا کرتی ہے اور ہمارے تمام خیالات اور حرکات و سکنات میں دائر و سائر رہتی ہے۔ اگرچہ ہمارے وہ خیالات اور حرکات و سکنات دوسری حیثیت سے بغیر کسی تبدیلی یا خلل کے

اپنی معینہ و مقررہ رفتار پر چلتے رہتے ہیں۔
مقدس کتاب میں (تورۃ و انجیل و قرآن) ہمیں مخلق مسائل کے چکر میں
ڈال کے پریشان نہیں کرتے۔ بلکہ اس قسم کی پیچیدہ باتوں سے وہ ہمارے
خیالات کو ہٹا دیتی ہیں۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا: لہذا یہ حکم جو آج میں تجھے دیتا ہوں نہ تجھ سے
منفی ہو اور نہ دور ہے۔ وہ آسمان پر نہیں ہے کہ تو کہے ہمارے لیے کون آسمان
پر جائے گا۔ اور وہ ان سے لائے گا۔ تاکہ ہم سین اور اس پر عمل کریں۔ وہ سمندر
کے اس پار نہیں ہے کہ تو کہے ہمارے لیے کون سمندر پار جائے گا اور لائے گا۔
کہ ہم سین اور اس پر عمل کریں۔ بلکہ یہ لفظ تجھ سے بہت نزدیک تیرے منہ اور
تیرے دل ہی میں ہے تاکہ تو اس پر عمل کرے۔

قانون دان شخص کے جواب میں حضرت عیسیٰ نے فرمایا: اپنے مالک خدا سے
تو محبت کر۔ پورے دل سے اور پوری جان سے اور پورے نفس سے۔ یہ ہے
پہلا اور بڑا حکم۔ اور اسی کے مثل دوسرا حکم یہ ہے کہ تو جیسا خود اپنی ذات کو
چاہتا ہے ویسا ہی تو اپنے بڑے دسی کو چاہ۔

انھیں دو حکم پر سارا قانون شرع اور تمام انبیاء سلف کے
احکام بنی ہیں سینٹ جیمس کا قول ہے: ”خالص دین جو خدا اس پروردگار
عالم کے سامنے بے داغ ہو یہ ہے کہ پیغمبر اور پیوڈن کے دکھ میں شریک نہ ہونا
اور اپنے آپ کو دنیا کے دھبوں سے بچا رہنا۔“

عبد اللہ بن طاہر

”ابو العباس عبد اللہ بن طاہر بن حسین بن مصعب بن ذریق بن تابان خزرجی
ان لوگوں میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی برکتوں علم و فضل اور طبع
علم سے سرفراز کیا۔ اسی خاندان کی بانی ہیں جو صدیوں تک خراسان پر حکمران رہا
اور آخر میں دمان کا بااختیار فرمان روا ہوا۔ علما اکثر ایک نامعلوم اور مجہول
حالت سے نکل کے اموری کے ایسے پہلو فرماہوتے ہیں۔ مگر عبد اللہ بن طاہر

ایک ایسے نامور باپ کے گھر میں پیدا ہوئے جو اپنے عہد میں دنیا کا بہت بڑا نامور شخص تھا۔ ظاہر بن حسین جس کو مامون نے ذوالیمینین کا خطاب دیا تھا اگر سچ پوچھیے تو خلافت مامون کا قوی سبب ہی تھا۔

خلیفہ نوح بن ہاشم کو قتل کر کے بغداد اسی نے فتح کیا اور اسی فتح نے اسے مامون کی نظر میں اور باوقعت کر دیا اسکے بعد مامون خود بغداد میں آیا اور طاہر ذوالیمینین کو محل اور بلاد سوا حل خرات۔ شام اور مغرب کا گورنر جنرل مقرر کیا۔ یہ صوبجات بغداد سے قریب واقع تھے۔ اور طاہر کو خلیفہ کی حضوری میں بارہا حاضر ہونے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن طاہر مامون کے دربار میں کسی کام کی غرض سے آیا۔ مامون نے وہ کام تو پورا کر دیا۔ مگر طاہر کی صورت دیکھتے ہی اسکی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ طاہر نے عرض کیا، خدا حضور کو ہمیشہ شادان و فرحان رکھے۔ یہ اس وقت حضور کے دل پر کیسا طال گذرا، ”مامون نے اس سوال کو ایسے تیوروں سے مال دیا کہ طاہر کو دوبارہ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی روز حسین سے جو مامون کا خادم خاص تھا مل کے کہا کہ اگر امیر المومنین سے اس روز کے رونے کا سبب دریافت کرو تو تمہیں بہت کچھ مال و اسباب اسکے صلہ میں دون گا۔ حسین نے خلوت میں موقع پا کے دریا کیا تو معلوم ہوا کہ طاہر کی صورت دیکھتے ہی مامون کو اپنا مظلوم بھائی محمد بن یاد آ گیا۔ اور اسی بنا پر اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ جب طاہر کو یہ معلوم ہوا تو خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہی جو ش بخت ایک دن میرا کام تمام کر دے۔ جا کے وزیر سے ملا۔ اور بڑی خوشامد و انتہا کے ساتھ درخواست کی کہ وہ کسی دور و دراز ملک کی گورنری پر بھیج دے تاکہ مامون کا سامنا ہونے کا کم اتفاق ہو۔ وزیر اس کو شش میں کامیاب ہوا۔ اور طاہر خراسان کی گورنری پر بھیجا گیا۔ یہ بلاد ہے جس روز خراسان کی حکومت طاہر کے ہاتھ میں آئی۔ خراسان کی مستقر حکومت شہر مرو میں ربیع الاول سنہ ۱۷۰ھ میں داخل ہوا تھا۔ اور سنہ ۱۷۱ھ میں ایک ہی برس والی رہ کر مر گیا۔ مامون نے اسکے بیٹے پر طاہر کے مرنے کا افسوس ظاہر کیا۔ اور اس کو والی مقرر کیا۔ طاہر

کیونکہ مرزا اس کی نسبت مورخین نے عجب عجب بنا میں بتائی ہیں۔ جن کو اگر ہم خود طاہر کی لائف لکھتے ہوئے تو بیان کرتے۔ ہمارا ہیرو اس کا بیٹا عبد اللہ بن طاہر ہے جو ابخراسان کا حکمران مقرر ہوا ہے۔ لیکن والی معین ہونے کے زمانے میں وہ ایک ہم پر تھا اور دیتور میں قیام پذیر تھا۔ اس نے اپنے بھائی طلحہ بن طاہر کو اس کام پر مامور کیا کہ اسکی طرف سے خراسان پر حکمرانی کرے۔ سیستان میں خنزہ ثانی نے علم بغاوت بلند کیا۔ اور طلحہ نے بہادری سے مقابلہ کر کے ان کو شکست دیدی۔ اس فتح کے بعد جب وہ اطمینان سے جا کے مرو میں بٹھا ہی تھا کہ مرو میں موت میں مبتلا ہو کے رہا اور دنیائے آخری ہوا۔ اس کے مرنے پر اس کا بیٹا علی بن طلحہ قائم مقام گورنر خراسان ہوا۔ اس پر بھی باغیوں نے یورش کی اور آخر جس سال باپ نے رحلت کی تھی اسی سال بہادری کے ساتھ لڑ کے مارا گیا۔ یہ خبر جب جب بغداد میں پہونچی تو امون نے عبد اللہ بن طاہر کے نام فرمان بھیجا کہ خود جا کے خراسان کا انتظام کرے۔ طاہر دیتور میں بابک خراسانی کے مقابلے کا سامان کر رہا تھا۔ یہ حکم پاتے ہی مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اور راہ رجب ۵۸۵ھ میں نیشاپور میں داخل ہوا۔ اُن دنوں خراسان میں فحط عام تھا۔ اور ہر طرف آہ و زاری تھی آواز بلند غمی غم بامرے جاتے تھے۔ اور غلہ کا کمین نام بھی نہ نظر آتا تھا۔ عبد اللہ بن طاہر جیسے ہی نیشاپور میں پہونچا رحمت الہی نے منہ کی صورت میں نزول کیا۔ اور اس قدر بانی برسا کہ سوکھی ہوئی کھیتیاں لہلہا اُٹھیں۔ اور ہر غریب و امیر کی باچھین کھیل گئیں۔ اس نزول رحمت نے رعایا کی قیظ میں عبد اللہ کو ایسا بابرکت بنا دیا تھا کہ نیشاپور میں وہ سیر کو نکلا تو سب طرف سے تحمین و مرجبا کے نعرے بلند تھے ایک بازاری شخص نے بڑھ کے یہ قطعہ پڑھا۔

قد فحط الناس فی ذماتھم حتی اذا جئت جئت بالدار

باغیوں کے زمانے میں لوگوں پر بلا سے فحط نازل تھی یہاں تک کہ تو آیا اور آیا تو موتی برساتا ہوا آیا۔

غبار فی مسکة منا قدامت فمزجایا الامید والمطہر

دو رحمتیں ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ لہذا ہمارے امیر اور باران رحمت و دوزن کو مر جیا۔

سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ مامون کے دل میں باوجود طاہر کی وفاداری کے اس کی طرف سے کچھ بڑے خیالات تھے۔ مگر وہ سب خیالات عبداللہ کے زمانے میں بالکل مٹ گئے۔ عبداللہ بن طاہر کو مامون رشد نہایت ہی عزیز رکھتا تھا۔ جس روز طلحہ بن طاہر مرو میں مرا ہے اسی روز مامون نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو جو اس عہد کے مشہور و معروف فقیہ و محدث تھے عبداللہ رحمہ اللہ کے پاس دیور میں روانہ کیا جنھوں نے جا کے اس کے بھائی کی نفرت کے بعد اسے بہت کچھ تسلی دی۔ مامون کی مہربانی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کے تین دایوں کے اختیار میں اتنی بڑی بڑی قلمرو تھی جس کو بجائے خود ایک بڑی سلطنت سمجھنا چاہیے۔ ان میں سے دو تو خاص شاہنشاہی خاندان عباسیہ سے تھے یعنی معتصم باللہ بارون کا بیٹا اور مامون کا بھائی جو مقصد شام کا والی تھا۔ اور خود مامون کا بیٹا شہزادہ عباس جو بلاد جزیرہ وغیرہ کا والی تھا۔ انھیں دونوں کے ہم پلہ تیسرے عبداللہ بن طاہر تھا جو خراسان اور تمام مشرقی قلمرو اسلام کا حاکم ان تھا۔ ایک دن مامون نے ان تینوں مذکورہ دایوں کو خوشی میں آکے باپ بچہ لاکھ دینار دے ڈالے تھے۔ بلکہ مشہور ہے کہ مامون نے پھر کبھی اتنا روپیہ کسی کو ایک تاریخ میں نہیں دیا۔ عبداللہ بن طاہر نے ایسی خوش انتظامی سے خراسان کی حکومت کی اور وہاں ایسی بہادری اور جرأت سے مقابلہ کیا کہ چند ہی روز میں کل خوارزم اور باغیوں کو شکست دیدی اور حکومت عباسیہ کا ڈنکا تمام خراسان اور ترکستان کی حدود میں بجا دیا۔

عبداللہ بن طاہر کا دصف کچھ اسی قدر نہیں ہے کہ وہ ایک عمدہ جرنیل یا کوئی خوش انتظام گورنر تھا بلکہ سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ اس میں علمی ریاضت ایسی اچھی تھی کہ بڑے بڑے علما اور اہل فن اس کے آگے دعویٰ اٹھا دی کرتے ڈرتے تھے۔ ان دونوں علمی دنیا کے نامور دن میں بہت سے اہل کمال نرندہ موجود تھے جن کی صحبت کسی علم دوست فرمان روا کو باسانی نصیب ہو سکتی تھی۔ عبداللہ بن طاہر کی داد و ہش اور نیز اس کی نکتہ سنجی اور اس کے بلیغ علم کا شہرہ سن سن کے اسلامی دنیا کے دور و دور از مقامات سے علما و فضلاء چلے آتے تھے۔ جو ہمیشہ اس کے دربار کا زیور بنے رہتے تھے۔ اور جن کی صحبت نے عبداللہ کو بھی

نہایت ہی اعلیٰ نیکنامی کے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔ عبداللہ کی صحبت کے بعض علماء و شعرا کے نام تاریخ میں نہایت عظمت و وقعت کے ساتھ لیے گئے ہیں۔ اور وہ اسے لوگ ہیں کہ اگر عبداللہ کے نام کو ذاتی طور پر بنا سہ دوام نہ بھی حاصل ہو تو اپنے ہی ضمن میں سہی گرا اس کے نام کو کبھی صفحہ روزگار سے مٹنے نہ دیں گے۔

عبداللہ بن طاہر کے علم و دست ہونے کا شہرہ چند ہی روز میں تمام دنیا میں پھیل گیا تھا۔ اور مشہور ہو گیا تھا کہ جیسا فیاض قدر دان اور جیسا نکتہ بیخ و دقتہ رس رئیس عبداللہ بن طاہر ہے اور کوئی نہیں۔ اسلام کا مشہور مصنف اور ادیب ابو تمام طائی جس کی کتاب "حما سہ" رہتی دنیا تک نیکنامی اور شہرت کا ساتھ دے گی۔ اس نے بھی اپنی خوش قسمتی سے عبداللہ بن طاہر کا زمانہ پایا۔ ابو تمام کو عبداللہ کی شہرت کا چرچا سن کے شوق ہوا کہ اس کی شرف ملازمت سے بہرہ یاب ہو۔ عراق سے خراسان کو روانہ ہوا۔ ابو تمام کو اس سفر میں بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں۔ شہر قس میں پہنچ کے اس نے اپنے مصائب کو بعض اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کیا تھا جو آج تک یاد گار ہیں خردان سے آگے بڑھا۔ اور بہت سے منازل قطع کر کے ہمدان میں وارد ہوا۔ جاڑون کا موسم سر پہ آگیا اور ہمدان کے اطراف کی سردی مشہور ہے سفر اور دشوار گزار ہو گیا۔ اور کیسی طرح ممکن نہ تھا کہ آگے بڑھے۔ برف نے راستہ بند کر دیے تھے۔ الغرض آخر سر تا تک اسے شہر ہمدان ہی میں اس انتظار میں ٹھہرنا پڑا کہ برف کھلے۔ اور راستہ کھل جائے تو آگے کا قصد کرے۔ ابو تمام حسن اتفاق سے ایک ہمدان کے رئیس کے دیوان کھل ہوا تھا۔ جس کے گھر میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ خصوصاً اہل عرب کے قدیم دیوان اس کتب خانہ میں بہت کثرت سے تھے۔ یہ نایاب کتابیں ابو تمام کے دل بہلانے بلکہ اس کے روک لینے کے لیے کافی تھیں۔ علامہ ابو تمام شب و روز ان دیوانوں ہی کا دیکھا کرتے تھے۔ جس کے بعد انھوں نے اچھوتے ذوق کے موافق کتاب حما سہ کو مرتب کیا۔ جس میں اکثر مقبول

اور نامور شعرا عرب کے بے مثل اشعار موجود ہیں۔ اس کتاب میں جاہلیت اور اسلام دونوں عہدوں کے اشعار موجود ہیں۔ حماسہ آج تک ہمارے کورس میں داخل ہے۔ اور عربی علم ادب کی انتہائی تعلیم کے وقت پڑھی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے شعرا عرب نے عبد اللہ بن طاہر کی طرح سرائی میں اپنے قلم اور اپنی طبیعت کے جوہر دکھائے ہیں۔ خراسان میں آنے سے پہلے عبد اللہ بن طاہر مصر کا دالی اور گورنر تھا۔ وہ ان کے شعرا نے جو اشعار اُسکی مدح میں فرمائے ہیں وہ بھی آج تک با مدح و مدح کی یاد دلا رہے ہیں۔

عبد اللہ بن طاہر کی یادگار میں ایک خاص قسم کا ترنوز مصر میں موجود ہے جو عبد اللہ بن طاہر کے نام کو یاد دلانے کے کھانے والوں کا قلمی ٹھنڈا کیا کرتا ہے۔

لوگوں کو اس میں شبہ ہے کہ وہ ترنوز کیون عبد اللہ بن طاہر کی جانب منسوب کیا گیا۔ بعض کا بیان ہے کہ عبد اللہ کو اس کی جانب زیادہ رغبت تھی۔ اور بعض کا بیان ہے کہ اس ترنوز کا تخم کسی اور سرزمین سے لاکے پہلے پہل عبد اللہ بن طاہر نے زمین مصر میں بویا تھا۔ بہر حال باعث شہرت چاہے جو کچھ ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عبد اللہ بن طاہر کو وہ ترنوز آج تک مصر کی خاص سوسائٹیوں سے لے کے بازار تک مشہور کیے ہوئے ہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن طاہر بہت بڑا دیب بذلہ سنج اور لائق وفائی رئیس تھا۔ علم موسیقی میں بہت دخل رکھتا تھا۔ چنانچہ صاحب آغانی تحریر فرماتے ہیں کہ اس نے خود اپنی طبیعت داری سے بہت سے نئے راگ ایجاد کیے۔ اور ان کو بہت ہی دلکش ثابت کیا۔ موسیقی کے متاخر واقف کاروں نے ان راگوں کو عبد اللہ بن طاہر سے نقل کیا ہے اور اپنے فن پر اُس کا بہت بڑا احسان تسلیم کیا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ موسیقی جو ان دنوں نہایت ہی معیوب فن تصور کیا جاتا ہے گو شرعی حیثیت سے نہایت ہی بُرا ہو۔ مگر اسلام کے زمانہ سلف میں اتنا معیوب نہیں خیال کیا جاتا تھا جتنا اب معیوب ہے۔ امر او شرف کے لڑکے تو گھلے باز ہی کی مشق کر کے آج بھی بدنام ہو جاتے ہیں۔ مگر ان دنوں کے

علماء و فضلاء میں بھی اکثر ایسے نیکلین گئے جو موسیقی کو ایک فن تصور کر کے حاصل کرتے تھے۔ اور زمانہ ان کی ویسی ہی قدر کرتا تھا جیسی کہ یون کرتا۔ مورخین اور عام معتقدین ان کے نام اس عظمت سے لیتے تھے جس طرح کہ ہم اپنے مقتداؤں کا نام لیتے ہیں۔ ہاں ہمارے عہد کے مشائخ صوفیہ ترک دنیا کے دعوؤں کے ساتھ گانا سننے کے بہت مشتاق رہا کرتے ہیں۔ مگر خرابی یہ ہے کہ ان بزرگواروں نے اس کو حلال کر لیا ہے۔ گانے کو شرعاً بھی موجب الزام نہیں ثابت ہونے دیتے۔ بخلات اس کے ان دونوں علما میں سے جو گانا جانتے تھے وہ گانے کو حرام مطلق سمجھنے میں پورے طور پر ہمارے ہم زبان تھے۔ اور ان کی اس راست بازی ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کی وقت میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

عبد اللہ بن طاہر اگرچہ اس باب کا بیٹا تھا جس نے بغداد کے محاصرہ کے وقت تھرا میں یہ بہت کچھ سختیاں کی تھیں مگر اس کے دل میں رحم اور درگزر کا مادہ بہت کچھ تھا۔ جہاں تک ممکن ہوتا تھا وہاں تک درگزر کر نیکی پالیسی ہی کو مقدم رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کو تو اس شہر یا کسی اور انتظامی عہدہ دار کی طرف سے ایک رپورٹ اُس کے ملاحظہ میں پیش کی گئی۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب وہ مصر کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ رپورٹ کا مضمون یہ تھا کہ کچھ لوگ گردہ اور جھٹا باندھ کے شہر سے باہر نکلے۔ جن کی رفتار سے بدگمانی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان کے ہمراہ ایک خوبصورت اور کم سن لڑکا بھی ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا بات کیا جائے۔ عبد اللہ بن طاہر رپورٹ کی پیشانی پر لکھا۔ ایسے نوجوانوں کے اخذ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جو اپنے دلوں کی خواہش کے موافق تنہائی کے مقام میں جانے کے لیے نکلے ہیں۔ اور وہ لڑکا شاید ان میں سے کسی کا بیٹا ہو یا کسی کا عزیز ہو۔

اس کی رحم و ملی عام تھی اور کسی خاص سوسائٹی یا خاص قوم سے اس کو ہمدردی نہ تھی۔ اس کی حکومت خراسان کے زمانہ میں ایک مجب متعصب کاروائی اہل خراسان سے ظاہر ہوئی تھی۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ عبد اللہ بن طاہر سچے دل سے ثابت قدم رہا۔ خراسان کے شہر ہرات میں آتش پرستوں کی

بہت زیادہ اور بکثرت آبادی تھی۔ جواب ایک مطیع رعایا کی حیثیت سے زندگی بسر کیا کرتے تھے ان کا کوئی مذہبی آتشکدہ ان کی بدقسمتی سے کسی مسجد کے پاس واقع ہوا تھا۔ ماسوا اس کے ان میں اور کوئی خرابی نہ تھی۔ وفادار رعایا کی طرح جزیہ ادا کرتے تھے۔ سلطنت کے خزانوں کو شائستگی اور اطاعت سے قبول کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک واعظ صاحب جو خراسان کے قصبہ بالان میں دغا فرما رہے تھے۔ اثنائے کلام میں امام سامعین کی طرف خطاب کر کے فرمانے لگے "اب اس شہر میں اسلام ضعیف ہو گیا۔ صریحاً تم سب دیکھتے ہو کہ مسجد کو ملحق آتشکدہ ہے اور کسی مسلمان کو غیرت نہیں آتی سب خاموش ہیں اور کوئی اس مصیبت اور اسلامی توہین کے دفع کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ واعظ صاحب کی یہ تقریر جادو کا اثر کر گئی۔ مسلمانوں کے دل میں جوش حمیت پیدا ہوا۔ اور جھلٹا کے دل میں ٹھان لی کہ جس طرح بنے اس آتشکدہ کو دفع کرنا چاہیے۔ اس وقت تو خاموش ہو رہے اور رات کو بھوننے لگے اتفاقاً پورش کر کے آتشکدہ اور مسجد دونوں کو کھود کے برابر کر دیا۔ اس کے بعد تختہ زمین کو برابر کیا۔ اور ایسا ہتھم انتظام کیا کہ ان دونوں کی جگہ اسی رات بھر میں ایک دوسری عالیشان مسجد بنا کے کھڑی کر دی۔ صبح ہونے سے پہلے دوسری مسجد تیار تھی۔ آتش پرستوں نے جو صبح اٹھنے کے دیکھا تو گھبرا گئے۔ اور آتشکدہ کو نہ دیکھ سکے دنیا ان کی نظر میں تاریک ہو گئی دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے یہ کارروائی کی۔ بیچارہ دن سے اور کچھ نہ بن پڑا ہرات چھوڑ کے دار السلطنت خراسان نیشاپور میں گئے۔ اور عبداللہ بن طاہر کی خدمت میں اپنی داستان اور مذہبی مصیبت بیان کی۔ اور کہا آپ کا ایسا عدل گتر زبان روا ہو اور ہم پر ایسے ظلم ہوں۔ عبداللہ نے اس امر کی تحقیقات کا حکم دیا۔ فوراً سرکاری حکام نے ہرات میں تحقیقات شروع کر دی۔ لیکن ان دنوں مسلمانوں میں قومی اتفاق بڑھا ہوا تھا۔ اور جوابات ایک شخص کی زبان سے نکل جاتی تھی وہی سب کی زبان سے نکلتی تھی۔ مسلمانوں نے انکار کر دیا کہ ہم نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ یہ مسجد ہمیشہ سے ایسی ہی اور اسی وضع کی ہے۔ اور نہ ہم نے بیان کبھی کوئی آتشکدہ دیکھا۔ ہرات کے تمام لوگوں کا اظہار لیا گیا۔

اور بڑے بڑے بڑھون نے ہی اظہار دیا کہ یہاں کبھی کوئی آشکدہ نہ تھا۔ یہ مسجد جیسی ہم ہمیشہ سے ایسی ہی بنی ہوئی تھی۔ آخر عبداللہ بن طاہر نے تنگ کے دعویٰ ڈسمس کر دیا۔ اور کوئی کارروائی نہ ہو سکی۔

اگرچہ خاندان کی بنا طاہر ذوالیمینین سے ہے۔ مگر جو خاندان کہ خراسان میں ایک مدت تک حکمران رہا اس کا اصل بانی عبداللہ بن طاہر ہی کو سمجھنا چاہیے۔ طاہر نے خراسان کی گورنری کو بنین عت دی بلکہ وہ ایک بڑے حصہ زمین کا جو ہندوستان کی حدود سے ایران کے وسط تک پھیلا ہوا تھا اس پر خود مختار حکمران رہا۔ اس عہد میں ہندوستان سے لے کے دریائے جلم تک کے مالاک تین حصوں پر تقسیم تھے۔ ایک تو وہ خاص حصہ جس میں دارالخلافہ ہندو تھا اسی عراق عرب کہتے تھے۔ اور ایک حصہ وہ تھا جو گویا ایران کا مغرب ملک مع تہی زائد تھا اسی عراق عجم کہتے تھے۔ اور تیسرے حصہ جو ان دونوں سے بڑا تھا اور عراق عجم کی مشرقی حدود سے ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا۔ اور جس میں ترکستان بھی شامل تھا۔ یہ خراسان کہلاتا تھا۔ اس خراسان پر خاندان طاہر ذوالیمینین کی حکومت تھی۔ مگر افسوس عبداللہ بن طاہر کے پوتے ہی پر سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس لیے کہ قیث کی نسل نے خراسان و دیار عجم میں ایسا سر اٹھایا کہ اس نسل کا خاتمہ ہو گیا۔

عبداللہ بن طاہر شاعر بھی تھا۔ جس طرح نکتہ رس اور وقیفہ سنخ شعرا کی کلام پر داود بیکرنا تھا اسی طرح اپنے کلام کی داؤد ان کی زبان سے بھی سننا کرتا تھا اس کا کلام موجود ہے۔

آخر وہ زمانہ آگیا جو سب کو آنے والا ہے۔ موت قریب آئی اور اُس کے اعضائے جواب دے دیا۔ اور عبداللہ بن خراسان کے مشہور شہر مرو میں تھا کہ فرشتہ اجل نے پیام مرگ پہنچایا۔ دو شنبہ کے روز ۱۱۔ ربیع الاول ۲۸۲ھ میں انتقال کیا۔ شان مرنے کے سات روز بعد اس نے دنیا کو چھوڑا۔ عبداللہ کے باپ طاہر ذوالیمینین کی عمر ۸۶ برس کی ہوئی تھی اُسکے مطابق عبداللہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کے دنیا سے رخصت ہوا۔ اور ۸۶ ہی برس کی عمر پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تصانیف مولانا عبدالحکیم صاحب شریعت

مولانا شریعت کے خیالی ناول		دلگداز کی مکمل جلدیں	
۴۱۔ آغا صادقی کی شادی ایک پس	۱۰۔ جلد ۱۸۵	۱۰۔ جلد ۱۸۵	۱۰۔ جلد ۱۸۵
۴۲۔ حسن کاٹھ کو حجاب کے لڑکھائیاں	۱۱۔ جلد ۱۸۹	۱۱۔ جلد ۱۸۹	۱۱۔ جلد ۱۸۹
۴۳۔ اسرار دربار خراپور حجاب کے	۱۲۔ جلد ۱۹۰	۱۲۔ جلد ۱۹۰	۱۲۔ جلد ۱۹۰
بچے سے حالات ہر دو جلد	۱۳۔ جلد ۱۹۱	۱۳۔ جلد ۱۹۱	۱۳۔ جلد ۱۹۱
۴۴۔ عجب دان و حسن حیرت انگیز جیب بانی	۱۴۔ جلد ۱۹۲	۱۴۔ جلد ۱۹۲	۱۴۔ جلد ۱۹۲
۴۵۔ خوشنکاح محبت، ہندوستان کی شریعت	۱۵۔ جلد ۱۹۳	۱۵۔ جلد ۱۹۳	۱۵۔ جلد ۱۹۳
۴۶۔ اسی وجہات کی ایک اچھی تصویر بنیں چوکی	۱۶۔ جلد ۱۹۴	۱۶۔ جلد ۱۹۴	۱۶۔ جلد ۱۹۴
۴۷۔ ریکس، مصنف کا پہلا ناول	۱۷۔ جلد ۱۹۵	۱۷۔ جلد ۱۹۵	۱۷۔ جلد ۱۹۵
۴۸۔ ڈرامے اور نظمین	۱۸۔ جلد ۱۹۶	۱۸۔ جلد ۱۹۶	۱۸۔ جلد ۱۹۶
۴۹۔ سیری بابل گولڈ جی کے ناول	۱۹۔ جلد ۱۹۷	۱۹۔ جلد ۱۹۷	۱۹۔ جلد ۱۹۷
۵۰۔ ہزارہ اور اسلام ایک سیر و سفر	۲۰۔ جلد ۱۹۸	۲۰۔ جلد ۱۹۸	۲۰۔ جلد ۱۹۸
۵۱۔ غیبی جسم - فراہ کی بیباک بیان	۲۱۔ جلد ۱۹۹	۲۱۔ جلد ۱۹۹	۲۱۔ جلد ۱۹۹
۵۲۔ غیبی جسم، المراق کے بعد ناول کا بیان	۲۲۔ جلد ۲۰۰	۲۲۔ جلد ۲۰۰	۲۲۔ جلد ۲۰۰
مضامین شریعت		مختلف مضامین شریعت	
شاعرانہ و عاشقانہ دوسرے		۱۰۔ جلد ۱۸۵	
تاریخی و جغرافی		۱۱۔ جلد ۱۸۹	
گذشتہ مکتوب		۱۲۔ جلد ۱۹۰	
سیر رجال		۱۳۔ جلد ۱۹۱	
ختم سال و شروع سال		۱۴۔ جلد ۱۹۲	
سیر نوان		۱۵۔ جلد ۱۹۳	
ادب و تحقیق مسائل		۱۶۔ جلد ۱۹۴	
اصلاح قوم و وطن		۱۷۔ جلد ۱۹۵	
تاریخی و تصانیف پر خیال نگاری		۱۸۔ جلد ۱۹۶	
نظر و ڈرامہ		۱۹۔ جلد ۱۹۷	
۱۰۔ جلد ۱۸۵		۲۰۔ جلد ۱۹۸	
۱۱۔ جلد ۱۸۹		۲۱۔ جلد ۱۹۹	
۱۲۔ جلد ۱۹۰		۲۲۔ جلد ۲۰۰	
۱۳۔ جلد ۱۹۱		۲۳۔ جلد ۲۰۱	
۱۴۔ جلد ۱۹۲		۲۴۔ جلد ۲۰۲	
۱۵۔ جلد ۱۹۳		۲۵۔ جلد ۲۰۳	
۱۶۔ جلد ۱۹۴		۲۶۔ جلد ۲۰۴	
۱۷۔ جلد ۱۹۵		۲۷۔ جلد ۲۰۵	
۱۸۔ جلد ۱۹۶		۲۸۔ جلد ۲۰۶	
۱۹۔ جلد ۱۹۷		۲۹۔ جلد ۲۰۷	
۲۰۔ جلد ۱۹۸		۳۰۔ جلد ۲۰۸	
۲۱۔ جلد ۱۹۹		۳۱۔ جلد ۲۰۹	
۲۲۔ جلد ۲۰۰		۳۲۔ جلد ۲۱۰	
۲۳۔ جلد ۲۰۱		۳۳۔ جلد ۲۱۱	
۲۴۔ جلد ۲۰۲		۳۴۔ جلد ۲۱۲	
۲۵۔ جلد ۲۰۳		۳۵۔ جلد ۲۱۳	
۲۶۔ جلد ۲۰۴		۳۶۔ جلد ۲۱۴	
۲۷۔ جلد ۲۰۵		۳۷۔ جلد ۲۱۵	
۲۸۔ جلد ۲۰۶		۳۸۔ جلد ۲۱۶	
۲۹۔ جلد ۲۰۷		۳۹۔ جلد ۲۱۷	
۳۰۔ جلد ۲۰۸		۴۰۔ جلد ۲۱۸	
۳۱۔ جلد ۲۰۹		۴۱۔ جلد ۲۱۹	
۳۲۔ جلد ۲۱۰		۴۲۔ جلد ۲۲۰	
۳۳۔ جلد ۲۱۱		۴۳۔ جلد ۲۲۱	
۳۴۔ جلد ۲۱۲		۴۴۔ جلد ۲۲۲	
۳۵۔ جلد ۲۱۳		۴۵۔ جلد ۲۲۳	
۳۶۔ جلد ۲۱۴		۴۶۔ جلد ۲۲۴	
۳۷۔ جلد ۲۱۵		۴۷۔ جلد ۲۲۵	
۳۸۔ جلد ۲۱۶		۴۸۔ جلد ۲۲۶	
۳۹۔ جلد ۲۱۷		۴۹۔ جلد ۲۲۷	
۴۰۔ جلد ۲۱۸		۵۰۔ جلد ۲۲۸	
۴۱۔ جلد ۲۱۹		۵۱۔ جلد ۲۲۹	
۴۲۔ جلد ۲۲۰		۵۲۔ جلد ۲۳۰	
۴۳۔ جلد ۲۲۱		۵۳۔ جلد ۲۳۱	
۴۴۔ جلد ۲۲۲		۵۴۔ جلد ۲۳۲	
۴۵۔ جلد ۲۲۳		۵۵۔ جلد ۲۳۳	
۴۶۔ جلد ۲۲۴		۵۶۔ جلد ۲۳۴	
۴۷۔ جلد ۲۲۵		۵۷۔ جلد ۲۳۵	
۴۸۔ جلد ۲۲۶		۵۸۔ جلد ۲۳۶	
۴۹۔ جلد ۲۲۷		۵۹۔ جلد ۲۳۷	
۵۰۔ جلد ۲۲۸		۶۰۔ جلد ۲۳۸	
۵۱۔ جلد ۲۲۹		۶۱۔ جلد ۲۳۹	
۵۲۔ جلد ۲۳۰		۶۲۔ جلد ۲۴۰	
۵۳۔ جلد ۲۳۱		۶۳۔ جلد ۲۴۱	
۵۴۔ جلد ۲۳۲		۶۴۔ جلد ۲۴۲	
۵۵۔ جلد ۲۳۳		۶۵۔ جلد ۲۴۳	
۵۶۔ جلد ۲۳۴		۶۶۔ جلد ۲۴۴	
۵۷۔ جلد ۲۳۵		۶۷۔ جلد ۲۴۵	
۵۸۔ جلد ۲۳۶		۶۸۔ جلد ۲۴۶	
۵۹۔ جلد ۲۳۷		۶۹۔ جلد ۲۴۷	
۶۰۔ جلد ۲۳۸		۷۰۔ جلد ۲۴۸	
۶۱۔ جلد ۲۳۹		۷۱۔ جلد ۲۴۹	
۶۲۔ جلد ۲۴۰		۷۲۔ جلد ۲۵۰	
۶۳۔ جلد ۲۴۱		۷۳۔ جلد ۲۵۱	
۶۴۔ جلد ۲۴۲		۷۴۔ جلد ۲۵۲	
۶۵۔ جلد ۲۴۳		۷۵۔ جلد ۲۵۳	
۶۶۔ جلد ۲۴۴		۷۶۔ جلد ۲۵۴	
۶۷۔ جلد ۲۴۵		۷۷۔ جلد ۲۵۵	
۶۸۔ جلد ۲۴۶		۷۸۔ جلد ۲۵۶	
۶۹۔ جلد ۲۴۷		۷۹۔ جلد ۲۵۷	
۷۰۔ جلد ۲۴۸		۸۰۔ جلد ۲۵۸	
۷۱۔ جلد ۲۴۹		۸۱۔ جلد ۲۵۹	
۷۲۔ جلد ۲۵۰		۸۲۔ جلد ۲۶۰	
۷۳۔ جلد ۲۵۱		۸۳۔ جلد ۲۶۱	
۷۴۔ جلد ۲۵۲		۸۴۔ جلد ۲۶۲	
۷۵۔ جلد ۲۵۳		۸۵۔ جلد ۲۶۳	
۷۶۔ جلد ۲۵۴		۸۶۔ جلد ۲۶۴	
۷۷۔ جلد ۲۵۵		۸۷۔ جلد ۲۶۵	
۷۸۔ جلد ۲۵۶		۸۸۔ جلد ۲۶۶	
۷۹۔ جلد ۲۵۷		۸۹۔ جلد ۲۶۷	
۸۰۔ جلد ۲۵۸		۹۰۔ جلد ۲۶۸	
۸۱۔ جلد ۲۵۹		۹۱۔ جلد ۲۶۹	
۸۲۔ جلد ۲۶۰		۹۲۔ جلد ۲۷۰	
۸۳۔ جلد ۲۶۱		۹۳۔ جلد ۲۷۱	
۸۴۔ جلد ۲۶۲		۹۴۔ جلد ۲۷۲	
۸۵۔ جلد ۲۶۳		۹۵۔ جلد ۲۷۳	
۸۶۔ جلد ۲۶۴		۹۶۔ جلد ۲۷۴	
۸۷۔ جلد ۲۶۵		۹۷۔ جلد ۲۷۵	
۸۸۔ جلد ۲۶۶		۹۸۔ جلد ۲۷۶	
۸۹۔ جلد ۲۶۷		۹۹۔ جلد ۲۷۷	
۹۰۔ جلد ۲۶۸		۱۰۰۔ جلد ۲۷۸	

اشہر ایچا خانہ حکیم محمد سلجی ایچ سیر و دلگداز نثر و نثر نگاران

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب مرحوم مغفور
کی یادگار
رسالہ

دلگداز

جلد ۳

بابت ماہ اپریل ۱۹۳۵ء

نمبر ۳

مرتبہ

محمد صدیق حسن ابطیٹر

باہتمام

حاکم حکیم محمد سراج الحق مینجراؤر پرنٹر و پبلشر ڈلگداز

دلگداز پریس فیکٹری محلہ بزرگ سبکچان مین

چھپ کے شائع ہوا

کافرانہ دین الہامین لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

آپ ایک خوش مزاج کے تو بنیں

عطر کے لئے لکھنؤ مشہور ہے۔ مگر انیسویں صدی کے عطر وہاں کو نہیں بلکہ برصغیر کی ہر ایک دکان کے آگے دیکھ کر دل خفا ہے۔ ان میں غریبوں کو اعلیٰ عطر بھی ملتا ہے۔ ہر ایک کے لئے خوشبو کی ضرورت ہے۔ اور بعض شہنائی دکانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ یہ کمال دو کو ادھم بھیجتے ہیں۔ عام خدایاں کہہ کے کہنے دہریا ہو کہ باہر کے جو مطلب فراموش ان کے لئے عطر و مستند کا خزانہ کے عطر اعلیٰ بیچ کے تیل فروغ خاص طرح پر ہتھام کر کے ال بخوبی خارج کے اور بیجا بیچ کر کے دوا کر دیا کریں جس کا بہت اچھا اور قابل طریقہ الی نظام کیا گیا ہے۔

عطر کے شائق

ایک ادا تھا لکھنؤ کو یہ لیکن پھر یہ سے انھیں کیا اچھا عطر اور کین دکانوں کو ملتا ہے

عطروں کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر عروس فیتول	عطر پانی فیتول	عطر پانی فیتول	عطر پانی فیتول
برگستا	بیلہ	بیلہ	بیلہ
دانت بوج	عطر مدبرگ	عطر مدبرگ	عطر مدبرگ
سنگ	جہیز	جہیز	جہیز
ہنگری	شکرہ	شکرہ	شکرہ
مق پانی	جہیز	جہیز	جہیز
پانی	سینک	سینک	سینک
روح محمد پانی	گرونی کنہ	گرونی کنہ	گرونی کنہ
شہناز	ناگیر	ناگیر	ناگیر
محبوب پند	مخلوط عطر	مخلوط عطر	مخلوط عطر

خوشبودار تیلوں کی فہرست ملاحظہ ہو

دھن چلی کی برہم، لہر، عار، دھن بیلہ کی برہم، لہر، عار، دھن کپڑا کی برہم، لہر، عار، دھن جٹا کی برہم، لہر، عار

اعلیٰ درجہ کا خوشبودار عطر باخترہ تیل

دردہ بنائو شکی کی برہم، لہر، عار، قوام شکی فیتول، عار، گولیاں تہا شکی فیتول، عار، ایضا زعفرانی، عار، ایضا زعفرانی، عار، قمرنی فیتول، عار، قمرنی فیتول، عار، قمرنی فیتول، عار

نوٹ:۔ دھواں آئے ہی دھواں آئے، امانت دھواں آئے، امانت دھواں آئے، امانت دھواں آئے

پاکستان حکیم محمد علی خان، نیکو دکان، لاہور، پاکستان



زنان ترک کا حمام

ترکی عورتوں کا حمام میں جانا دہان غسل کرنا کپڑے بدلنا لطف و مذاق میں دقت صرف کرنا بہت دلچسپ داستان ہے اس لیے مختصر حال و دہان کا ناظرین کے پیشکش کیا جاتا ہے۔

قسطنطنیہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک عظیم الشان حمام ہے یہ حمام آغا حمام کے نام سے مشہور ہے بیان پر اعلیٰ طبقہ کی عورتیں غسل کرنے کی غرض سے جاتی ہیں کچھ یہ بات نہیں ہے کہ ان عورتوں کے بیان حمام نہ ہوں صرف اس سبب سے دہان جاتی ہیں کہ اپنی بھینس اور اپنی ہمیں دوست عورتوں سے ملاقات ہو اور ہوساکی کا لطف حاصل ہو اکثر عورتیں مع اپنی جوان لڑکیوں کے جاتی ہیں۔ دہان پر ان کی شاہ بیاہ کی نسبتوں کا چرچا کرنے کا خوب موقع ہوتا ہے۔ ان شریف اور رئیس عورتوں کے ساتھ جیشی لونڈیاں یا خواجہ سرا دیرہ ہوتے ہیں ہر قسم کا سامان آرائش ساتھ ہوتا ہے حمام کی عمارت نہایت نفیس بنی ہوئی ہوتی ہے پہلے کمرے میں اپنے اپنے کپڑے اتار کر الگ کرتی ہیں صرف ایک شفاق چادر باندھ کر حمام کے اندر داخل ہوتی ہیں۔ اور اندر پہنچ کر اس چادر کو بھی انک بھینسکتی ہیں۔ اور سنگ مرمر کی چادر دن پر جو حمام کے اندر ڈھال رکھی ہوتی ہیں لیٹ جاتی ہیں۔

دو ہٹا ہوا لیان ہر عورت کے حصہ میں آتی ہیں ایک تو جسم کے بالائی حصہ کی صفائی میں مصروف ہوتی ہے دوسری حصہ زیرین کا چارج لیتی ہے ایک قسم کا صابون ہوتا ہے جس کو وہ ان پلوئٹے میں بدن ملنے میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر بالوں اور چہرے کے واسطے اور ہر قسم کے

صابون صرت میں آتے ہیں۔ ہنلانے والی عورتیں بعض تو گورے رنگ کی ترکین ہوتی ہیں اور بعض جیشٹن ہوتی ہیں۔

جب تمام بدن کی مالش اچھی طرح ہو چکتی ہے مختلف خوشون کی تلیان کھول دی جاتی ہیں۔ ان میں سے خوشبودار پانی ان عورت کے صاف اور شفاف جسم پر جو سنگ مرمر پر بدن کے مکڑون کی طرح غلطان ہوتی ہیں جاری ہوتا ہے۔ اس آب

روان سے بدن پر جس قدر صابون کا پھینا اور میل ہوتا ہے سب دھو جاتا ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے حوض سے خوب گرم پانی لے کر آہستہ آہستہ اپنے بدن پر ڈالتی ہیں یہ پانی اس قدر گرم ہوتا ہے کہ بھر تر کی عورتوں کے جو حمام میں ہوتا

کی عادی ہوتی ہیں یہاں کی عورتیں برداشت نہ کر سکیں ان تمام کا ہونے کے دسیان یہ عورتیں زور و شور کے قہقہے لگاتی ہیں اور کسی قسم کا مذاق اٹھا نہیں رکھتی ہیں۔

دھلانے وقت اگر کہیں آنکھوں میں صابون لگ گیا تو بس غضب ہو گیا۔ ہنلانے والی

کو ایسی لات جڑتی ہیں کہ اسی سے پوچھنا چاہیے۔ گوری کالی ہر رنگ کی عورتوں

کا جھگٹ ہوتا ہے تو نو برس کی حسین و ملائم بدن کی لڑکیاں بھی اس غسل خانہ میں

ہوتی ہیں کیونکہ اس سن کی لڑکیاں وہاں عورتوں میں شمار کی جاتی ہیں اور ان

کو سوسائٹی کی تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

منجملہ اور خوشون کے ایک بہت بڑا حوض ہوتا ہے اس میں یہ عورتیں کیا رنگی

کو دکر جیسے بہت سے مرد دریا میں نہاتے ہوں اسی انداز سے نہاتی ہیں اور

وہ ہنسی دل لگی ہوتی ہے کہ حد و حساب سے باہر ہے۔ جب نہانے اور کھیلنے سے

جی بھر جاتا ہے تو وہیں سنگ مرمر کی چٹانوں پر بیٹھ کر حاضری طلب کرتی ہیں خدا

تو تیار ہی رہتے ہیں فوراً سب چیزیں حاضر اسی بہنہ حالت میں کہ بجز سیاہ لمبے

بالوں کے اور کوئی شے ان کے چہرہ کا نقاب نہیں ہوتی ہے۔ خوب سیر ہو کر

کھا چکتی ہیں تو تھوڑی دیر کے واسطے پھر بڑے حوض میں گھاگھو کو دپٹی ہیں۔

اور پھر ہنسی مذاق کی بازیان کھیل کر نکلتی ہیں اور سدھی پوشاکی پہننے کے کمر

میں جاتی ہیں۔ وہ مخصوص حمام آنے کے بعد پہننے کا جامہ زیب تن کر کے چہرہ

پر مچھتی ہیں جن کو چہرے سے شوق ہے وہ اس سے تھوڑی دیر کی کیفیت

حاصل کرتی ہیں ورنہ قہوہ یا چائے تو سب پیتی ہیں۔ اسکے بعد مشاطہ اگر حاضر ہوتی ہے۔ اول مشاطہ کا کام صرف بالوں کی درستی ہے۔ ہاتھ اور پارچہ سے نہایت ملائمت سے بالوں کو خشک کرتی ہے۔ بعدہ دو لٹون میں تقسیم کرتی ہے۔ مگر بعض عورتیں پشت پر کھلے ہوئے بال آویزاں رکھتی ہیں اور ایسی عمدہ خوشبو ان سے نکلتی ہے کہ دماغ معطر ہو جائے۔ جب زلفوں کی مشاطہ کا کام ختم ہو جاتا ہے دوسری خادمہ نہایت خوشبودار مہن اور بُرش ہاتھ میں لے کے پہنچتی ہے چند منٹ میں یہ بھی اپنے ڈیوٹی سے فرصت پا جاتی ہے۔ تبا قیسری قسم کی مشاطہ حاضر ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں سرسہ دانی اور چند اقسام کے خوشبودار روغنوں کی شیشیاں ہوتی ہیں آنکھوں کو خوب خوشنما اور چمکیلی بنا کر خساروں کا حسن بھی معطر غانہ سے دوبالا کر کے افشان کارنگ جاکر مشاطہ بھی الگ ہو جاتی ہے۔ ان آرائشات سے فراغت کر کے سیر بازار کا لباس طلب کیا جاتا ہے جو کہ نہایت قیمتی اور خوبصورت پارچوں سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس لباس کے ساتھ اولاً ایک نفیس کرتہ پہنتی ہیں اسکے بعد پانچامہ جسکی مہربان بہت لمبی اور چوڑی ہوتی ہیں میان تک کہ ٹخنوں کے قریب ایک بند سے باندھنے کی حاجت ہوتی ہے اس لباس کے اوپر ایک اور جامہ پہنتی ہیں اس میں صرف دو تین بٹن شل کے اوپر لگتے ہیں۔ حد بالکل کھلا رہتا ہے۔ اس جامہ کے دامن چھیل کر ایک عجیب خوشنما قطع پیدا کرتے ہیں۔ مثل یورپین لیڈو کے یہ کوئی بالائی کمر بند استعمال نہیں کرتی ہیں بلکہ بجائے اس کے نہایت نفیس شال دو تین پیچ دیکر کمر میں باندھتی ہیں ایک سر اس شال کا سامنے لٹکتا ہوتا ہے جو عورتیں شال نہیں استعمال کرتی ہیں وہ جاکٹ کی طرح ایک صدری پہنتی ہیں اس میں بھی صدر کھلا رہتا ہے۔ تحت صدر سے ناف تک البتہ ملائی یا تقری یا جواہرات کے بٹن جڑے ہوئے ہوتے ہیں جن کی آب و تاب سے آنکھیں تملاتی ہیں اینچویشن کے موافق اچھی طرح لباس ہائے نفیس اور بیش بہا سے اس طور پر بن گئے کہ عورتیں زیورات کی فرمائش کرتی ہیں۔ اس آرائش میں بہت سی چیزیں نہیں ہیں عموماً کانوں میں بالیاں بہت ہوتی ہیں اور ہاتھوں میں کنگن۔ انگلیوں میں طلائی انگشٹیاں جن میں یا قوت اور ہیرے وغیرہ قیمتی جواہرات نہایت حسن و خوبی سے جڑے ہوئے ہیں۔

جب اس بناوٹ سے بھی فراغت ملتی ہے یہ ترکیبیڈیان سیر و تفریح کے واسطے بالکل تیار ہوتی ہیں سر پر صرف ایک قسم کی کلاہ رکھنے کی دیر ہی رہتی ہے یہ کلاہ اسکاچی قطع کی ہوتی ہے۔ رنگ سُرخ۔ سبز یا زرد ہوتا ہے طرح طرح کے چمکدار جواہرات لگے ہوتے ہیں۔ اس بناؤ سنگار سے حمام سے برآمد ہو کر اپنے چہرہ پر ہر دسمک یعنی برقع ڈال کر یہ عورتیں سیر بازار کو نکلتی ہیں اس وقت ان کا حسن و زیب قابل دید ہوتا ہے۔ برقع کے سبب سے خوبی اور طرح واری اور بڑھ جاتی ہے۔ ورنہ بغیر اس کے شاید بعض ترکین معمولی عورتیں معلوم ہوں گی۔

تصویر نم

اس جن سے مٹ گئے کب کے نبال آرزو
باعث اندوہ و حیران ہے کمال آرزو
اب دل غمگین ہے یارِ رخ و طلال آرزو
دیدہ دل محو دیدارِ جمال آرزو
وہ دل مجروح من نورِ بیتال آرزو
اور پھر وہ شعلہ برقِ جلال آرزو
اسے جدائی کیا نہو گا پھر وصال آرزو
مین نہ مٹ جاؤں تو سچائے دلِ ناکام آہ!

لطف گیرِ رنج ہوں لذت کشِ تعزیر ہوں
محیطِ آفاتِ عالم غمزدہ، و لکیر ہوں
بیکسی کا ہوں مرتعِ یاس کی تصویر ہوں
بخت ہوں بگڑا ہوا پھوٹی ہوئی تقدیر ہوں
نالہ بے سود ہوں فریاد بے تاثیر ہوں
قصر ہوں ٹوٹا ہوا، اڑی ہوئی تعمیر ہوں
رنج و غم کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہوں

کھل گئے دل میں گل و داغِ طلال آرزو
رفتہ رفتہ حسرتوں نے یہ سبق مجھ کو دیا
وہ امنگین مٹ گئیں وہ ولولے جاتے رہے
وہ بھی کیا دن تھے الہی ہاے جب ہر وقت تھا
وہ تمناؤں کے جلوے وہ امید کا فروغ
ہاے وہ آنکسی کے روبرو نور کا خیال
اسے دل مجروح نہ رہا کیا یونینِ تنقِ الم
ایک مشت خاک اس پر یہ غم و آلام آہ!

مین ازل سے محو ذوقِ نالہ شبگیر ہوں
آتشائے درد و غم، منت کش جو در دستم
بیکسِ رنج و مصیبت! ہیکلِ درد و محن
کایا بی سیری ناکامی سے رطقتی ہے بگاڑ
یشون بیفائدہ سمجھ کہ آؤ مارا
کوئی دیکھے تو سہی سیری شکستہ حالیاں
کون ہوں کیا ہوں؟ سو اس کے تباؤں اور کیا

کہا کوئی مجھ سا بھی ہو گا عاشقِ صادقین (نیکین سوردنوی)
آتشائے عشق یہ ہے احسرتیں بھی مٹ گئیں

دین

بعض اوقات جیسا ہم دوسروں کی شکایت کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں اسوقت ہم نامس کمسن کا یہ قول نہ بھولنا چاہیے کہ "جب آپ خود اپنے یقین ویسا نہیں بنا سکتا جیسا کہ تو چاہتا ہے تو تو اپنی بات کی کجی کر سکتا ہو کہ دوسرا شخص تمام باتوں میں تیری خواہش کو مطابق ہو جائے"

اور اگر ہم شکایت کی صحیح وجہ رکھتے بھی ہوں تو جس طرح ہم دوسروں سے معافی کی امید کرتے ہیں ویسے ہی ہمیں بھی معاف کرو دینا چاہیے اور ایک ہی بار نہیں بلکہ ہر بار اس جو اسی کی تجویز کے مطابق "سات بار نہیں بلکہ ستر تیرہ سات سات بار" حضرت محمد مصطفیٰ (صلعم) فرماتے ہیں "تم میں سے کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک اپنے بھائی (انسان) کے لیے ادھی نہ چاہے جو خود اپنے لیے چاہتا ہے" اکثر طبائع پر بمقابل مسرت کی امید کے تکلیف کا اندیشہ زیادہ اثر کرتا ہے کہ فیور شام میں ایک قبر پر یہ عجیب پرانا کتبہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "جس کسی نے اس شخص کو اپنے دل میں یہ لحاظ کر کے دیکھا ہو گا کہ اس کا بچھونے سے گڑھے میں اور پھر گڑھے سے ایسے تکلیف کے مقام میں جانا جہاں کی تکلیفیں کبھی ختم ہونے کو نہ آئیں گی کس قدر سخت تھا وہ شخص اگر ساری دنیا کی دولت مل جائے تو بھی کبھی گناہ میں مبتلا ہونے کی جرأت نہ کرے گا"

ہمیں نہ وعدے سے غافل ہونا چاہیے اور نہ وعدہ کو حقیقت تصور کرنا چاہیے **انجیل یوحنا** میں ہے "تاہم روشنی ٹھوڑی دیر کے لیے تمھارے ساتھ ہے اور اسی روشنی میں تمھیں جان جانا ہے چلے جاؤ ایسا نہ ہو کہ اندھیرا گھپ ہو جائے کیونکہ جو اندھیرے میں چلتا ہے اسے خبر نہیں ہوتی کہ کدھر جا رہا ہوں"

انجیل مین یہ بھی ہے "ہر وہ شخص جو میری باتیں سن رہا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اس بیہودہ شخص کے مانند ہو گا جس نے بالو پر اپنا گھر بنایا اور پیٹھ پر سا اور سیلاب آیا اور ہوا چلی اور اس مکان کو پیٹھ پر دیے اور وہ گر پڑا اور اس کا گھر ناک امر عظیم تھا" لیکن بخلاں اس کے جو شخص ساری ان باتوں کو سنتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے اسے میں اس عاقل شخص کے مثل سمجھتا ہوں جس نے اپنا مکان ایک چٹان پر بنایا اور پیٹھ پر سا اور سیلاب آیا اور ہوا چلی

اور اس گھر کو تھیسٹر دے دیے۔ اور وہ نہیں گرا۔ کیونکہ اس کی بنیاد چٹان پر رکھی گئی تھی۔“

اور سب سے زیادہ افسوس اس شخص کے حال پر ہے جو اردو ن کو اور رخصتہ نوجوانوں کو گمراہ کرتا ہے۔“

مستی کی انجیل میں ہے: ”گو یہ خیر ممکن ہے مگر پھر بھی ایسے گناہ ہوں گے لیکن افسوس ہے اس کے حال پر جس کے ذریعہ سے گناہ ہوتا ہے اس کے لیے بہتر تھا کہ ایک چلکی کا پاٹ اُس کے گلے میں لٹکا دیا جاتا۔ اور وہ سمندر میں ڈال دیا جاتا۔ بہ نسبت اُس کے کہ اُن کمین لوگوں کو وہ گنگنا رہ جاتا۔“

لوتا کی انجیل میں ہے: ”انسان کو کھیل جائے گا اگر وہ ساری دنیا حاصل کر لے اور خود اپنی جان کو ہاتھ سے کھودے؛ یا انسان اپنی جان کے معاوضہ میں کیا دے گا؟“

گو ہم نے کتنے ہی گناہ کیے ہوں مگر کتب آسمانی کا فقرے کے بعد فقرہ اور وعدے کے بعد وعدہ ہمیں مایوس ہونے سے منع کرتا ہے۔ دین سچی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ”ایک امید کا مذہب ہے“ مگر قرآن مجید میں بھی خدا ہی نہیں فرماتا کہ ”اسد کی رحمت نیکو کاروں قریب ہی ہے“ بلکہ یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ ”رحمت الہی سے ناامید نہ ہو“ وعدے اور وعید دونوں حیثیتوں سے قرآن دیگر کتب آسمانی سے بڑھا ہوا ہے۔

مگر ہمیں رسلے کے خیال کے مطابق خوف ورجاء کو عقلمندی کے ساتھ لون جمع کرنا چاہیے کہ جو کوئی موت اور روز جزا کا اور جنت و دوزخ کا اکثر خیال کرتا ہے وہ یقیناً اچھا ہے۔“

خدا سے بدتر قرآن مجید میں کہتا ہے ”بڑا برکت والا ہے وہ خدا جس کے ہاتھ میں ملک ہے۔ وہ سب چیزوں پر قادر ہے۔ اور وہی ہے جس نے موت و زندگی کو پیدا کیا۔ تاکہ تمہیں آزمائے“ کہ تم میں سے کس کے اعمال اچھے ہیں۔

مگر لوگ راہ راست کی بہ نسبت گمراہی کو زیادہ آسانی سے اختیار کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ جو حساب دینے کے اندیشوں کی تحقیر کرتے ہیں ان پر فرشتہ

کے اس قول سے حتی آشکارا ہو جائے گا کہ ”دس منٹ جو مسیح کی صحبت میں صرف ہوں بلکہ دس منٹ بھی اگر اسے یہ کیفیت حاصل ہو کہ چہرہ مسیح کے چہرے کے سامنے ہے اور دل مسیح کے دل سے ملا ہوا ہے تو یہ کیفیت اس کی زندگی کو کچھ اور رہی بنا دے گی“

مسیح کی صحبت سے مراد ان کی نصیحتوں پر دل لگانا اور کار بند ہونا ہے اُس کے مطابق فارسی کا یہ مقولہ ضرب المثل ہو گیا ہے کہ کیم باخدا بودن از ملک سلطانی“ اس کا خیال کرو کہ اچھا کون کام ہے۔ پھر تم کوئی بڑا کام نہ کرو گے۔ انجیل کے نامہ فلیپین میں پرتجنی باتیں سچی ہیں جتنی باتیں دیانت داری کی ہیں جتنی باتیں منصفانہ ہیں۔ جتنی باتیں پاک ہیں۔ جتنی باتیں پسندیدہ ہیں۔ جتنی باتیں خوش خبری کی ہیں اگر ان میں کوئی خوبی ہو اور اگر وہ کسی تعریف کے قابل ہوں تو ان کو خیال کرو۔ جب تک بار بار انہیں ہون کا ارتکاب خیالات میں نہ ہوئے اعضا سے نہیں ہوتا۔)

سنیکا کا قول ہے ”خدا سے کوئی ایسی چیز نہ مانگو جس کی نسبت تم پسند نہ کرو کہ انسان کو اس کی خبر ہو جائے۔ اسی طرح انسان سے بھی کوئی ایسی چیز نہ چاہو جس کی نسبت تم پسند نہ کرو کہ خدا کو اس کا علم ہو جائے“ لیکن جب ہم خیال کریں کہ زمان و مکان کی غیر محدود و فضا میں ہم کیسی تھوڑی اور غیر متعین زندگی رکھنے والے مخلوق ہیں تو اسپنس کے ساتھ شریک ہو کے ہم بھی سوال کر سکتے ہیں کہ ”کیا جنت میں بھی فکر ہوگی؟ کیا آسمانی روحوں میں دنیا کے ان ادنیٰ مخلوقوں کی محبت ہے؟“

حضرت داؤد کی زبور میں کیا خوب کہا گیا ہے کہ ”جب میں تیرے آسمانوں تیرے انجلیوں کے کاموں چاند اور تاروں کا خیال کرتا ہوں تجھ تو نے آراستہ کیا ہے تو انسان کی کیا اصل و حقیقت ہے کہ تجھے اُس کی فکر ہو یا ابن آدم کی کیا حقیقت ہے کہ تو اس سے آگے لے؟“

لیکن کالہج کے جواب میں یہ تسلی ہے کہ ”انسان اگر کپارے کا تو وہی اُس کی مدد کریں گے۔ کیونکہ یہ نیلا آسمان سب کے سروں پر چھکا ہوا ہے“

لیکن یہ بعد کی مشرکانہ سمجیت ہو جو دیون سے فریاد رسی کراتی ہے۔ ورنہ اسلام کی طرح مسیحی اور حقیقی مسیحیت کی تعلیم میں "خدا کے سوا کوئی فریاد رس نہیں خدا قرآن پاک میں کہتا ہے "کون ہو جو بقرار کے فریاد کرتے وقت اُس کی فریاد رسی کرتا ہے؟ اس سے مصیبت کو دور کرتا ہے؟ تھیں زمین کی دراشت دیتا ہے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ نہیں بلکہ یہ لوگ جاہل ہیں اور اسی حکم کی پابندی میں ہر مسلمان نماز پڑھتے وقت ہر رکعت میں اس اقرار کی تکرار کرتا ہے کہ ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

کیا مٹی کی انجیل میں وعدہ نہیں کیا گیا ہے کہ "انگو تھیں لے گا۔" وہو پاؤ گے دروازہ کھٹکھاؤ وہ کھلے گا۔ یوحنا کی انجیل میں بھی ہے "تم میرے نام سے جو چاہو گے وہ میں کروں گا۔" نیز انجیل میں ہے "اگر تم مجھ میں رہو گے اور میرے لفظ تم میں رہیں گے تم جو چاہو گے مانگو۔" گے اور میں تمھاری آرزو کے موافق کروں گا۔" اللہ جل شانہ کی نسبت بتایا گیا ہے کہ "سارے دل اُس پر آشکارا ہیں۔ اور وہ سب کی مرادوں کو جانتا ہے۔" یعنی وہ کسی غمزدہ دل کی آہ سرد کو یا کسی حسرت نصیب کی آرزو کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ خلاصہ یہ کہ "تم اپنی ساری فکر و ن کو اس کے سامنے پیش کر دو کیونکہ اُسے تمھاری فکر ہے۔"

ہمیں یہ نہ چاہیے کہ اپنی کاپی کی عیب پوشی کے لیے نظر اوپر اٹھا کے دیکھیں اور امید دار ہوں کہ خدا چھڑکھاڑ کے دے گا۔ خدا نے اگرچہ مدد ہی کا وعدہ نہیں کیا ہے بلکہ یہ بھی فرمایا ہے جسے سینٹ جیمس ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے۔ "جب تک خدا بنا نا چاہے مکان بنانے میں اُن کی (لوگوں کی) محنت اکارت ہو۔ اور جب تک خدا نگہبانی نہ کرے زبان جو شہ کی رکھوالی کر رہے ہیں بیکار ہی محنت کرتے ہیں۔ ہر چھی برکت اور ہر کامل برکت اوپر ہی سے ہو۔ جو اُس نورالانوار کے پاس سے آتی ہے جس میں نہ کسی شتم کا تغیر ہے اور نہ کسی انقلاب کا کوئی اثر ہے۔" مسیحیت اس جانب نہیں بلاتی ہے کہ دوسرے عالم کے سنبھالنے کی فکر یا اس

دنیا کو رہان کر دو۔ بخلاف اس کے وہ تعلیم دیتی ہے کہ جس چیز کا علم دیا گیا ہے اس پر انقست کرنا اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا شوق رکھنا تمھاری آرزو و دلون جو

کی مسرت کو ترقی دے گا۔ دنیوی عقلندی اور آسمانی عقلندی میں کوئی حقیقی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ مذہب ہماری ہر روز کی زندگی کو متبرک بنا رہا ہے۔
 ہمیں اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اصلی مسیحیت اور حضرت مسیح کی سچی تعلیم دین کے لیے دنیا کو نہیں بھڑاتی ہیں مگر قرون وسطیٰ کی رہبانیت اور پوپ کے احکام و اعمال نے دنیا کو باور کروا دیا تھا کہ ترک دنیا ہی میں مذہب ہی ترقی ہے۔ اور راہبوں اور نون کے لیے فرض تھا کہ نہ شادی کریں نہ اچھا کھائیں نہ اچھا پہنیں چنانچہ اسی خیال کے مٹانے کے لیے اسلام آیا جس کا دعویٰ ہے کہ دین میں رہبانیت نہیں ہے اور ہر دیندار شخص شرعی اعتدال کو قائم رکھ کر ہر قسم کے دنیوی لطف اٹھا سکتا ہے۔

بیکل کہتا ہے "ہمیں ضرورت نہیں ہے کہ گوشہ نشینی کی خانقاہ کے لیے اپنی پرورش اور اپنے کاروبار کو خیر باد کہہ دیں۔ یہ گرد و پیش کی خفیف چیزیں یہ عام قسم کے کام کاج ہم کو کچھ مانگنا چاہیں ہمیں دین گے۔ اپنے کو بھول جانا ہی ہمارے لیے وہ شرک بنائے گا جس پر پل کے ہم روز بروز خدا سے نزدیک ہوتے جائیں گے۔"

انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت مسیح نے اپنے حواریوں سے فرمایا "میں تجھ سے اس بات کی خواہش نہیں کرتا کہ تو انھیں (لوگوں کو) اس دنیا سے باہر نکال لے جا۔ بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ تو انھیں بُرائی سے بچا۔"
 اقلاطون، ارسطو، ایکسٹین، سنیکا، مرقس اور یس سب کی تعلیم میں شریفانہ اخلاق موجود ہیں۔ مگر مسیحیت کی تعلیم جیسی آسمانی کتابوں میں ہے نہیں ہے۔

حضرت مسیح نے بجا فرمایا ہے کہ "میرا مذہب ایک نیا مذہب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "میں تم کو ایک نیا حکم دیتا ہوں وہ یہ کہ تم ایک دوسرے کی محبت و مہربانی میں رہو جیسی جہاں تم ہر ایک دوسرے کے ساتھ رکھو۔ اسی بھان سے تمام لوگ جانیں گے کہ تم میرے شاگرد ہو۔ اگر تم میں باہم محبت ہے تو میرے شاگرد سمجھے جاؤ گے۔"
 یہ بھی فرمایا جو انجیل یوحنا میں موجود ہے کہ "یہ چیزیں میں نے تم سے

کمی ہیں تاکہ میں تم سے خوش رہوں۔ اور تمہیں پوری مسرت حاصل رہے۔ یہ میرا حکم ہے کہ جس طرح میں نے تم سے محبت کی ہے اُسی طرح تم باہم ایک دوسرے سے محبت کرو۔ انسان اس سے زیادہ محبت نہیں کر سکتا کہ ایک شخص دوستوں کے لیے اپنی جان دیدے۔ تم جب باہمی میرے دوست ہو جب میرے حکم پر عمل کرو۔ اس وقت سے میں تمہیں خادم نہ کہوں گا۔ کیونکہ نوکر کو نہیں خبر ہوتی کہ اس کا آقا کیا کرتا ہے بلکہ میں نے تمہیں اپنا دوست بنایا ہے۔ کیونکہ میں نے وہ تمام چیزیں جو اپنے باپ سے سنی ہیں تم پر آشکارا کر دیں۔“

دین مسیحی کی آمد پر حسب بیان انجیل لو تو ظاہر کیا گیا تھا کہ ”یہ دین طار اعلیٰ میں رحمت الہی۔ زمین پر امن و امان۔ اور انسان کے حق میں بھلائی ہے۔“ جناب مسیح نے حضرت موسیٰ کی تعلیم سے خاص طور پر اخلاف کر کے اس بات کو دہرا کر ارشاد فرمایا کہ ”دشمنوں کے ساتھ بھی محبت اور معافی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔“

چنانچہ انجیل مستی میں آپ کا یہ قول موجود ہے ”تم نے سنا ہو جو کہا گیا ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے محبت کر۔ اور اپنے دشمن سے نفرت کر۔ مگر میں تم میں یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔ جو تمہیں گالیوں دین اُٹھیں دعائیں دو۔ جو تم سے نفرت کریں ان کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور جو تمہاری حقارت کریں اور تم پر جور کریں ان کے لیے بھی دعاے خیر کرو۔ تاکہ تم اپنے اُس باپ (خالق) کے فسرز ند بن سکو جو آسمان پر ہے اس لیے کہ اس نے اپنے سورج کو اس لیے بنایا ہے کہ رُعب بھلے دونوں پر چمکے۔ اور حق و باطل دونوں پر سینھ بڑھاتا ہے۔ کیونکہ اگر تم اُٹھیں لوگوں سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتے ہیں تو پھر انعام کس بات کا؟ کیا عام لوگ بھی ایسا ہی نہیں کرتے ہیں۔ اور اگر تم فقط اپنے بھائیوں کو سلام کرو تو تم دوسروں سے بڑھ کے کون سی بات کرتے ہو؟ کیا عام لوگ بھی ایسا ہی نہیں کرتے ہیں؟ لہذا تم مکمل بنو جیسا کہ تمہارا باپ جو آسمان پر ہے مکمل ہے۔“

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ مشکوک رجحان اور فکروں سے ضرور

سابقہ پڑے گا۔ مگر یہ سمجھ کے کہ ”رنجون سے صبر۔ صبر سے تجربہ۔ اور تجربہ سے امید پیدا ہوتی ہے“ ہمیں رنجون پر بھی خوشی منانی چاہیے۔ اور ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ ”اس موجودہ زمانے کی مصیبتیں اُن بکثرتوں کے مقابلہ میں جو حکیم پر ظاہر ہوں گی کچھ بھی نہیں ہیں“ اور اس کا بھی یقین دلایا گیا ہے کہ ”جو چیزیں خدا نے اُن لوگوں کو دیے جو اس سے محبت کرتے ہیں“ ہمیں یہ بتا کر رکھی ہیں ”یہ کسی کا نہیں ہے“ اور نہ کبھی کسی انسان کو دی گئی ہیں“ ایک نے لٹس لٹس کہا ”تمام دوسری مسرتوں کے مقام پر اس مسرت کو قائم کر دو کہ تحقیق اس بات کی جس سے کہ تم خدا کی فرمان برداری کر رہے ہو۔ اور نیز اس بات کی کہ صرف لفظوں میں نہیں بلکہ حقیقی طور پر تم ایک عقلمند اور اچھے آدمی کے سے کام کر رہے ہو“ مگر باوجود اس کے لوگ اپنے دین کے لیے کس قدر کم کام کرتے ہیں۔ بقول **فردوس** کے وہ اس کے لیے جھگڑے میں پڑتے ہیں۔ اس کے لیے لڑتے ہیں۔ گالیوں دیتے ہیں۔ پڑوسیوں کو ستاتے ہیں۔ اُنھیں آگ میں جلاتے ہیں۔ بیان تک کہ منہ بک کے لیے خونریزی کرتے ہیں۔ اپنی جائیں صرف کرتے ہیں۔ غرض سب ہی کچھ کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں کرتے کہ اس کی تعلیم کے مطابق عمل کریں۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو اس کی کوشش بھی کرتے ہوں“

ٹامس آف کم پس کہتا ہے ”ایک تھوڑی سی رقم یہ ایک لمبا سفر اختیار کر لیا جائے گا۔ مگر ابدی زندگی کے لیے اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ کبھی شاذ و نادر ہی اُنھوں نے قدم بھی اٹھایا ہو گا“ دوسری جگہ کہتا ہے ”کھو۔ پڑھو۔ اتم کرو۔ خاموش رہو۔ عبادت کرو۔ جو انفرادی کے ساتھ تکلیفوں کو برداشت کرو۔ ابدی زندگی اس قابل ہے کہ اس کے لیے سب باتیں کی جائیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کے سخت میدان فتح کرنا پڑیں“ اور پھر خیال تو کرو کہ کس قدر کم ذمہ داریاں ہمارے ذمہ عائد کی گئی ہیں“

میکاہ نبی کی کتاب میں ہے ”خدا تجھ سے کیا چاہتا ہے؟ صرف یہ کہ سلامتی کی راہ چل کر دم کو دوست رکھ۔ اور اپنے خدا کے ساتھ عاجزی کے ساتھ چل“ لیکن اگر یہ بھی ہوتا کہ ہم سے بہت زیادہ باتوں کی خواہش کی جاتی۔

عہد میں کلام اسلہ۔ انجیل۔ عہد مرسلہ اہل کورنٹھ۔ انجیل۔

بڑی بڑی قربانیان چاہی جاتیں۔ ہم سے کہا جا۔ کہ دنیا کی تمام چیزوں کو ترک کر دو تو بھی کیا تھا؟ زندگی کس قدر تھوڑی ہے؟ یہ میرا منٹ اپنی نظم میں کہتا ہے۔

”جس طرح سایہ سورج ازربدی سے گرمیوں کی گھاس پڑیٹا مادہ بھاگتا۔ چلا جاتا ہے۔ ویسے ہی اس خداے واحد جل جلالہ کی نظر میں زمین کی تسلیں گزری جلی جاتی ہیں۔ اور جس طرح برس جن کے آنے کا سلسلہ نامتناہی ہے۔ آتے اور ترسیں سے گزر جاتے ہیں۔ ویسے ہی اس دور سن نام جن پر زمین کو ناز ہر چمکتے اور فائز ہو جاتے ہیں“

بیشک ہمیں بقول تھوڑے رو کے صحیح معنوں میں یہ کہنا چاہیے کہ ”میں ایسا ہونے کی کوشش کروں گا کہ گویا کو میرے ساتھ ہی تھا۔ میں جس راہ میں قدم اٹھاؤں گا وہ تیرے ہی لیے ہوگی“

ایسا جو خدا آپ ہی اپنا اجر ہے۔ کیونکہ دین کے وعدے اس دوسرے عالم ہی تک محدود نہیں ہیں وہ نہیں اور اسی وقت اور فوراً ہی پورے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک شخص کے قبضہ میں خود اپنی روح کے اندر آب حیات کا ایک کنواں موجود ہے اس کا بس اس قدر کام ہے کہ اسے پاک و صاف رکھے۔

اسکاٹ کہتا ہے ”فانی لوگوں کو بعض ایسے جذبات دیے گئے ہیں کہ ان میں بمقابل آسمانی ہونے کے دیہوت بہت کم ہے“

سرسر بہت سچ کہتا ہے ”اگر یہ سچ ہے کہ نیکو کار آدمی کے سوا کوئی خوش نہیں ہے اور یہ کہ سارے نیکو کار سرور زمین آسمان کے سوا کون چیز نشو و نما دینے کے قابل ہو سکتی ہے؟ یا یوں کہا جاے کہ نیکی سے زیادہ کون چیز ربانی ہو سکتی ہے؟“

گویا بالکل سچ ہے کہ اس کا یقین کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ انسان اپنے نکل سے زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالے گئے ہیں۔ دراصل ”خدا عادل ہے۔ وہ تمھاری برداشت سے زیادہ آزمائش میں تمھیں نہ ڈالے گا۔ کسی بُرے کام کی رعبت کے ساتھ وہ اس سے بچنے کا ایک راستہ بھی تمھارے لیے پیدا کر دے گا۔“

اور وہ ایسا ہو گا جسے تم پر داشت کر سکو“

”اچھا انسان ایسا ضعیف ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اس پر نظر رکھو اور دعا کرتے رہو کہ تم خواہشات نفسانی میں نہ پڑ جاؤ۔ روح بے شک تمہارے روکنے پر آمادہ ہے مگر گوشت کمزور ہے“

ہمارا ارادہ یہی رہنا چاہئے کہ اپنے آپ کو درجہ کمال پر پہنچائیں۔ ویسا ہی جیسا کہ ہمارا باپ (خالق) جو آسمان میں ہے مکمل ہے اور اس کا اجر فزائے گا۔ اور بے حساب ملے گا۔ ہمارے بہت سے مشکلات خود ہمیں سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسان بے اصل سالیون (ادام) میں پڑے اپنے سین خود ہی تکلیف دیتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ اس قول میں حضرت دانیال ہم زبان ہو سکتے ہیں کہ ”میرے داغ کے ادام نے مجھے مصیبت میں مبتلا کیا“ لیکن اگر ہم چاہیں تو مطمئن رہ سکتے ہیں۔ اور اگر ہم مطمئن نہیں ہیں تو یہ خود ہمارا قصور ہے۔ مذہب اس دنیا میں ہم سے آرام دہ سلامتی اور اطمینان قلب اور (کھارے) نجات دلانے کا وعدہ کرتا ہے۔ جنت آئندہ کے آغوش میں اور تم سے دور نہیں ہو بلکہ خود تم میں موجود ہے۔

اگر تم تھکے ماندے اور عاجز و ناتوان ہو تو کیا تمہارے لیے متی کی انجیل میں یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ لوگو! جو محنت مزدوری کرتے ہو اور بھاری بوجھ کے ساتھ دے ہو ہو۔ تم رب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دون گا“ دیکھو انجیل متی میں حضرت مسیح کا قول ہے ”اپنے دل کو تکلیف نہ دو۔ تم خدا پر یقین رکھو۔ اور نیز مجھ پر یقین رکھو“ یا انکار دینوی کے بارے میں کیا انجیل یوحنا میں نہیں مذکور ہے کہ ”ہوا کی چڑیوں کو دیکھو۔ وہ نہ بولتی ہیں۔ نہ فصل کاٹتی ہیں۔ نہ کھلیاؤں میں غلہ جمع کرتی ہیں۔ لیکن اس پر بھی تمہارا آسمانی باپ (خالق) اُنہیں کھلاتا ہے۔ کیا تم اُن سے بدتر جہاز یادہ بہتر نہیں ہو؟ اور تمہیں لباس کی کیوں فکر ہے۔ میدان کے چنبیلی کے پھولوں کو خیال کرو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ محنت نہیں کرتے۔ پھر خدا

عہ نامہ گورنمنٹ (انجیل)
عہ انجیل متی۔

نہیں کاتے۔ اور باوجود اس کے میں تم سے کتا ہوں۔ کہ سلیمان کو باوجود اپنی ساری عظمت و جبروت کے کبھی ایسا خوشنما لباس نہ نصیب ہوا ہوگا جیسا کہ یہ پہنے ہیں۔ تو پھر جب خدا میدان کی گھاس کو جو کہ آج ہے اور کل بھٹی میں ڈال کے جلادی جائے گی۔ کپڑے پھنسا رہے۔ اسے ضعیف الاعتقاد لوگوں کیادہ تھیں ان سے بڑھ کے کپڑے نہ پھنٹے گا۔“

لوقا کی انجیل میں ہے: ”تم اُن چیزوں کو جنھیں کھاؤ گے یا پیو گے تلاش نہ کرو کیونکہ ان تمام چیزوں کی تلاش میں دنیا کی سبھی قومیں لگی ہیں۔ اور تمھارا باپ (خدا) جانتا ہے کہ تمھیں ان چیزوں کی احتیاج ہے۔ مگر تم خدا کی بادشاہی کو تلاش کرو اور یہ تمام چیزیں اس پر اضافہ ہو کر تمھیں مل جائیں گی۔“

یہی سبق بار بار دیا گیا ہے۔ اور یہی وعدہ کروڑوں کر کے لگے ہیں

حضرت داؤد کی زبور میں ہے: ”اپنے لیے زمین پر خزانہ جمع کر کے نہ رکھو جان کیرے کھا جاتے ہیں۔ زنگ لگ جاتا ہے۔ اور جہاں جو رسیں دے کے آتے اور چرا لے جاتے ہیں۔ بلکہ اپنے لیے جنت میں خزانے جمع کرو۔ جہاں نہ کپڑے کھائیں گے۔ نہ زنگ لگے گا۔ اور نہ جہاں جو رسیں دے کر آئے گا۔ چپا سکے گا۔ کیونکہ جہاں تمھارا خزانہ ہوگا وہیں تمھارا دل بھی لگا رہے گا۔“ اور دوسری جگہ مذکور ہے: ”اگر دولت بڑھے تو اپنا دل اُس میں نہ لگائے رکھو۔“ انکار و تردید کا اصلی باعث افلاس نہیں بلکہ دولت ہے۔ کیونکہ زبور میں ہے: ”جن لوگوں کا دل سامان دولت میں لگا ہوا ہے اُن کے لیے آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا بہت مشکل ہے۔“

ہیڈ پر وعظ کے ذریعے سے حضرت مسیح کی زبان سے جن لوگوں کے لیے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ قابل رحم کم زور صلح جو اور پاک باطن لوگ ہیں۔

ہم سے کہا گیا ہے کہ خدا سے نہ ڈریں اس لیے کہ وہ ہمارا باپ ہے۔ اور کال محبت خون کو دور کرتی ہے۔

ہیں انسان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نہ لوہے میں ہے۔ مجھے خدا پر عبور ہے اور اس سے نہ ڈرون گا کہ انسان میرے ساتھ کیا سلوک کر سکتا ہے؟

ہیں کسی چیز سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ درحقیقت ہیں کوئی چیز ضرور نہیں پہنچا سکتی سینڈ پال کا قول ہے "اُن لوگوں کی بھلائی کے لیے جو خدا سے محبت رکھتے ہیں تمام چیزیں مل کے بالاتفاق کوشش کرتی ہیں"

ہیں یقین دلایا گیا ہے کہ زندگی کی تمام تکلیفوں اور غمواریوں میں خدا کی رحمت جو سمجھ سے بالا ہے تمھارے دلوں اور خیالوں کو خدا کے علم اور اُس کی محبت میں مصروف رکھے گی اور خدا کی برکت تمھارے ساتھ ہوگی۔ اور ہمیشہ برقرار رہے گی!

اور یہ وعدہ ہم سب سے کیے گئے ہیں صرف دولت مندوں عالی مرتبہ لوگوں اور ہوشیار اور صاحبان علم بزرگوں ہی تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ ہم سب کے لیے ہیں۔ کیونکہ "خدا کے بیان کسی کو ذوقیت نہیں دیتا"۔

مرقس کی انجیل میں ہے چھوٹے بچوں کو میرے پاس آنے دو اور اُنھیں منع نہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت ایسی ہی ہے۔

انیسے ہم ہی وہ ہیں جو اپنے آپ کو اُن فائدوں سے محروم کر سکتے ہیں کیونکہ وہ یوں کے مراسلہ میں جو "میرا خیال ہے کہ موت۔ زندگی۔ فرشتہ۔ ملکیتیں۔ طاقتیں۔ اور تمام موجودہ چیزیں اور غیر آئندہ چیزیں۔ بندہ! اور اپنی غرض کسی چیز میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ہیں خدا کی اس محبت سے جدا کر کے جو اپنے آقا حضرت مسیح کی واسطے سے ہم کو حاصل ہے۔"

اس طرح اور فقط اسی طرح زندگی روشن پر امن اور مسرور ہو سکتی ہے گناہوں سے بکواوران چیزوں کی طرف توجہ کرو جو حق ہیں۔ کیونکہ یہی چیز آخر کار انسان کے لیے اطمینان قلب کو لے آئے گی۔

اسی طرح غم مسرور ہونے کی امید کر سکتے ہو چاہے تمھاری زندگی کسی حالت میں ہو کیونکہ وہ تمام مقامات جن پر آسمان کی نظر پڑتی ہے۔ ایک عقلمند آدمی کے لیے امن و امان کی بندرگاہ ہیں اور مسرت کے ساحل ہیں۔ ویسے ہی تیک بنو جیسا کہ لنگسے کے یہ فریڈا الفاظ بتاتے ہیں۔

دگر دار

مولانا شہر رحم کی یادگار اردو کتب خانہ ادبی و تاریخی رسالہ جسے زبانِ اُردو کے علمی ترانے کو علمی لٹریچر سے بہرہ ور کیا اور جو ایک سال خیر و برکت کے بعد گھر کے دوسرے سر پر بھی خرید لائیں تو ایک نیا دہلی مفت نذر کیا جاتا ہے اور دہلی سال ابھر کے چند اور محصول ٹاک پر ایک سید بہادری میں پی دی دوا کر دیا جاتا ہے۔
 نجر دگر دار لکھنؤ

تصانیف مولانا محمد علی حکیم صاحب شہر رحم

- | | | | |
|-----|---|-----|--|
| ۱۔ | تاریخ سوانحی مولانا محمد علی صاحب شہر رحم | ۲۱۔ | خود دوس برس - جیسے جی جنت کی سر |
| ۲۔ | جیدہ انفرادی - حضرت جیدہ کے حالات | ۲۲۔ | فیس دینی - رشو عاشق و عیال کی سختی |
| ۳۔ | ابو بکر شبلی - حضرت شبلی کے حالات | ۲۳۔ | حبیبیت حسین - عذیبہ کا تاریخی ناول |
| ۴۔ | حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ کے حالات | ۲۴۔ | مقدس نازنین - ایک عین کا پاپ میں جانا |
| ۵۔ | خواجہ حسین الدین - خواجہ ابوحسین کے حالات | ۲۵۔ | ۵۱ ملک - غریبوں کا شوق اور فوٹو |
| ۶۔ | ملکہ ذوالنہیر - سلفی ایک برائی خواتین | ۲۶۔ | ۲۶ ملک - بیک بنی میں پتی |
| ۷۔ | سکینہ بنت حسین - حجاب کی بخت امام حسین | ۲۷۔ | آیام عرب - جاہلیت عرب کی مکمل تصویر |
| ۸۔ | قرۃ العین - ایران کی شہر بہتہ راوی کے حالات | ۲۸۔ | جولہ حق - حضرت رسول اکرم کی سوانحی |
| ۹۔ | ولادت سرور عالم - مولانا خلیفہ حضرت علامہ ابو الفتح | ۲۹۔ | بلور ناول - حضرت اول نبی دوم علی کا بلور |
| ۱۰۔ | ابن ہندی کا ترجمہ شہر شہر کا نظم و نظام | ۳۰۔ | زوال ناول - شہر میں کی کاظمی کا ترجمہ |
| ۱۱۔ | سفر ہندوستان - امام مدنی کے سفر کے حالات | ۳۱۔ | نجر - بغداد کی تباہی |
| ۱۲۔ | سرسید کی دینی کتب | ۳۲۔ | شوقین ملک - دوسری جلیبی ڈال |
| ۱۳۔ | قانون وراثت اسلام پر مولانا کا ایک کچھ | ۳۳۔ | طاهرہ - نہایت دلچسپ ناول |
| ۱۴۔ | ہندوستان کی سوغی | ۳۴۔ | منا ازار - مولانا کا ایک ناول |
| ۱۵۔ | ثانی اشین - حضرت صدیق اکبر کے حالات | ۳۵۔ | میں کی کچھ - نہایت دلچسپ ناول |
| ۱۶۔ | ذی النورین - حضرت عثمان کے حالات | ۳۶۔ | الفاشو - ایک عاشق ناول |
| ۱۷۔ | ابو اسحاق - حضرت علی کے حالات | ۳۷۔ | بابک محمدی - سلطنت عبا کے حالات |
| ۱۸۔ | تاریخی ناول | ۳۸۔ | حسن بھلیا - دوسری دہلی کی لڑائی |
| ۱۹۔ | غزوہ مصر - عذیبہ طون کا تاریخی ناول | ۳۹۔ | فلور اقلو - شہر میں کی کاظمی کے حالات |
| ۲۰۔ | فتح اندلس - اسپین پر عربوں کا حملہ | ۴۰۔ | ملک عزیز دوجا - پرتگیزی اور صلاح الدین |
| ۲۱۔ | رومۃ الکبریٰ - روم پر گاتھ لوگوں کا حملہ | ۴۱۔ | منصور موہنا - شہر میں ایک انصافی |
| ۲۲۔ | مفتوح قلع - ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول | ۴۲۔ | خاندان کے حالات |
| ۲۳۔ | فلپا - افسانہ انگریز پر صابہ کا حملہ | ۴۳۔ | شہید وفا |

شہر حکیم محمد علی صاحب شہر رحم کی یادگار اردو کتب خانہ ادبی و تاریخی رسالہ جسے زبانِ اُردو کے علمی ترانے کو علمی لٹریچر سے بہرہ ور کیا اور جو ایک سال خیر و برکت کے بعد گھر کے دوسرے سر پر بھی خرید لائیں تو ایک نیا دہلی مفت نذر کیا جاتا ہے اور دہلی سال ابھر کے چند اور محصول ٹاک پر ایک سید بہادری میں پی دی دوا کر دیا جاتا ہے۔
 نجر دگر دار لکھنؤ

۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱
۶۱۲
۶۱۳
۶۱۴
۶۱۵
۶۱۶
۶۱۷
۶۱۸
۶۱۹
۶۲۰
۶۲۱
۶۲۲
۶۲۳
۶۲۴
۶۲۵
۶۲۶
۶۲۷
۶۲۸
۶۲۹
۶۳۰
۶۳۱
۶۳۲
۶۳۳
۶۳۴
۶۳۵
۶۳۶
۶۳۷
۶۳۸
۶۳۹
۶۴۰
۶۴۱
۶۴۲
۶۴۳
۶۴۴
۶۴۵
۶۴۶
۶۴۷
۶۴۸
۶۴۹
۶۵۰
۶۵۱
۶۵۲
۶۵۳
۶۵۴
۶۵۵
۶۵۶
۶۵۷
۶۵۸
۶۵۹
۶۶۰
۶۶۱
۶۶۲
۶۶۳
۶۶۴
۶۶۵
۶۶۶
۶۶۷
۶۶۸
۶۶۹
۶۷۰
۶۷۱
۶۷۲
۶۷۳
۶۷۴
۶۷۵
۶۷۶
۶۷۷
۶۷۸
۶۷۹
۶۸۰
۶۸۱
۶۸۲
۶۸۳
۶۸۴
۶۸۵
۶۸۶
۶۸۷
۶۸۸
۶۸۹
۶۹۰
۶۹۱
۶۹۲
۶۹۳
۶۹۴
۶۹۵
۶۹۶
۶۹۷
۶۹۸
۶۹۹
۷۰۰
۷۰۱
۷۰۲
۷۰۳
۷۰۴
۷۰۵
۷۰۶
۷۰۷
۷۰۸
۷۰۹
۷۱۰
۷۱۱
۷۱۲
۷۱۳
۷۱۴
۷۱۵
۷۱۶
۷۱۷
۷۱۸
۷۱۹
۷۲۰
۷۲۱
۷۲۲
۷۲۳
۷۲۴
۷۲۵
۷۲۶
۷۲۷
۷۲۸
۷۲۹
۷۳۰
۷۳۱
۷۳۲
۷۳۳
۷۳۴
۷۳۵
۷۳۶
۷۳۷
۷۳۸
۷۳۹
۷۴۰
۷۴۱
۷۴۲
۷۴۳
۷۴۴
۷۴۵
۷۴۶
۷۴۷
۷۴۸
۷۴۹
۷۵۰
۷۵۱
۷۵۲
۷۵۳
۷۵۴
۷۵۵
۷۵۶
۷۵۷
۷۵۸
۷۵۹
۷۶۰
۷۶۱
۷۶۲
۷۶۳
۷۶۴
۷۶۵
۷۶۶
۷۶۷
۷۶۸
۷۶۹
۷۷۰
۷۷۱
۷۷۲
۷۷۳
۷۷۴
۷۷۵
۷۷۶
۷۷۷
۷۷۸
۷۷۹
۷۸۰
۷۸۱
۷۸۲
۷۸۳
۷۸۴
۷۸۵
۷۸۶
۷۸۷
۷۸۸
۷۸۹
۷۹۰
۷۹۱
۷۹۲
۷۹۳
۷۹۴
۷۹۵
۷۹۶
۷۹۷
۷۹۸
۷۹۹
۸۰۰
۸۰۱
۸۰۲
۸۰۳
۸۰۴
۸۰۵
۸۰۶
۸۰۷
۸۰۸
۸۰۹
۸۱۰
۸۱۱
۸۱۲
۸۱۳
۸۱۴
۸۱۵
۸۱۶
۸۱۷
۸۱۸
۸۱۹
۸۲۰
۸۲۱
۸۲۲
۸۲۳
۸۲۴
۸۲۵
۸۲۶
۸۲۷
۸۲۸
۸۲۹
۸۳۰
۸۳۱
۸۳۲
۸۳۳
۸۳۴
۸۳۵
۸۳۶
۸۳۷
۸۳۸
۸۳۹
۸۴۰
۸۴۱
۸۴۲
۸۴۳
۸۴۴
۸۴۵
۸۴۶
۸۴۷
۸۴۸
۸۴۹
۸۵۰
۸۵۱
۸۵۲
۸۵۳
۸۵۴
۸۵۵
۸۵۶
۸۵۷
۸۵۸
۸۵۹
۸۶۰
۸۶۱
۸۶۲
۸۶۳
۸۶۴
۸۶۵
۸۶۶
۸۶۷
۸۶۸
۸۶۹
۸۷۰
۸۷۱
۸۷۲
۸۷۳
۸۷۴
۸۷۵
۸۷۶
۸۷۷
۸۷۸
۸۷۹
۸۸۰
۸۸۱
۸۸۲
۸۸۳
۸۸۴
۸۸۵
۸۸۶
۸۸۷
۸۸۸
۸۸۹
۸۹۰
۸۹۱
۸۹۲
۸۹۳
۸۹۴
۸۹۵
۸۹۶
۸۹۷
۸۹۸
۸۹۹
۹۰۰
۹۰۱
۹۰۲
۹۰۳
۹۰۴
۹۰۵
۹۰۶
۹۰۷
۹۰۸
۹۰۹
۹۱۰
۹۱۱
۹۱۲
۹۱۳
۹۱۴
۹۱۵
۹۱۶
۹۱۷
۹۱۸
۹۱۹
۹۲۰
۹۲۱
۹۲۲
۹۲۳
۹۲۴
۹۲۵
۹۲۶
۹۲۷
۹۲۸
۹۲۹
۹۳۰
۹۳۱
۹۳۲
۹۳۳
۹۳۴
۹۳۵
۹۳۶
۹۳۷
۹۳۸
۹۳۹
۹۴۰
۹۴۱
۹۴۲
۹۴۳
۹۴۴
۹۴۵
۹۴۶
۹۴۷
۹۴۸
۹۴۹
۹۵۰
۹۵۱
۹۵۲
۹۵۳
۹۵۴
۹۵۵
۹۵۶
۹۵۷
۹۵۸
۹۵۹
۹۶۰
۹۶۱
۹۶۲
۹۶۳
۹۶۴
۹۶۵
۹۶۶
۹۶۷
۹۶۸
۹۶۹
۹۷۰
۹۷۱
۹۷۲
۹۷۳
۹۷۴
۹۷۵
۹۷۶
۹۷۷
۹۷۸
۹۷۹
۹۸۰
۹۸۱
۹۸۲
۹۸۳
۹۸۴
۹۸۵
۹۸۶
۹۸۷
۹۸۸
۹۸۹
۹۹۰
۹۹۱
۹۹۲
۹۹۳
۹۹۴
۹۹۵
۹۹۶
۹۹۷
۹۹۸
۹۹۹
۱۰۰۰

تصانیف مولانا عبدالحکیم صاحب شہر مہر جو

<p>جلد ۱۸۹۰ء جلد ۱۹۱۰ء جلد ۱۹۱۸ء جلد ۱۹۲۱ء جلد ۱۹۲۲ء جلد ۱۹۲۳ء جلد ۱۹۲۴ء جلد ۱۹۲۵ء جلد ۱۹۲۶ء جلد ۱۹۲۷ء جلد ۱۹۲۸ء جلد ۱۹۲۹ء جلد ۱۹۳۰ء جلد ۱۹۳۱ء جلد ۱۹۳۲ء</p>	<p>جلد ۱۸۸۵ء جلد ۱۸۸۶ء جلد ۱۸۸۷ء جلد ۱۸۸۸ء جلد ۱۸۸۹ء جلد ۱۸۹۰ء جلد ۱۸۹۱ء جلد ۱۸۹۲ء جلد ۱۸۹۳ء جلد ۱۸۹۴ء جلد ۱۸۹۵ء جلد ۱۸۹۶ء جلد ۱۸۹۷ء جلد ۱۸۹۸ء جلد ۱۸۹۹ء</p>	<p>دکن کی مکمل جلدین جلد ۱۸۸۵ء جلد ۱۸۸۶ء جلد ۱۸۸۷ء جلد ۱۸۸۸ء جلد ۱۸۸۹ء جلد ۱۸۹۰ء جلد ۱۸۹۱ء جلد ۱۸۹۲ء جلد ۱۸۹۳ء جلد ۱۸۹۴ء جلد ۱۸۹۵ء جلد ۱۸۹۶ء جلد ۱۸۹۷ء جلد ۱۸۹۸ء جلد ۱۸۹۹ء</p>	<p>مولانا شہر کے خیالی ناول ۴۱۔ آغا صادق کی شادی ایک پیمپ قیسم ۴۲۔ حسن کا ڈاکو جو اپنے گزرا ہوا زمانہ ہر دم ۴۳۔ اسرار دربار حرا بیور جو پور کوٹھ کے بچے سے حالات ہر دم جلد ۴۴۔ عیب دان و لہن خیر حاکم خیر خیر خیر ۴۵۔ خوفناک محبت، ہندوستان کی خیر خیر خیر ۴۶۔ اگلی دنیا کی اگلی اچھی تصویر نہیں ہو سکتی ۴۷۔ دیکھ، مصنف کا پہلا نہ توں ۴۸۔ لکھنؤ میں ہمارے ڈرامے اور نظمین ۴۹۔ سیری بابل گولڈ ہتھ کے ٹیکے کا انورس ۵۰۔ زمانہ اور اسلام، ایک سرزد نہ توں ۵۱۔ شعبہ علم - خزانہ کی بنیادیں اور بنیادیں ۵۲۔ شعبہ عمل - اوراق کے بعد میں کا بیان</p>
<p>جلد ۱۸۸۵ء جلد ۱۸۸۶ء جلد ۱۸۸۷ء جلد ۱۸۸۸ء جلد ۱۸۸۹ء جلد ۱۸۹۰ء جلد ۱۸۹۱ء جلد ۱۸۹۲ء جلد ۱۸۹۳ء جلد ۱۸۹۴ء جلد ۱۸۹۵ء جلد ۱۸۹۶ء جلد ۱۸۹۷ء جلد ۱۸۹۸ء جلد ۱۸۹۹ء</p>	<p>جلد ۱۸۸۵ء جلد ۱۸۸۶ء جلد ۱۸۸۷ء جلد ۱۸۸۸ء جلد ۱۸۸۹ء جلد ۱۸۹۰ء جلد ۱۸۹۱ء جلد ۱۸۹۲ء جلد ۱۸۹۳ء جلد ۱۸۹۴ء جلد ۱۸۹۵ء جلد ۱۸۹۶ء جلد ۱۸۹۷ء جلد ۱۸۹۸ء جلد ۱۸۹۹ء</p>	<p>مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر</p>	<p>مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر مضامین شہر</p>

شہر کے پکا نام حکیم محمد اسحاق میمنز دکن از گزشتہ نرن بنگال لکھنؤ

مولانا مولوی عبدالکلیم صاحب مرحوم مغفود
کی یادگار
رسالہ

دلگداز

نمبر ۶۰ بابت ماہ ۱۹۳۰ء
جلد ۳۰ مرتبہ

محمد صدیق حسن ایدمر

باہتمام

حاکم حکیم محمد سراج الحق مینجراؤ پرنٹرس و پبلشرز گلدارہ

دلگداز پرش ہو کہ بزن سبجان مین

چھپا کے شائع ہوا



مولیٰ خواجہ زادہ

از مولانا سرمد رحیم

”مصالح الدین مصطفیٰ ابن یوسف ابن صالح“ سلطان محمد بن قسطنطنیہ کے عہد میں تھے۔ اور اس عصر کے مشہور علما میں ہن تقدیر جس قسم کے عجیب و غریب انقلابات دکھلایا کرتی ہے اُسکا ایک غیرت انگیز نمونہ ان کی سوانح عمری سے بھی نمایاں ہے۔ اگر کبھی گھڑی بھر کے لیے ہم اس اثر پر غور کریں کہ قسمت انسان کو کہاں سے کہاں پہنچ سکتی ہے اور پھر کہاں سے کہاں پہنچاتی ہے تو یہ سچ یہ ہے کہ ہمیں اپنی خوشیاں اور اپنے غم و دنوں بے حقیقت اور بے اصل معلوم ہونے لگیں۔ بولا! خواجہ زادہ ابھی کو دیکھیے کہ اُن کے پدر بزرگوار ایک بہت بڑے سوداگر تھے۔ مال و دولت لوہڑی غلام غرض کہ امارت کا کوئی سامان نہ تھا جو اس گھر میں موجود نہ ہو۔ جس میں مولانا خواجہ زادہ پیدا ہوئے اور کھیل کود کر سن رُشد کو پہنچے۔ یوسف ابن صالح جن کو مولانا ممدوح کے ایسے بیٹے پر فخر کرنے کا موقع ملا۔ انھیں خدا نے اور بھی اولاد دین دین یقین سب ارد کے ایری کے ٹھاٹھ سے رہا کرتے تھے اور کوئی نہ تھا جس کی وضع لباس حرکات و سکنات سے بڑے امارت نہ آتی ہو۔ لیکن اُس آبائی سامان امارت میں سے مولیٰ خواجہ زادہ کی قسمت کا بہت ٹھوڑا تھا۔ اُن دنوں جبکہ یوسف ابن صالح کے سب بیٹے ہمیشہ عشرت میں مشغول رہتے تھے مولیٰ خواجہ زادہ کو ایک بہت ہی قلیل رقم یعنی ایک درہم روزنامہ مصارف کے لیے ملا کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہی

کہ اور بھائی اپنے باپ کے مذاق پر تھے۔ اغراض تجارت میں اپنے بڑے باپ کی مدد کرتے تھے۔ بخلاف خواجہ زادہ کے کہ یہ ہر وقت مشاغل علمی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ سچ یہ کہ علم و فضل کی اگرچہ ہر شخص کی زبان سے تعریف سنی جاتی ہے۔ مگر اکثر اہل حرفہ اپنے حق میں اسے ایک قسم کی مصیبت ہی خیال کرتے ہیں۔ مولوی خواجہ زادہ کے باپ نے پہلے انھیں پڑھنے لکھنے سے بہت روکا مگر ایک سچا اور کوئی نتیجہ دکھانے والا شوق کسی کی زبردستیوں سے دل کو نہیں چھوڑ سکتا۔ انھیں اختلافات کا یہ نتیجہ ہوا کہ مولوی خواجہ زادہ کے باپ اُن سے ہمیشہ ناراض رہا کرتے تھے۔

انھیں دنوں کا ذکر جو ایک مرتبہ یوسف ابن صالح شیخ شمس الدین بخاری قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جو اس عصر کے ایک بہت بڑے ولی اللہ اور صاحب کشف و کرامت مشہور تھے۔ شیخ شمس الدین مدوح نے اس بات کو حیرت سے دیکھا کہ یوسف ابن صالح اور لڑکے جو سب کے سب اس صحبت میں موجود تھے۔ سب لباس فائزہ پہنے شان و شوکت کے ساتھ مرتبہ اور عزت کے مقاموں پر بیٹھے ہیں۔ مگر انھیں کے ایک بھائی خواجہ زادہ نہایت ہی شکستہ حال ہیں۔ کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ اور اس مقام پر بیٹھے ہوئے ہیں جہاں لوگ جو تیان اُتارا کرتے ہیں۔ اور سب کی خدمت کے لیے بہت سے غلام دست بستہ کھڑے ہیں۔ مگر ان کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ شیخ مدوح یوسف ابن صالح کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سب لڑکوں کی طرف جو مرغ زربا بنے ہوئے تھے اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہیں۔ یوسف نے بتایا کہ سب میرے بیٹے ہیں۔ پھر شیخ مدوح نے خواجہ زادہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ جواب دیا۔ یہ بھی میرا لڑکا ہے۔ شیخ نے متحیر ہو کے دریافت کیا کہ اس کی شکستہ حالی کا کیا سبب ہے۔ کہا جو کہ اس نے میرا طریقہ چھوڑ دیا لہذا میں نے بھی اسے اپنی نظر سے گرا دیا۔ یہ سن کے شیخ نے یوسف کو بہت کچھ سمجھایا کہ اس ظلم سے باز آؤ اور یہ ہرگز نہیں مناسب ہے کہ ایک لائق بیٹے کے ساتھ ایسی بے پروائی کا سلوک کیا جائے۔ مگر ان نصیحتوں نے ناقد شناس باپ کے

دل پر کچھ اثر نہ کیا۔ خیر جب سب اٹھ کے چلے اور صحبت برخواست ہوئی تو شیخ شمس الدین نے خواجہ زادہ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا اس شکستہ حالی کے خیال سے تم اپنا دل نہ تھوڑا کرنا۔ ٹھیک طریقہ وہی ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ اور خدا نے چاہا تو کبھی تمھارا مرتبہ بہت بڑا ہو گا۔ اور تمھارے یہ سب بھائی تمھارے سامنے اسی طرح دست بستہ کھڑے ہوں گے۔ جس طرح اس وقت ان کے سامنے ان کے نوکر جا کر اور غلام کھڑے ہوتے تھے۔

مولانا محمد درج کے ولی کو ان باتوں سے اگرچہ بہت تقویت ہوئی مگر فلاس اور شکستہ حالی کی آخر کچھ انتہا بھی۔ سو ایک کرتہ کے دو سر کرتہ تھا اتنا بھی نہ نصیب تھا کہ بڑھنے کے لیے کتابیں مولیٰ لیتے جس کتاب کو پڑھنا ہوتا تھا اسے پچھتے پڑانے اور اق پر اپنے ہاتھ سے کھینچے جاتے تھے۔ بہر حال جس طرح بنا علم سے منہ پھیر جب تھوڑی بہت کتابیں نکل گئیں تو مولانا ابن تلویغ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شہر اغرا اس کے مدرسہ میں رہے ان سے اصول فقہ اصول حدیث اور معانی بیان کو حاصل کیا۔ اس کے بعد اُن کی صحبت کو چھوڑ کے مولانا خضر بیگ ابن جلال کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اُن دنوں شہر تہ دہ کے مدرسہ سلطانیہ میں درس تھے۔ مدرسہ سلطانیہ میں پڑھتے پڑھتے اس درجہ کو پہنچ گئے کہ استاد کی جگہ پر شہید نائب کے طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔

الغرض ابھی بن شباب ہی تھا۔ اور علم و فضل میں وہ نہایت ہی ناموری حاصل کر چکے تھے۔ استاد خضر بیگ ان کی بہت کچھ قدر و منزلت کرتے تھے۔ اور اکثر اپنے طلباء سے فرمایا کرتے تھے کہ بھین جب کبھی کسی مسئلہ میں مشکل پیش آئے تو اسے عقل سلیم کے سامنے پیش کرو۔ عقل سلیم سے ان کی مراد مولانا خواجہ زادہ سے تھی۔ چند روز بعد مولانا خضر بیگ نے انھیں سلطان مراد خان کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور کہہ دیا کہ انھیں درس دینے کی کمال صلاحیت ہو۔ سلطان نے اس درخواست کو قبول کیا۔ مگر وہ ان دنوں ایک سفر پر آمادہ تھا لہذا ایک فوری قدر دانی کے جوش میں

انھیں کتل کا قاضی مقرر کر کے چلا گیا۔ لیکن جب اس سفر سے واپس آیا تو اس نے انھیں شہر تبرہ و سہ کے مدرسہ آسیدیہ کا مدرس مقرر کیا۔ اور میں درہم درہم درہم تنخواہ مقرر کر دی۔ مولانا محمد روح بلبرچہ برس تک اسی خدمت میں مشغول رہا کہ فقر و فاقہ سے گذرتی تھی یہاں تک کہ اپنے گھر کے تمام کاروبار خود آپ ہی کرتے تھے۔ اس زمانے میں پوری شرح موافقت زبانی یاد کر لی۔ آخر زمانہ نے اپنا درق الٹا سلطان مراد خاکین سوچا گیا۔ اور اس کی جگہ فاتح اعظم سلطان محمد خان سریرہ آرا سے مملکت عثمانیہ ہوا سلطان محمد خان ثانی کو علم و فضل کے مشاغل سے بہت ذوق تھا۔ اور بمقابلہ اپنے اسلاف کے وہ اہل علم کی بہت زیادہ قدر و منزلت کرتا تھا۔ اسکی یہ توجہ دیکھتے ہی علما کی مردہ امیدیں جی اٹھیں اور ہر طرف سے بڑے بڑے سفر کے اس کے پاس آنے لگے۔ ان دنوں مولانا خواجہ زادہ نے بھی اس کے پاس جانے کا قصد کیا۔ لیکن افلاس نے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں اور تمام امیدیں دل کی دل ہی میں رکھیں۔ خواجہ زادہ کے پاس اُس نے اپنے میں ایک تہ کی شخص نوکر تھا۔ لیکن باوجود ان کے پاس نوکر ہونے کے اپنا مقام پر وہ مالدار تھا اس نے آٹھ سو درہم مولانا محمد روح کو قرض دیے جس سے انھوں نے ایک گھوڑا اپنے لیے اور ایک گھوڑا اپنے خادم کے لیے مول لیا۔ اور سلطان کے پاس جانے کی تیاریاں کر دیں۔ آخر ان کی محمد امیدین انھیں قسطنطینیہ تک لے گئیں۔ اور یہ اس وقت پہنچے جبکہ سلطان قسطنطینیہ سے اڈریا نوبل جا رہا تھا۔ محمود پاشا وزیر اعظم کی نظر ان پر پڑی تو فوراً پہچان گیا اور کہنے لگا آپ خوب آئے۔ میں آپ کا ذکر سلطان سے کر چکا ہوں۔ چلیے چلیے اس وقت دہان بحث چھڑی ہوئی ہے۔ جس وقت انھوں نے سامنے جا کے سلطان کو سلام کیا اس نے محمود پاشا سے پوچھا یہ کون ہیں اس نے ان کا نام بتایا۔ نام سُن کے سلطان نے مرجا کہا سلطان کے ایک جانب مولانا تبرہ کی اور دوسری جانب مولانا سیدی علی تھے۔ اور ان دونوں میں کسی مسئلہ میں بحث ہو رہی تھی خواجہ زادہ نے سیدی علی کی

طرف داری کی اور مولانا زبیر کو پراسرار کیا۔ اب ان دنوں میں دو قدح شروع ہوئے۔
 یدری علی اٹھ کے چلے گئے اور صرف خواجہ زادہ سلطان کے ایک پہلو پر رہ گئے۔ بحث
 کسی طرح تمام ہونے کو نہیں آتی تھی اور مولانا زبیر کو آخر میں کچھ ضد کی سہی
 باتیں کرنے لگے تھے جن کا سلسلہ آخر خود سلطان محمد نے یہ کہیے ختم کر دیا کہ آپ کی
 باتیں تو کچھ نہیں ہیں۔ الغرض مولانا زبیر کو بھی چلے گئے۔ اور صرف مولانا خواجہ
 زادہ سلطان کے پاس رہ گئے۔ سلطان منزل اور فرد گاہ تک انھیں سے باتیں
 کرتا رہا۔ منزل مقصود یہ ہو چکا کہ سلطان نے مولانا زبیر کو اور مولانا سید علی
 کے ساتھ تو بہت کچھ سلوک کیا مگر یہ بیچارے یوں نہیں رہ گئے۔ اپنی اس بد قسمتی
 پر انھیں نہایت افسوس معلوم ہوا۔ خرچ کی طرف سے بہت تنگ حال ہو رہے
 تھے۔ اور بسر وقات کی کوئی صورت نہ نظر آتی تھی۔ زیادہ خرابی یہ تھی کہ تنگ
 حالی کے ساتھ بادشاہ کی اس عدم توجہی سے ان کی ذلت ہوئی جاتی تھی
 حتیٰ کہ ان کا وہ نوکر بھی جس سے انھوں نے روپیہ قرض لیے تھے اب ترد
 ظاہر کرنے لگا۔ یہ کام کرنے کو کہتے تھے اور وہ اس کان سے سن کے اس
 کان سے اڑا دیا کرتا تھا۔ اور ان سے بار بار کہتا تھا۔ اجماع خود نہ لائق ہو۔
 اگر تم میں کوئی لیاقت ہوتی تو سلطان تمہاری قدر و منزلت نہ کرتا۔ اسی زمانہ
 میں دو چار روز بعد ایک دن خادم بڑے سورا اور خود مولانا سے مدد
 گھوڑا ملنے لگے اور ول میں انتہا سے زیادہ ملول تھے کہ یکا یک سلطان کے تین
 ہرکارے یہ دریافت کرتے ہوئے آئے کہ مولانا خواجہ زادہ کس خیمہ میں ہیں
 جو لوگ ادھر ادھر ٹھل رہے تھے انھوں نے بتا دیا کہ دیکھو وہ کھڑے گھوڑا
 مل رہے ہیں۔ ان ہرکاروں کو خیال ہوا کہ شاید لوگ ان سے مذاق کرتے ہیں
 لہذا انھوں نے ان کے قریب آ کے دریافت کیا۔ آپ ہی کا نام مولانا خواجہ زادہ
 ہے؟ انھوں نے کہا۔ ہاں۔ مجھے کو کہتے ہیں؟ وہ ستیر ہو کے پھر پوچھنے لگے
 نہیں سچ بتائیے آپ ہی ہیں؟ انھوں نے پھر کہا۔ ہاں بھئی میں ہی ہوں۔ انھوں
 پھر کہا۔ آپ ہی نے مولانا زبیر کو بحث علی میں ساکت کر دیا تھا؟ انھوں نے کہا۔ ہاں ہاں
 صاحب میں ہوں۔ کہتا جاتا ہوں۔ مگر کچھ نہیں یقین ہی نہیں آتا۔

الغرض جب انھیں یقین آگیا کہ خواجہ زادہ انھیں کا نام ہر توان لوگوں
 نے بڑھکے اٹھ چوسے اور عرض کیا کہ "حضور سلطان نے آپ کو خاص اپنا استاد
 اور معلم بنایا، مولانا سے مدد و مدد فرماتے ہیں یہ سن کے مجھے شبہ ہوا کہ شاید یہ
 لوگ مجھے بتا رہے ہیں اور میرے ساتھ مسخرہ ہیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اہتمام
 کر کے ایک نہایت شاندار خیمہ میرے لیے نصب کیا اور اُس کے برابر ہی گھوڑوں
 کا ایک مضبوط قافلہ قائم کیا اس کے علاوہ بہت سی غلام پر تکلف کپڑوں کے عمدہ عمدہ
 جوڑے اور دس ہزار درہم لاکے میری نذر کیے۔ اس کے بعد انھیں غلاموں نے
 ایک گھوڑا چار جامہ کس کے تیار کیا اور مجھ سے کہنے لگے "اب آپ سر سلطان کے پاس
 تشریف لے چلیے" یہ سب کچھ نہ دیکھا مگر ان کا وہ پیرا حاضر تنگوار اب تک بڑا سورا
 تھا۔ مولیٰ خواجہ زادہ اس کے قریب آگئے اور جگایا۔ وہ نیند میں انکڑائی رہے کہ کہنے
 لگا "اوتھو ذرا سو لیئے دو" انھوں نے پھر کہا "اُٹھو اور میرا حال تو دیکھو" وہ بولا
 سب حال دیکھ چکا ہوں اس وقت سونے دو "انھوں نے زیادہ جھنجھوڑا تو اٹھا
 اور ان کی شان و شوکت دیکھتے ہی گھر کے پوچھنے لگا "یہ آپ کی حالت کیونکر
 بدل گئی" انھوں نے فرمایا میں سلطان محمد خان کا استاد ہو گیا "اتنا سستہ ہی
 خادم نے بڑھکے ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور رو رو کے ان گستاخوں سے
 معافی مانگنے لگا۔ مولیٰ خواجہ زادہ نے اس کا قرض اسی وقت ادا کیا جو کہ مقدمہ
 آٹھ سو درہم کی تھی۔ اس سے فراغت کر کے وہ سلطان کی خدمت میں گئے
 سلطان نے عزادین زنجانی کا متن ان سے پڑھا جو صحنہ میں ہے۔ مولانا نے
 مدد و مدد فرماتے ہیں اس کی غرض سے متن مذکورہ پر ایک لاجواب شرح لکھی۔

مولیٰ خواجہ زادہ کا زمانہ کا افلاس تمام ہو گیا۔ اور خدا نے ان کے
 گذشتہ صبر کے صلہ میں انھیں سب سے بڑا دولت مند بنا دیا۔ اب ان کو سلطان سے
 ایسا تقرب اور ایسی خصوصیت تھی کہ دیگر مفرقین سلطنت درکنار خود وزیر عظم
 محمود پاشا ان سے حسد کرنے لگا۔ اگرچہ سلطان کے مزاج میں ان کو زیادہ دخل
 تھا۔ مگر اکثر فقرہ بازیوں سے ایسا کام نکل جاتا ہے جس کے سامنے اور تمام اثر
 بیکار ہو جاتے ہیں۔ وزیر نے ایک روز خلوت میں موقع پا کے سلطان سے

عرض کیا کہ مولانا خواجہ زادہ قضاے عسکر کا عہدہ چاہتے ہیں۔ سلطان نے حیرت میں
 ہو کے دریافت کیا "کیوں۔ وہ میری صحبت سے کس لیے کنارہ کش ہوتے ہیں؟"
 وزیر نے کہا "حضور اس کا حال میں نہیں جانتا۔ لیکن وہ اس عہدے کو بیشک
 چاہتے ہیں۔ یوں سلطان سے ان کے لیے یہ عہدہ منظور کر کے خود خواجہ زادہ
 سے کہا "سلطان نے آپ کے واسطے قضاے عسکر کا عہدہ تجویز کیا ہے۔ مولانا
 نے فرمایا "نہیں میں اس عہدے کو نہیں پسند کرتا۔ اس پر وزیر نے کہا "پھر
 اب تو یوں نہیں ہو گیا۔" جموڑا انھوں نے اس حکم پر عمل کیا۔ اور قضاے عسکر کا
 عہدہ منظور کر لیا۔ قضاے عسکر ان دنوں ایک بہت بڑا عہدہ تھا جو وزارت
 کے بعد تھا۔ اور جو شخص اس عہدے پر ہوتا تھا اس کی قدر و منزلت بہت زیادہ
 ہوتی تھی۔ مولانا خواجہ زادہ جب قاضی عسکر عین ہوئے ہیں ان کے والد
 ماجد زندہ تھے کسی نے ان سے جا کے اجابک کہہ دیا "تمہارا بیٹا قاضی عسکر
 ہو گیا۔" ان کو یقین نہ آیا۔ لیکن جب انھیں متواتر خبریں ہوئیں تو وہ تڑپ
 سے کوچ کر کے شہر (ایڈریانوئل) کی طرف روانہ ہوئے۔ تاکہ اپنے بیٹے سے
 ملاقات کر سکیں۔ یہ ملاقات بھی نئی قسم کی ہے اور عجیب و غریب عالم کی خبر دیتی
 ہے۔ حضرت یقوب جس طرح اپنے بیٹے یوسف سے ملے تھے اسی طرح مولانا
 خواجہ زادہ کے والد نے اپنے بیٹے سے ملاقات کی۔ جب ان کے آنے کی خبر
 پہنچی تو مولانا مع خدم و حشم کے استقبال کو نکلے۔ اور نہ کے تمام علماء و فضلا اور
 کل رؤسا و اُمرا مولانا کے ہمراہ رکاب تھے۔ ان کے والد نے ان کے جلوس
 اور اس کی شان و شوکت کو دیکھا تو پوچھا "یہ کون ہے؟" لوگوں نے کہا "ابن
 جناب آپ کے صاحبزادے ہیں جو آپ کے استقبال کے لیے آئے ہیں۔" حیرت زدہ
 ہوئے کہ "ابو! میرا بیٹا اس درجہ کو پہنچ گیا کہ اس شان سے اس کی سواری
 آئی ہے؟" لوگوں نے کہا "جی ہاں۔" اور مولانا خواجہ زادہ نے جیسے ہی اپنے
 والد کو دور سے دیکھا گھوڑے سے اتر پڑے ان لوگوں کو اترتے دیکھ کر ان
 کے والد بھی اترے اور دوڑ کے بیٹے سے لپٹ گئے۔ دونوں دیر تک لیٹے رہے
 پھر ان کے والد نے ندامت سے اپنی بے پردائوں اور گزشتہ بے توجہیوں کی

معافی چاہی۔ مولانا نے فرمایا یہ سب تجویز ہے پر دانی ہی کا ہو۔ اگر آپ مجھے بھی یاد
در پیہ پیہ دیتے تو میں اس رتبہ کو ہرگز نہ پہنچتا۔

اس کے بعد مولانا نے سلطان خاں امر کی اجازت لی کہ والد کو باریابی کی عزت
دیجئے۔ سلطان نے منظور کیا۔ اور ان کے والد بہت سہ تجھے اور دیئے گئے سلطان
کے دربار میں گئے۔ خود سلطان کی دست بوسی کی عزت حاصل کی۔ اس کے چند روز
بعد مولانا نے مدوح نے ایک بڑی بھاری دعوت باب کی قدسوس کی خوشی میں
کی تمام علما اور اکابر سلطنت اس دعوت میں مدعو تھے۔ خود وہ مع اپنے والد کے
صدر مقام پر بیٹے اور تمام رؤسا کے اپنے مقام پر ادب سے بیٹھ گئے اس
دعوت میں اتنے ایک اور اس پایہ کے رؤسا شریک تھے کہ مولانا کے بھائیوں
کو جو اس موقع پر موجود تھے سوا خدمت کرنے کے کسی کے برابر بیٹھنے کی جرأت نہ
ہوتی تھی۔ وہ خدمت کرتے تھے اور دو نمروں دوڑے دوڑے بیٹھتے تھے یہ دیکھ کے مولانا نے
اپنودل میں کہا کہ دلی اللہ شمس الدین نے اسی ام کی پیشین گوئی کی تھی۔

اس کے بعد سلطان محمد خان نے مولانا کو کسی مصلحت سے بدوسہ کے
مدرسہ سلطانیہ کا مدرس مقرر کیا اور پچاس درہم پر مہینہ تنخواہ مقرر کر دی
اگرچہ ظاہر میں یہ ایک قسم کا تنزل تھا۔ لیکن چونکہ ان کے مذاق کا کام تھا
لہذا اس کو وہ خود سلطان کی مدرسہ اور قضاے عسکر دونوں خدمات سر
زیادہ پسند کرتے تھے۔ اگرچہ پہلی خدمات کے زمانے میں پورے ایک لاکھ
درہم تنخواہ تھی۔ اور بقا بہ اس کے اب بہت ہی کم ملتا تھا۔ لیکن علی فوق
اس پچھلی حالت کو ترجیح دیتا تھا۔

اس کے بعد سلطان محمد خان نے انھیں مولانا زبیر کے بھٹ کرنے کا حکم دیا۔ مولانا
زبیر کا نام محمد تھا۔ اور اس عہد کے بڑے عابد و زاہد تھے۔ ان کے اوقات ترقی و ترقی
میں جس قدر صرف ہوتے تھے اس قدر کسی کام میں نہیں صرف ہوتے
تھے۔ سلطان محمد خان نے قسطنطنیہ فتح کر کے اس میں جو مدارس
شمار دیئے تھے ان میں سے ایک مدرسہ میں وہ درس دیتے
تھے۔

بغداد کی بنیاد

عربی مورخین نے اس قدیم باجروت دار الخلافت اسلام کی بنیاد جو کچھ لکھا ہے اس کا حال و قیافہ اکثر لوگوں کو معلوم ہوتا رہا۔ عموماً لوگ جانتے ہیں کہ یہ شہر کس ضرورت سے اور کیونکر آباد کیا گیا۔ دجلہ از مین ہم نے بار بار لکھا اور بتا دیا کہ جو مقام اس شہر کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ اسکی صلیت کیا تھی۔ لیکن فی الحال لیوانٹ ہر لڈ مین اس شہر کے کچھ حالات لکھ گئے ہیں چونکہ یہ خیالات کسی حد تک نئے ہیں لہذا ہم ان کو دلچسپ سمجھ کر زبرد ناظرین کرتے ہیں۔

لیوانٹ ہر لڈ لکھتا ہے ایک شخص نے بغداد کے متعلق قسطنطنیہ کے اخبارات میں یہ جدید خیالات شائع کرائے ہیں کہ جس مقام پر دریائے دجلہ اور فرات ایک دھارا ہو کر بہے ہیں وہ ان ۱۱۷۶ء میں ایک خوش سواد اور شاداب سرسبز خطہ زمین تھا۔ یہ خطہ ایک ایسے متوسط مقام پر واقع تھا کہ بصرہ کو قہ اور کئی اور غیر مفتوح شہروں کی حدیں یہیں پہنچنے کے متقی تھیں۔ اس عہد سے بہت پیشتر کا ذکر ہے کہ یہ خوشما خطہ زمین کسی تاجدار نے اپنی نازنین ملک کو دے دیا تھا۔ وہ نازنین چونکہ بننے نام ایک دیوتا کی پرستش کرتی تھی لہذا اُس نے اپنے حسن عقیدت سے اُس دیوتا کے لیے ایک شوالہ اس خطہ پر ایک مناسب مقام تجویز کر کے تعین کیا۔ انقلاب زمانہ نے چند روز بعد اس عبادت گاہ کو ایک بادیاہ نشین اور عزت گزین سلمان درویش کی خانقاہ بنادیا۔ جو دنیا کو چھوڑ کے وہیں آکے بیٹھ رہا تھا۔ اور مسلمانوں کے قافلے اس کی طرف آتے تھے کہ اس سے دعاے خیر کے طالب ہوں اور اس کی صحبت و برکت حاصل کریں۔ جو اسکی عظمت و تقدس کا اعتقاد اپنے ساتھ لے جا کے دنیا کے دور و دراز مقامات میں پھیلاتے تھے۔

انھیں دوزخ آتفا تا خاندان عباس کے دوسرے خلیفہ منصوب نے ایک سفر کیا اور اثنائے سفر میں اس کا گزر اس جانب ہوا۔ وہ خود تو اپنی پولیٹیکل

ضرورتوں میں پھنسا رہا اگر اس کے ہمراہیان رکاب میں سے ایک سردار نے جو اس
 درویش کا شہرہ سُن چکا تھا بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس مسند فقر کے بادشاہ
 کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مقدس درویش نے اس کی طرف چند ان توجہ نہ کی۔ مگر
 اس کے دل میں خدا نے کچھ ایسا ذوق پیدا کر دیا تھا کہ درویش کی لاپرواہیوں
 سے شکستہ دل نہ ہوا اور زیادہ انکسار اور عاجزی کے ساتھ اس کی خدمت
 میں مصروف ہو گیا۔ اس امیر نے چند روز تک اس درویش کی خدمت کی اور
 ایک عرصہ کے بعد جب اُس درویش کو اس کی طرف کچھ توجہ ہو چلی تھی ایک دن
 برسبیل تذکرہ اس نے دست بستہ اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کی "ہمارے
 خلیفہ کا ارادہ ہے کہ ایک جدید شہر آباد کریں جو تمام ممالک محروسہ اور ساری دنیا
 اسلام کا مرکز اور مستقر خلافت قرار پائے۔ اگرچہ یہ ارادہ مشکل ہو گیا ہے مگر
 ہنوز کوئی جگہ اس شہر کے لیے نہیں تجویز کی گئی" یہ سن کے وہ درویش چھین
 بولا "اگر کسی کو اگلی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کا یقین ہو تو وہ یاد رکھے
 کہ یہ مقام جان ہم نیٹھے ہیں یہاں پر کوئی بادشاہ جس کا نام مقلس ہوگا
 ایک شہر آباد کرے گا۔ اور یہی شہر ہوگا کہ دنیا بھر میں اس کی دعوت ہو جائے گی۔
 مگر شاید ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ اس لیے کہ تمہارے بادشاہ کا یہ نام نہیں
 اس کا تو کچھ اور نام ہے"

چند روز بعد وہ امیر درویش کی خدمت سے کنارہ کش ہو کے
 اور اس سے رخصت ہو کے پھر حاضر دربار خلیفہ ہوا۔ اس نے خلیفہ سے
 وہ درویش کی پیشین گوئی اور بیروہ کسی بادشاہ کا نام مقلس بیان کیا
 اتنا سنا تھا کہ خلیفہ منصور از خود درفتہ ہو کے نہ میں پر گر پڑا۔ پھر سنفل کے
 نہایت ہی عاجز و الحاح سے درگاہ جناب باری میں شکر گزار ہوا کہ یوں الہامی
 طور پر اسے تعین دار خلافت کے لیے ایک مناسب مقام بتایا گیا۔ خلیفہ
 منصور کی یہ حالت دیکھ کے تمام اہل دربار سناٹے میں آ گئے۔ اور مزید
 حیرت زدہ ہو کے بادشاہ کی صورت دیکھنے لگا۔ آخر بھون نے دست
 بستہ عرض کی کہ "حضور ہا اس را نہ سربستہ کو ظاہر فرمایں کہ ہماری حیرت

دفع ہو۔“ خلیفہ منصور نے کہا ”ایک مرتبہ جب میں اور میرے بھائی جوان تھے
میں کچھ ایسا سنگدست ہو گیا کہ میں نے عاجز آنکے اپنی آتما کے کنگن حیرا لیے۔ مگر
جو رہی کما تک چھپی رہ سکتی تھی۔ آخر کسی طرح آتما کو معلوم ہو گیا کہ اس کے
کنگن میں نے چرائے تھے۔ ان دنوں خراسان میں مقلس نام ایک ڈاکو شوہو
تھا۔ میری آتما نے بنانے کے لیے میرا نام بھی وہی رکھ دیا۔ اور اس دن سے
مجھے ہمیشہ مقلس ہی کہہ کے پکارتی تھی۔ اب اس زہد گوشہ نشین کی زبان
سے سن کے مجھے یقین آ گیا کہ وہ موعود مقلس بیشک میں ہی ہوں میرے سوا
اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور اس ناریری کے کام کو سرانجام دینے کے لیے خدا
نے مجھی کو منتخب کیا ہے۔“

پس اسی وقت سے منصور نے شہر بغداد کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔
تمام قلمرو سے ڈھونڈھوا کے دو لاکھ کارگر جمع کیے۔ اور تمام مال و مصالح کا
ڈھیر لگا دیا۔ یہ اس متعدی ہی کا نتیجہ تھا کہ اتنا بڑا شہر صرت چار برس میں
تیار ہو گیا۔ جو دنیا کے بہت بڑے بڑے دار السلطنتوں پر چشمک نہی کرتا تھا۔
منصور نے اس شہر کا نام مدینۃ السلام رکھا تھا۔ لیکن اس نام کی شہرت نہ
ہوئی اور وہی قدیمی نام ہمیشہ باقی رہا۔ جس کے معنی ہیں بغ دیوتا کی نذر۔

سادہ لوحی ایشائی و ساسکی علی صفت ہے

یورپ کا ایک فرمان روا اور امیر اپنے وقت کا فیلسفہ اور لوجیکل شاطر
عالم و فاضل۔ ریاست اور حکمرانی کے جذبات و معاملات پر محیط ہے ایک ہمارے
ایشائی رگوسا اور نوابان نامدار ہیں کہ جس قدر بڑی ریاست کے مالک ہوں
گے اسی قدر سادہ لوحیوں کے پڑوسے اور حاققون کے ڈر بے ہوں گے
ریاستوں کی عام رعایا اور رئیسوں کے ملازمین میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ

اور مہاراجہ تو بالکل دیوتا اور فرشتہ خصلت اور پورے (نادان) ہیں اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ بالکل بیوقوف گدھے۔ ان کی دم فاختہ ہوتے ہیں۔ یعنی ان کو عیار اور خود غرض الٹکار وغیرہ خوب لوثتے کھسکتے اور اسے استرے سے خوب موڑتے ہیں۔ بعض کا مقولہ ہے کہ شہزادے اور روسا زادے تو یہ بھی نہیں جانتے کہ گیہون کا درخت کتنا بڑا ہوتا ہے اور اس کے سایہ میں کتنے آدمی اور گھوڑے سیرائے سکتے ہیں۔ اور ہمارے مہاراج تو ایسے بھولے بھالے اور سیدھے سادھے ہیں کہ ان کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ شب کو کیا کھا یا تھا۔ صبح کو بغض دیکھ کر حکیم صاحب ہی بتائیں تو بتائیں کہ معدے میں امتلا کا یہ باعث ہے کہ حضور معلیٰ شام کے وقت نانا سچ سمجھ کر مکی کے ادھر کمرے بھلبھلائے بھٹے ڈکار گئے اور ادھر سے چورن کی چٹکی بھی نہ بھانکی۔

چال کرنا چاہیے کہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں ہزاروں اور لاکھوں رعایا کی گردنیں ہیں جب ایسے نادان اور سادہ لوح اور سفاک اور حماقت کے پتلے ہوں گے تو انصاف کیونکر ہو گا۔ عیار الٹکار اور شیرجہ جاپنا گے کریں گے رعایا اور راج دونوں کو لوٹ لوٹ کر کھائیں گے۔ تعلیم اور تربیت تو پہلے ہی سے نہیں۔ اسی خدا کا دیا ملک و دولت رب کچھ موجود ہے ہمارے مہاراجہ اور نواب صاحب کیا علم اور ودیا لیکر مولوی اور پنڈت بنیں گے۔ لکھنا پڑھنا تو نوکری چاکری کے لیے ہوتا ہے ہمارے مہاراج کے خود ہزاروں نوکر چاکر ہیں۔

جب سادہ لوحی اور حماقت رُوسا اور نوابوں کی علی صفت ہے۔ تو اب عقلمندی۔ دانائی۔ علم و فضل کیا اپنا سر دیواروں سے چھوڑے اور یہ کن لوگوں کی صفت ہونی چاہیے رُوسا کا مرتبہ انسانوں میں ایسا ہے جیسا انسانی جسم میں سر اور داغ۔ لیکن رُوسا اور امرا کو یہ نصیحت کیا صرف اس لیے ہونی چاہیے کہ وہ ایک کٹھ پتلی کی طرح تخت پر بٹھا دیے گئے ہیں اور جس طرح بت پرست اپنے بتوں کی تعظیم کرتے ہیں اسی طرح رعایا اپنے حاکم کی تعظیم کر

گو وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ بت اپنے اوپر سے کھینچ کر نہیں اڑا سکتا نہ ہلو کوئی نفع
یا ضرر پہنچا سکتا ہے۔ اور درحقیقت لاکھوں آدمی اپنے راجہ مہاراجہ کو
ادتا راور دیوتا سمجھتے ہیں اور جب کبھی ہمارا ج کی سواری نکلتی ہے تو ان کو
رام جی کا گھوڑا (نیلکٹھ) سمجھ کر ڈنڈوت کرتے ہیں۔ ان کے سامنے دور سے
ماتھا ٹپکتے ہیں۔ اپنے ہمارا ج کی اطاعت کرنا بیشک ہنود کا مذہبی خیال ہے۔
خواہ ان پر کیسا ہی ظلم ہو مگر وہ اپنے ہمارا جہ کے مقابلے میں دوسرے شخص کا
حاکم ہونا ہرگز گوارہ نہ کریں گے وہ کبھی نہ چاہیں گے کہ حکومت اس دیوتا کے
ہاتھ سے چھین جائے۔ ان کا مذہبی خیال ہے کہ لاکھوں آدمیوں پر ایک شخص
کا حکومت کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں جب تک اس پر نارائن اور بھگوان کا
ہاتھ نہ ہو۔ بس ضرور نہ نکار جوتی سر دپائے ہمارے ادتا ر (ہمارا ج)۔ میں
اتار کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسار سے کہیں بڑھ کر ان کی
رعایا سادہ لوح اور احمق ہے ورنہ فرزندوائی محال ہو جائے۔ وہ بجز
مذکورہ بالا مذہبی خیال کے مطلق نہیں سمجھتے کہ حکومت کے حقوق کیا ہیں
اور رعایا کے حقوق کیا۔

یورپ کی دنیا عقلمند ہو گئی۔ اس نے اپنے اور گورنمنٹوں کے حقوق
کو بھانپنا کیا طاقت ہے کہ یورپ کی کوئی گورنمنٹ اپنی رعایا کے جائز اور
مسلم حقوق میں مداخلت یا ان کی مجوزہ آزادی میں مزاحمت کر سکے ورنہ
گورنمنٹ ہی نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ شخصی سلطنتیں نوعی اور جمہوری سلطنتوں
سے بدل ہو گئی ہیں۔ ریپبلکن فرانس ریپبلکن امریکا میں کوئی بادشاہ نہیں رہتا
برائے نام ایک چیرمین یا پریسڈنٹ ہوتا ہے جس کے ذریعے سے مجاں شور
کی کارروائی پوری ہو سکے۔ ان ممالک میں اگر کوئی چیرمین فی الحقیقت ایسا ہی
ہو جیسے ہمارے راجہ مہاراجہ نواب وغیرہ ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ
تمام سوسائٹی مذہب ہو اور ایک ایک ممبر پوپٹیکل معاملات اور ان کے حل
و عقد میں آفت کا ر بلا کا ٹکرا ہے ان کے مقابلے میں جاپا رہ چیرمین کیا
کر سکتا ہے۔

ہمارے روسا کو کچھ تو ماتر بیت یا فنگی نے چر لیا۔ اور اگر کچھ بھی سہمی تینز اور عقل بھی تو عیاشی کی مذہب ہوئی۔ بعض کو اقم کے اپنے نے جت کیا اور بعض کو خراب خانہ خراب نے غور سے دیکھے تو ایشیائی روسا کی حکمرانی کا حاصل اور نتیجہ بجز عیش پرستی اور شہوت رانی کے کچھ بھی نہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جب رئیس کی یہ حالت ہوگی تو وہ اپنے اہلکاروں اور مشرکوں سے ضرور دبے گا۔ اور جو کچھ وہ کہیں گے کان دبا کرے اتنا پڑے گا۔ کیونکہ اہلکار ہی شراب خوری اور عیاشی کے لیے راتب دیتے ہیں۔ اگر ہمارے ارج ذرا بھی چین چہر کریں گے تو خاوار لگام یا چھون میں دیدی جائے گی۔ نہ چون کا تو بڑا منہ پر چڑھا دیا جائے گا۔ راتب بند ہو گا۔ پھر تو ہمارا جہ صاحب گناہس دانہ کے لیے ٹاپتے پھریں گے اور اگر کوئی رئیس یا امیر زادہ کسی کی دیکھا دیکھی یا اپنے نفع نقصان کے خیال سے حساب و کتاب وغیرہ معاملات کی دیکھ بھال۔ جا بچ پرتال اور ان میں کڑبوت اور چھانٹ چھوٹ کرنے لگا۔ پھر تو وہ غل غپاڑہ ہے کہ تو باہر صاحب اب تو ابصا جب کبھی کی مشکین باندھنے لگے۔ تلون سے تل نکالنے لگے۔ کہ تلون پر مہر کرنے لگے۔ وغیرہ۔ الغرض خود غرضوں سے کسی طرح بچاؤ نہیں۔

زندگی کے خد قابل عمل اصول

ناکامی کا رونا۔ آپ اس شخص کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے جو کبیل تو بننے کا خواہشمند ہے مگر اپنا بہت سا وقت طبیوں کی مجلس میں گزارتا جو اور ہر وقت طبی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتا ہے۔ کیا وہ ایسا کر کے کبھی بھی ایک اعلیٰ درجہ کا وکیل بن سکتا ہے؟ کبھی نہیں! اس کو تو ہر وقت یہ چاہیے کہ قانونی ماحول میں وقت گزارے اور جہاں بھی قانونی واقفیت کے حصول کا امکان ہو وہاں جاے اور اس خیال سے اس وقت تک پٹا نہ چھوڑے جب تک کہ اس کو قانون کی حقیقت خود واقفیت نہ ہو جائے اور اس خیال سے وہ قانونی جسم میں اس طرح بیوست ہو جائے کہ قانونی خون اسکی رگوں تک میں دوڑنے لگے۔

اس شخص کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایک بہت ہی بڑی مدت و زحمت ہوگی جس پر کامیابی کے

ماحول نے اپنا تسلط جمایا ہے جو اپنے آپ کو نہایت حقیر و زنا چیز سمجھتا ہے جس کی زبان پر ہمیشہ
 ناکامیابی کا ردنا ہے جس کے داغ میں ناکامی سائی ہوئی ہے جو اپنی راہ میں لامتناہی شکلات کا
 شکاری ہے۔ اور جس کا ہر قدم ناکامی کی طرف ہی اٹھتا ہے۔ ذرا سوچئے کہ ایسے آدمی کو منزل مقصود
 پہنچنے کے لیے کتنا زمانہ درکار ہو گا؟ کیا کوئی شخص ایسے آدمی پر یقین یا ایسے شخص کی کامیابی کی توقع
 کر سکتا ہے۔ بہت سے ناکامیاب اشخاص کے منزل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو حقیر سمجھتے ملتے ہیں۔
 اور..... اپنی ذات کے متعلق ان کے دل میں شبہات پیدا ہوتے شروع ہو جاتے ہیں ان کو اپنی
 قوت بازو پر بھروسہ نہ رہ کر اس وقت سمجھ لیجئے کہ غلو نے اپنی دشمنی کے آگے سمجھا کر ڈال دیے جب کبھی آپ اپنی
 ناتجربہ کاری اور بیادیت کی کمی کا اعتراف کرتے ہیں تو اپنی قوت اعتماد کو ضعیف کرتے ہیں اور ایسا کرنا
 دراصل تمام کامیابیوں کی جڑ پر کھڑکی مارنے کے برابر ہے۔

بیست ہمتی کے خیالات۔ جب تک آپ ناکامی کی فضا میں رہیں گے اور شکوک و شبہات میں رہیں گے
 آپ کے داغ میں ہرگز کامیابی نہیں آسکتی۔ اس وقت تک کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ ناکامی کے تمام خیالات کو بے اثر کر
 سحر کر دیجیے تو ہی دل اور سخت کوشش کے ساتھ منزل مقصود کی طرف قدم اٹھائے۔ اگر آپ ایسا کریں
 گے تو بہت جلد حالات بدل جائیں گے لیکن اس نئی دنیا میں پہنچنے سے قبل اس کا تخیل ضروری ہو جسے
 آپ کے تخیل میں ہوگی جس سے پر آپ کا عقیدہ جم جائیگا۔ جس کے محال کرنے سے آپ گمراہ ہو کر کوشش
 کریں گے۔ آپ اسی کے قریب ہونے چلے جائیں گے اپنی ذات پر بھروسہ کر و ہر غمہ کا نار نہیں
 ڈھٹا ہے۔ یعنی ہر کامیابی کی پہلی اپنی ذات پر بھروسہ کرنا ہے جو مجھے ایسے بہت سے لوگوں کا حال معلوم
 ہے جو میدانِ لازمات کے لیے دوسرے دوسرے بھروسے ہیں اور انھیں لازمات نہیں ملی اس کا سبب یہ ہے
 کہ جب کبھی وہ دفتر میں ان کی چال و چلن دیکھتے ہیں ان کی ذاتی کمزوری اور اپنی ذات پر
 بھروسہ نہ کرنے کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ ان کا جہر ان کی وضع ان کی ناکامی کی پیشین گوئی کرتے
 ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سپاہی جنگ میں شریک ہونے سے قبل ہی اپنی شکست کا اعتراف
 کر لے ایسے شخص کا وجود ہی اس کے خلاف زندہ شہادت ہے۔

انسان میں کمزوری نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ممکنات کا ہمیں اپنی ذات پر دراز راہ و اعتماد
 تو ہم نسبت بہت زیادہ کام کر سکتے ہیں اور اگر ہم اپنی قدرت کو سمجھ لیں تو ہمارے عقیدہ میں شکی پیدا ہوگی
 ہے۔ انسانی پستی کا قدریم خیال ہمارے راستہ میں آگے حامل ہوتا ہے۔ خدا نے جس انسان کو بنایا ہے وہ
 کامل و مکمل ہے لیکن ہم میں سرافروہ ہیں جو صرف انسان صورت میں مگر انسان نہیں۔ خدا کے

بنائے ہوئے انسان میں کوئی کرداری نہیں ہے ہم میں تو کچھ بھی کر دے اور وہ خود ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔

ہو در و کا ایک گڑبج جس کو بی۔ اسے پاس کیے کئی سال ہو گئے گھٹا ہر کاپی ذات پر بھر دس نہ رکھنے ہی کی وجہ سے میں ایک ہفتہ میں بارہ ڈالر سے زیادہ کبھی نہ کما سکا۔ ایسے لوگوں میں ذمہ داری کو قبول کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ان کی بڑی اپنی ذات پر اعتماد کی قانیت کو برباد کر دیتی جو مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر اپنی ذات پر بھر دس نہیں رکھتے۔ ہمیں اپنی قوت کا اندازہ نہیں ہوتا انسان کو خدا نے ایک فلاح کی طور پر اپنا سرا ادنیٰ کر کے چلنے کے لیے پیدا کیا تھا۔ ایک غلام کی طرح نہیں ہمیں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے پیدا کیا تھا تاکہ ہم زندگی کے لیے نہیں خدا کے دیے ہوئے فطری حق کو منوانے کے لیے ہم پیدا کیے گئے تھے اس لیے اپنے آپ کو فقیر سمجھنا جرم ہے۔

اعتماد علی النفس۔ اعتماد علی النفس انسان کی جملہ قوتوں میں ایک خاص نظر اور ترتیب پیدا کرتا ہے اور اس تمام مجموعی قوت کو ایک رستے کی طرح ہٹا دیتا ہے۔ اس کے لیے یقین ضروری ہے اور اس کی وجہ سے لوگ ہم پر بھر دسہ کرتے ہیں۔ شاید کوئی ایسی مہم ہو جو اس کی عجیب و غریب قوت سے سر نہ ہو گئی ہو ایجاد و اختراعات۔ صنعت و حرفت اور انکشافات میں جو کامیابیوں حاصل ہوئی ہیں۔ ان میں سے اسی سحر آمیز قوت کی کار فرمایاں نظر آتی ہیں ذرا سوچئے تو سہی کہ تہذیب کے سر پر اس کے موجود انکشافات کرنے والوں ریل کی تعمیر کرنے والوں کان کو ترقی دینے والوں شہروں کو آباد کرنے والوں کے زبردست اعتماد کا کس قدر احسان ہے اسی نے علم اور فن جنگ میں ایسی ہزار ہا قیمتیں حاصل کی ہیں جن کو بعض کر در ال شکی لوگوں نے مکمل خیال کر رکھا تھا۔

اعمال خیالات۔ اگر آپ اعلیٰ درج کے حصول کی خواہش رکھتے ہیں تو آپ کو ہمیشہ اپنے ذہن میں اپنے ہی خیالات رکھنے چاہئیں۔ اور اس بات کو ابھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ آپ اسی خدا کا بیانیہ حاصل کر سکیں گے جس حد تک آپ اپنی ذات پر بھر دسہ ہو گا۔ اگر آپ اپنے دل میں اپنی ذات کے متعلق شہادت پیدا ہو گے تو آپ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیابی کے خیالات ہی آپ کے

مخلی جانیں گے اور یہ کامیاب ہوں گے۔

مخلی جانیں گے اور یہ کامیاب ہوں گے۔

اخلاق

جادو کی تعریف ہم نے کتابوں میں بہت دیکھی اور زبانی بھی اسکی تاثیر کی کیفیت سنائیے مگر آج تک سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کیا چیز ہے اور اسکو خدا نے اتنی قدرت کیوں دی کہ جس کو چاہے تسخیر کر لے۔ ہماری الجھن ہمارے خیال کے ساتھ بڑھتی جاتی تھی اور اس گرہ کے کھلنے کی آرزو نے دل پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے اچھے خیالات نے کہاں تک پاؤں پھیلائے۔ اور ذہن کی خطا سے کیا کیا صورتیں پیش آئیں اور ان صورتوں سے کون سی باتیں پیدا ہوئیں۔ یا اللہ اگر جادو صحیح ہے تو اس کو دنیا میں ضرور ہونا چاہیے کیا اس کے رہنے کا کوئی اور عالم ہے؟ کیا اس کا اثر کسی خاص زمانے میں تھا اور اب وہ ان مشوق کی طرح غفا ہو گیا؟ نہیں نہیں اگر ایسا ہوتا تو ہنگامے کا جادو کیوں مشہور ہوتا جسے اس وقت سب مانے ہوئے ہیں کہ وہ ان کا جادو تیرے خطا ہے کیا وہ دنیا سے باہر ہے؟ وہ اسی ملک اسی سرزمین کے ایک حصے پر واقع ہے۔ ہم نہ سہی ہمارے بہت سے بھائی ہنگامے ہو بھی آئے اور ہنگامے کے کتنے رہنے والے ہم سے مل چکے ان سے برسوں کی بچی بھی رہی مگر یہ پچھار معاً کسی کے بند قبا کی طرح نہ کھلنا تھا نہ کھلا!

ایسی ہماری پرجوش آرزو شانے کو تھی اور شوق کی دہکتی ہوئی آگ سرد ہو چلی تھی کہ دفعتاً ایک خیالی تصویر سامنے آگئی۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کسی کی تصویر تھی یا چیز تھی۔ اس کی خوشنما وضع نے ہمارے دل پر قبضہ کیا۔ خدا جانے اس میں کونسی بات ایسی دلچسپ تھی کہ جس نے ہمارے منتشر خیالات کو جمع کر کے اپنی نظر کھینچ لیا۔ اس کا عالم فریب نقشہ آنکھوں کی میر کرنے لگا۔ ہنگامہ میں دوڑ کر لپٹ گئیں۔ جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ وہی جادو ہے۔ یہ تاثیر اثر اس کے حصے میں آیا جو کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت سے

زیادہ خوشی اور کبھی ہم کو ہونے ہو گی۔ دفعتاً آنکھ کھل گئی دل جو اس سے پہلے تو بہات کی تار کیوں میں گھرا ہوا تھا روشن ہو گیا۔ بس معلوم ہو گیا کہ گویا ابھٹ گیا اور دن کھل آیا حیرت و استعجاب نے داغ کو خیر باد کہا اور ہم وہ چیز پا گئے جسکی ہم کو تلاش تھی۔ کیا معزز ناظرین ابھی تک نہیں سمجھ کر وہ تصویر کیا تھی۔ جو جادو کے بھیس میں جلوہ گر ہوئی۔ سبھی ہم آپ ہی بتائے دیتے ہیں نہ وہ تصویر تھی نہ سحر کا پتلا تھا۔ فقط اخلاق کی ایک جھلک تھی جس نے ہکوفین و لادیا کے جادو اسی سے عبارت جزا اور جادو بھی کون ہا چلتا ہوا جو بات کرتے غیر کو اپنا دشمن کو دوست۔ مخالف کو موافق۔ خوف کو مطیع۔ بیگانے کو آشنا بنا لیا کرتا ہے۔ کیا اخلاق تسخیر کی کنہ ہے جس کا ہر حلقہ دل کو شکار کرتا ہے۔ بلکہ ایک پیر بھال محبوب ہے جو اپنے ملائک فریب حسن کے ذریعہ سے کسی کو بھانے اور اپنی طرف پکھنچنے لینے میں وہی اثر رکھتا ہے جو لوہے کے جذب کرنے میں مقناطیس کو حاصل ہے۔

جن لوگوں کو کیا کی تلاش ہے وہ دو طریق اور اخلاق کو عمل میں لائیں اور دیکھیں کہ یہ نسخہ کیسا سریع التاثر ہے اور کیا کیا کام دیتا ہے۔

ہم مجھے وہ زمانہ خوب یاد ہے جب میں نے اپنے آپ کو ایک شخص غیر کے حوالے کر دیا تھا اس وقت میری زندگی معرض ہلاکت میں تھی۔ میں بہک کر کسی کا فر کا کلمہ پڑھنے لگا تھا اور لوگ مجھے سچو جاننے لگے تھے اب کیا میں سمجھ نہیں سکتا تھا کہ یہ بڑا دیر سے لیے پڑا نتیجہ پیدا کرے گا۔ مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ میں اپنی غلطیوں کا اقرار بھی کرتا تھا اور پھر آہستہ سے اپنے پاؤں میں کھڑی مارنے کو تیار تھا آخر وہ کون تھا جس نے میرے پاؤں ایک دائرے کے اندر جکڑ دیے تھے کہ میں نے اس کے بازو کھنکھاتا تھا اور نہ کھل سکتا تھا۔ کس نے میرے دل کا قالب پھیر کر ایسے غیرانوس خیال کو قائم کر دیا تھا کہ وہ داغ و دل کی طرح ٹھننے کا نام نہ لیتا تھا۔ وہ کیسا مضبوط طلسم تھا کہ میں لاکھ لاکھ زور کرتا تھا۔ اور وہ میرے توڑے ٹوٹتے تھے نہ وہ ان عشق و محبت کو دخل تھا نہ یگانگی و قرابت سے سرو کار تھا۔ سچ بوجھ تو سارا کھیل اور ساری کارروائی اسی اخلاق کی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کسی نے پر زور اخلاق نے کیا اثر ڈال دیا تھا اور اس اثر میں کس قدر قوت تھی۔ ہمارے کوئی منتر کوئی جادو کوئی کرامت کوئی اعجاز بھی تو ہوا

ہوگا۔ اسے اخلاق کے بنانے والے تو نے اپنی عنایت سے ہر ایک بڑی نعمت عطا کی جو جس کی لذت نے ہر ایک ہمارے دل ہاری روح کو اپنا ممنون بنا لیا ہے۔ اگر یہ صفت ہم میں فی نفسہ موجود ہے تو اس پر ہم کو ناز کرنا زیادہ ہوگا۔ یہ صفت ہم کو بہت سے صفات حمیدہ کا منبع بنا سکتی ہے۔ ہم کو اس کی قدر ضرور کرنا چاہیے۔ اور نہ کرنا تو اس سے زیادہ کفران نعمت کیا ہے۔ وہ پاکیزہ جو ہر بھی ہے کہ جس کے شرف سے آدمی اثرات الخیالات کا مصداق بنتا ہے۔ اس لطیف جوہر کی قدر دہی جان سکتا ہے جس کو اس کی قیمت سے کچھ حصہ حاصل ہو چکا ہے۔ جس آدمی کو اخلاق کا حصہ نہیں ملا اُس کی مثال بعینہ اس چول کی سی ہے جس میں نہ رنگ کا لطف ہو نہ خوشبو کا مزہ! ایسے پھول کی طرح کسی کو انتفاع نہیں ہوتا۔ اور نہ کوئی اس کے توڑنے کو ہاتھ بڑھاتا ہے نہ اسے لینے کو دس پھیلاتا ہے۔ وہ پھول بے قدری کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور رنگ چن سمجھا جاتا ہے۔ گچھین کے دامن تک بھی اس کی رسائی نہیں ہوتی۔ وہ یونین اپنی بے رنگی اور بد قسمتی کی فیرت کو کھ سولہ کر لے کر صرصر خزان ہو جاتا ہے۔

نخلان اسکے اخلاق والوں کی مثال ہے۔ دنیا میں ایک ترناڑہ خوش رنگ پھول ہیں۔ سارے باغ کی بہار انھیں پھولوں کے دم سے جوان کی دل آویز خوشبو تمام دنیا والوں کے دماغ کو عطر سے سیاتی رہتی ہے اور گچھین زمانہ کے دامن میں ان سے زیادہ دلکش اور کوئی پھول نہیں ہوتا ان پھولوں کے گرد دنیا والوں کا ہجوم سی طرح رہتا ہے جیسے کسی شیریں چشمے پر پیاسوں کا جھرمٹ ہو۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

ہر کجا چشمہ بود شیرین
مردم و مرغ و لہر گرد آید

اللہ کے پیارے بندے کیا خوش نصیب ہیں جو اخلاق کے عمدہ لباس سے آراستہ ہیں وہ اپنی خوشبود دنیا کے ہر گوشے میں پھیلا رہے ہیں۔ ان کی نیک خوئی اُن کو دنیا کی مبارک باد دے رہی ہے۔ ان کی خیر اندیش دماغ اور اُن کی انصاف پسند دل میں یہ مضبوطی کے ساتھ قرار پا چکی ہے کہ ہر دل جو بڑے ہونے اور دوست دشمن کی نگاہ میں وقعت پانے کا ذریعہ اخلاق کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اُن کے ہزاروں عباد اُن کی ہزاروں بیانیان ایک اخلاق کے دامن میں چھپی ہوئی ہیں۔ جن کو کوئی دیکھ نہیں سکتا اور دیکھتا ہے تو زبان پر نہیں لاسکتا۔ کیونکہ اُن کی خوشخوئی کی لذت دشمنوں کے لبوں پر

نہ لگا دیتی ہے۔ اور وہ ہر جب ڈھلتی ہے تو زمین ہی کی آواز اس سے نکلتی ہے۔
 بہت سے بد نصیب بھی اس آسمان کے نیچے بستے ہیں جن کو بد خلقی کے
 ماحقوں پالا بڑا ہے وہ اسی میں مست ہیں اور اسی کو اپنا قبلہ بنا لے ہوئے
 ہیں۔ اُن کو ذرا خبر نہیں کہ ہماری کج خلقی بابرکت حق میں کیا پس بول رہی ہے اور دنیا
 والوں کے دلوں پر کیسا اثر ڈال رہی ہے!

ان بد نصیبوں سے لوگ اسی طرح بھاگتے ہیں جیسے کوئی کالے سانپ
 سے۔ اُن کی بد اخلاقی کی باتیں دلوں میں پھونک کر دہی کام کرتی ہیں جو تلوار
 کا کاری دار کرتی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ ہماری کج خلقی نے کتنے دلوں میں ناسور
 ڈال دیے ہیں وہ نہیں جانتے کہ جس کی ہم دل خراشی کرتے ہیں وہ خارجی سحر ہم کو کیا کتا ہوگا۔
 یہ سحر بات ان کو نہ سونگنے کو ترس گئی اچھے الفاظ کا ذوق کبھی ان کی زبان کو نصیب نہ ہوا۔
 کیا وہ بھی اپنے دل سے سمجھتے ہوں گے کہ ہم آدمی ہیں یہ نہیں آدمی
 تو وہ ہے جو آدمیت رکھتا ہو۔ اور آدمیت سے عبادت خوش خلقی اور
 نیک خوئی ہے۔ پس فیصلہ اسی پر ہے کہ جس میں اخلاق نہیں! اس میں آدمیت نہیں
 اور جس میں آدمیت نہیں وہ آدمی نہیں ہے۔

آدمی را آدمیت لازم است عود را اگر بوباشد ہیزم است

مولیٰ خواجہ زادہ

از نواب مولانا شریع الرحمن نقوی

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو دگلہ از ماہ مئی سنہ ۱۳۵۷ھ

ایک مرتبہ سلطان محمد خان کی صحبت میں بیٹھے بیٹھے خدا جانے کیا دل میں آئی کہ دعویٰ کر بیٹھے مجھے عیاً خواجہ زادہ پر ترجیح ہے۔ اول تو خواجہ زادہ کے علم کا بہت شہرہ تھا۔ ثانیاً خود بادشاہ کے استاد تھے۔ الغرض مولانا زبیر کے یہ دعویٰ سلطان کو ناگوار ہوا۔ اس وقت اس نے مولانا خواجہ زادہ کی طلبی کا حکم دیا۔ وہ آئے تو کہا ”آپ مولانا زبیر کے سے کسی مسئلہ میں بحث کیجئے“ بہر حال تو حید پر مولانا خواجہ زادہ کو ایک اعتراض تھا۔ انھوں نے وہی اعتراض لکھ کے مولانا زبیر کے پاس بھیج دیا۔ اور جواب طلب کیا۔ اس سوال و جواب کے بعد دونوں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دہ دہ مباحثہ کی ٹھہری۔ مولانا خسرو حکم پر بس گئے۔ اور وزیر محمود پاشا درمیان میں کھڑا ہوا تھا۔ پہلے مولانا خواجہ زادہ ہی نے زبان کھولی اور یوں تقریر شروع کی ”حضور سلطان اس کا لحاظ رکھیں کہ کسی بُرائی سے انکار کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دعویٰ سے بھی انکار ہو یعنی میں جو تو حید کی دلیل پر اعتراض کرتا ہوں تو کوئی یہ نہ خیال کرے کہ سداً اللہ مجھے اصل تو حید میں شک ہے) میں ڈرتا ہوں کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ خواجہ زادہ نے تو حید باجی سے انکار کر دیا۔ اتنا کہ کے انھوں نے اپنے اعتراض کی تقریر بیان کی مولانا زبیر نے جواب دیا۔ اور دونوں میں بحث بڑھی۔ دن تمام ہو گیا۔ اور جھگڑا نہ تمام ہوا۔ دوسرے دن بھی یہی ہوا۔ بیان تک کہ سات دن تک بالآخر سلطان کے سامنے بحث ہوتی رہی۔ بحث شروع ہونے کو جب چھ روز گزر گئے تو سلطان نے فرمایا کہ دونوں صاحب اپنے حریف کی تحریک کو دیکھائیں۔ مولانا زبیر نے کہا میرے پاس تو کوئی نقل نہیں ہے۔ لیکن مولانا خواجہ زادہ نے کہا میرے پاس جو یہ ہیں ان کو دیے دیتا ہوں اور اپنے لیے اس کی نقل کیے لاتا ہوں۔ وزیر محمود پاشا نے فوراً قلم و دوات سامنے رکھ دیا۔ اور وہ کہنے لگا۔ اس وقت سلطان نے ہنس کے مذاقاً کہا، مولانا زبیر کی تقریر غلط نہ لکھے گا؟ یہ سن کے خواجہ زادہ بولے ”حضور میں غلط بھی لکھوں گا تو ان کی غلطی سے بڑھ کر نہ ہو گا“ ساتویں روز ثابت ہو گیا کہ خواجہ زادہ کو مولانا زبیر پر غلبہ حاصل ہوا۔ سلطان محمد ثانی نے خواجہ زادہ کے غلبہ کا یقین کر کے انھیں کی طرف مخاطب ہو کے کہا ”جناب مولانا۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

جو کوئی جہاد میں کسی کو قتل کرے تو اس کا ساتھ و سامان اسی قاتل کا حتیٰ ہزار اور آپ نے علم کے اعتبار سے اس شخص کو قتل کیا اور میں اس کا گواہ ہوں۔ لہذا اس کا مدرسہ بھی میں نے آپ ہی کو دیا۔

اس زمانہ سے مولانا خواجہ زادہ اس مدرسہ قسطنطنیہ کے مدرس ہوں اور نہایت توجہ اور سرگرمی سے درس دینے لگے۔ اسی عہد میں انھوں نے سلطان کے فرمانے کے مطابق کتاب ”تہافت“ تصنیف کی۔ آخر یہ زمانہ بھی گزر گیا۔ اور چند روز بعد آذربائیجان کی فاضلی مقرر ہوئے اسکے بعد پھر خاص قسطنطنیہ کے فاضلی ہوئے لیکن پوچھیں گے کہ ان عہدوں پر اصل ان کو نقصان پہنچا یا۔ ان کی ذہانت اور ذکاوت طبع اس درجہ کی تھی کہ اگر انھیں اشغال علمی میں مصروف رہتے تو بے شک دنیا ان کی نظر پیش کرنے سے عاجز آ جاتی۔ لیکن افسوس ان کو دنیا دی جھگڑوں میں پڑ کر اس ترقی کی طرف سے منہ پھیرنا پڑا۔

یہ قسطنطنیہ کے فاضلی ہی تھے کہ سلطان محمد خان نے کسی وجہ سے محمود پاشا کو معزول کر کے محمد پاشا قرمانی کو خلعت وزارت دیا۔ وہ مولانا علی طو کاشا گرد تھا۔ اور اس بنا پر اسے مولانا خواجہ زادہ سے ولی مخالفت بلکہ قطعی عداوت تھی۔ اس نے ایک دن بادشاہ سے جڑ دی کہ مولانا خواجہ زادہ فرماتے ہیں قسطنطنیہ کی آب و ہوا میرے نہایت ہی خلاف ہے۔ میں نے جو کچھ بڑھا لکھا تھا وہ بھی بیان بھول گیا۔ اور قسطنطنیہ کی جگہ شہر آرمین کی آب و ہوا کی تعریف کرتے ہیں۔ سلطان کو اپنے متبحر استاد کے ساتھ ہر طرح کی رعایت منظور تھی۔ اس نے کہا ”اگر وہ یہ فرماتے ہیں تو میں نے اس شہر کا عہدہ قضا اور وہاں کا مدرسہ دونوں انھیں کے سپرد کیے“ اگرچہ سلطان نے انھیں کی خوشی سمجھ کے ان کو وہ عہدہ دیا تھا مگر ان کو مجبوراً اور صرف فرمان شاہی کی پابندی میں قسطنطنیہ چھوڑنا پڑا۔ چند روز آرمین میں دونوں خدمتیں سرانجام دیتے رہے پھر عہدہ قضا سے استعفا دے دیا اور کہا ”یہ میرے مشاغل علمی میں اشغال انداز حیات اور بڑا وقت و ہمان کے مدرسہ کی اصلاح و تعلیم میں صرف کر سکتے تھے۔ اور اس کام میں مشغول تھے کہ سلطان محمد ثانی نے انتقال کیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون“

سلطان محمد خان کے انتقال نے انھیں بڑا صدمہ دیا۔ گو اس کے زمانہ میں بعض سوتھون پر ان کی دل شکنیاں ہوئی چوں گی۔ مگر سچ یہ جو کہ وہ ان کا بڑا سچا قدروں تھا۔ اسی کی توجہ سے یہ اس پاپیہ کو پہنچے تھے۔

ان دنوں انھوں نے آرمین کو چھوڑ کے قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ وزیر قرانی زندہ تھا۔ یہ اپنے خیر پر سوار ہو کے اس سے ملنے کو گئے۔ لیکن اس شان سے کہ ان کے شاگردوں کا بڑا گروہ انھیں اپنے گھر میں لے لیا۔

ان کے شاگردوں میں سے مولانا راج الدین اور مولانا بہا الدین جو قسطنطنیہ کے آٹھ مدارس میں سے ایک ایک کے مدرس تھے۔ اور مولانا مصلح الدین جو قسطنطنیہ کے مدرسہ مراد پاشا کے مدرس تھے۔ یہ تینوں بھی ہمراہ رکاب تھے۔ ان کو اس شان سے دیکھ کے وہ گھبرا اٹھا۔ تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے مکان میں لے گیا۔ ان کو صدر مقام میں بٹھایا۔ اور خود مودب بیٹھ گیا۔ اور مولانا عروج کے شاگرد دست بستہ سامنے کھڑے تھے۔ کچھ دیر تک ان سے باتیں کرتا پھر جب مہرج رخصت ہو کے اٹھے تب بھی اسی شان و شوکت سے واپس آئے۔ اور ان کے وہی شاگرد اسی ادب و تعظیم سے ہمراہ رکاب تھے۔ مولانا تو اس سے مل کے چلے گئے۔ مگر اُس کے دل میں ایک نہایت ہی یحییٰ کرنے والا خیال چھوڑ گئے۔ وزیر قرانی کو اپنی گذشتہ کارروائی پر اب ندامت ہوئی۔ اس نے ایک آہ پر سوز چینی اور ندامت کے ایچے میں کہا "افسوس میں نے ان کی وقعت مٹانا چاہی اور نہ مٹا سکا۔ اور یہ بھی نہ خیال کیا کہ ان کی قدر و منزلت جو کچھ ہے علم و فضل کی وجہ سے ہے عہد سے کوئی علاقہ نہیں"

ابھی یہ بتانا باقی ہے کہ مولانا خواجہ زادہ اس مرتبہ قسطنطنیہ میں آئے کس غرض سے تھے۔ وزیر قرانی نے مولانا خطیب زادہ کو براہِ نمحنت کر کے اس حد تک تک پہنچا دیا تھا کہ ان بزرگی نے بے سوچے سمجھے خواجہ زادہ سے مباحثہ کرنے کا دعویٰ کیا۔ اسی غرض سے وہ قسطنطنیہ میں آئے تھے۔ اور خطیب زادہ کے جواب میں انھوں نے فرمایا "وہ پہلے میرے شاگردوں سے مناظرہ اور بحث کر لیں۔ اور اگر ان پر غالب آجائیں تو میں خود جو فرامین اُس پر تعمیل کرنے کو موجود ہوں" مولانا خطیب زادہ

ان کے اس جواب کو اس بات پر محمول کیا کہ وہ شاید اس مباحثہ سے مُنہ جڑاتے ہیں۔ اُن کے اس قول کی خبر بھی خواجہ زادہ کو پہنچ گئی۔ اتنا سنتے ہی اُٹھوٹن نے اپنے ایک خادم کو شہر آذینق میں بھیجا اور کہا تم جانے دو ان سے میری کتابیں لے آؤ۔ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ خواجہ زادہ نے اپنی کتابیں منگوائی ہیں۔ اور جاتے جاتے شان پاشا کے کان میں گئی۔ جو قسطنطنیہ کے ایک تجربہ کار اور با اختیار عہدہ دار تھے۔ وہ فوراً وزیر قمرانی کے پاس دوڑے گئے اور کہا، ”کیا آپ خطیب زادہ کی بے ابروئی کے درپے ہیں؟“ اس نے کہا، ”نہیں تو،“ شان پاشا نے کہا، ”خواجہ زادہ کتابوں کے مطالعہ کے بعد پھر ایسے شخص تھوڑے ہی رہ سکتے ہیں جن سے کوئی زبان ملا سکے۔“ وزیر نے کہا، ”تو یہ معاملہ ہے،“ شان پاشا نے کہا، ”جی ہاں،“ بس اس کے بعد وزیر نے مناظرہ کو ٹال کے خواجہ زادہ کو حکم دیا کہ آپ آذینق میں تشریف لیجائیے۔ ان کو آذینق گئے چند ہی روز ہوئے تھے کہ سلطان محمد خان ثانی نے وفات پائی۔ اور سلطان بایزید خان فرمان روا سے دولت عثمانیہ ہوا۔ اس نے تخت نشین ہوئے ہی مدرسہ سلطانیہ تبرہ دسہ مولانا خواجہ زادہ کے سپرد کر دیا۔ اور اس کے ساتھ سو درہم روزانہ خواہ مقرر کی۔ پھر چند روز بعد اس نے انھیں تبرہ دسہ کا مفتی مقرر کر دیا۔

اب مولانا سے مدد و رح کی صنیعتی کا زمانہ تھا۔ اگرچہ ذوق علم تدریس اور افتاس دست کش نہیں ہوئے دیتا تھا۔ لیکن طاقت جواب دے چکی تھی۔ اور صورت تباہ دیتی تھی۔ کتاب ان میں ان امور کے انصرام و انجام دہی کی طاقت نہیں ہے جن کو وہ اپنے جسم اور قوی پر جبر کر کے انجام دیتے تھے۔ سخت مریض ہوئے۔ مرض نے دانا ہاتھ اور دونوں پاؤں بالکل سیکار کر دیے۔ لیکن یہ باوجود اس معذوری کے اپنے کام انجام دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب دانا ہاتھ بیکار ہو گیا تو بائیں ہاتھ سے فتویٰ لکھا کرتے۔ مگر یہ نہ تو تکرار خلق کو جو استفادہ کے لیے ان کی جانب مصروف ہو چکی تھی اپنے دروازے سے محروم جانے دین۔ بائیں ہاتھ سے فتویٰ لکھتے تھے۔ اور قاعدہ تھا کہ بغیر خوب اچھی طرح کتابوں کا مطالعہ کیے کوئی حرف استفتوں پر نہیں لکھتے تھے۔

اور مطالعہ کتب کا اس قدر التزام تھا کہ اس مسئلہ کو کوئی دوبارہ دریافت کرتا تو اس کے لیے پھر دوبارہ تمام کتابوں کو دیکھتے۔ اگر کبھی اس بیکار محنت کا سبب پوچھا جاتا تو فرماتے تھے کہ اگر اس معاملہ میں اس التزام کو چھوڑ کے مستی اختیار کروں گا تو خون ہے کہ ضرورت کے موقعوں پر نفس مستی نہ کرنے لگے۔ لہذا یہی مناسب ہے کہ ہمیشہ مطالعہ کتب کیا جائے۔ عام اس سے کہ مسئلہ معلوم ہی کون نہ ہو۔ فتویٰ دینے میں اُن کا یہ مسلک تھا کہ جب فتاویٰ میں یہ مسئلہ نہ ملتا تو اس موقع پر اپنی رائے اور قیاس سے کام لیتے۔

ایک بزرگ جوان کی درس گاہ سے نکل کے اپنے وقت کے علامہ بن ہو گئے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں جو اشیاء شرح مختصر جو سید شریف کے مصنف سے ہیں پڑھ رہا تھا۔ جب خواص ذاتی کی بحث آئی تو مولانا نے اپنے تمام اعتراضات کی جو اس بحث پر وارد کیے تھے تقریر کی۔ ان اعتراضوں کا حال میں بیشتر سے سن چکا تھا اور اہل علم میں اُن کی شہرت تھی۔ وہ اعتراضات اصل ایسے قوی تھے کہ ہم ان کو انجی کو شکش اور انجی تقریر سے کسی طرح نہ اٹھا سکے اسکے بعد مولانا فرماتے لگے ”سنو اگر یہ اعتراض خود سید شریف کے سامنے بیان کیے جاتے تو مجھے دعویٰ اور یقین ہے کہ وہ بھی ان کو تسلیم کر لیتے۔ لیکن اس سے تم یہ نتیجہ نہ نکالنا کہ میں اپنے یقین سید شریف سے کچھ بڑھ کے خیال کرتا ہوں۔ یا مجھے دراصل ان پر کسی قسم کی ترجیح ہے۔ ہرگز نہیں۔ سید شریف علوم دین سے استاد ہیں۔ میں نے ان کی کتابوں سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ اور پھر ان کی کتابوں کے بعد میں نے کسی اسلامی مصنف کی کتاب کو فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے نہیں دیکھا۔“

اس سے صاف ثابت ہے کہ مولانا سے مدوح میں انتہا درجہ کا انکسار تھا۔ اور بادیہ وجودیکہ دولت عثمانیہ کے تمام علما میں کوئی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اگر اپنے مقام پر انھیں کسی بات کا دعویٰ نہ تھا۔ دنیا کے کاروبار میں بہت کچھ بچنے مگر اُن کا مزاج وہی رہا جو پہلے تھا۔ لیکن خود کو دیکھتے تھے

ان دنیاوی کاموں نے مثلاً قضا و غیرہ نے میرے مزاج کو بگاڑ دیا۔ اگر خرابیاں نہ ہوتیں تو بے شک مجھ میں ایک عالمانہ شان ہوتی۔ ایک بار فرماتے تھے "میں بڑا جری بھی ہوں۔ اور بڑا بودا بھی ہوں" پوچھا گیا اس کے کیا معنی۔ بولے "جب میں کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کرتا ہوں پھر تو میری نظر میں کوئی نہیں چھپا بیٹا ہی بڑا شخص ہو میں اس کی شہرت و نامور عی کی ذرا نہیں پرہیز کرتا۔ لیکن جب کتاب میں میری نظر سے نہیں گزری ہوتی ہیں تو میں ادنیٰ ادنیٰ بچہ سے ڈرتا ہوں۔ اور خوف معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں مجھے طاقت نہ کر دے" اور اسی سبب سے ان کا قاعدہ تھا کہ بغیر مطالعہ کتب کیے نہ تو کوئی فتویٰ دستخط کرتے تھے اور نہ کسی سے بحث کرنے کا نام لیتے تھے۔ فرماتے تھے دنیا میں علم من مسم ذہن ایک تو وہ جو بیان بھی کر سکتا ہیں اور لکھ بھی جاتے ہیں۔ تو وہ عام علوم ہیں جو کتابوں میں مندرج ہیں دوسرے وہ علوم جن کا بیان نہ ہو سکتا ہے مگر تحریر میں نہیں آسکتے یہ وہ علوم ہیں جو مناظرہ میں کام آتے ہیں۔ اور جن سے بدجستگی اور حضور ذہن کے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اور قسب وہ جن کا نہ بیان ہو سکتا ہے اور نہ لکھ جاسکتے ہیں۔ پوچھا گیا پچھلی قسم کے کون علوم ہیں۔ فرمایا وہ ایسے رموز ہیں جو تحریر و تقریر سے نہیں ادا ہو سکتے۔ اور کوئی شخص کسی محسوس ذریعہ سے ان کو ظاہر بھی نہیں کر سکتا۔ ان جب کسی کو آ جاتے ہیں اور اُس کے ذہن میں ان کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو وہ اپنے ذوق کو اشارے وغیرہ مختلف ذریعوں سے ظاہر کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ ان کو کسی عبارت میں بیان کر دے۔ یا کسی تصنیف میں لکھ دے۔

ان دنوں چونکہ شاہان اسلام بھی علمی ذوق رکھتے تھے اور خصوصاً سلطان محمد خان قواس بارہ خاص میں اپنے خاندان کے تمام اگلے اور پچھلے فرماں رواؤں میں ممتاز ہو لہذا اگر مناظرہ کی ضرورت لاحق ہو جاتا کرتی تھی اور ایسے موقعوں پر گوے سبقت لیجا، علما کی فضیلت کا موجب خیال کیا جاتا تھا اور اسی بات میں مولانا خواجہ زاہد اپنے تمام معصرون پر ترجیح رکھتے تھے۔ اگر آپ معاملات پیش آئے کہ ان کے معصرون کو جن میں سے بعض بعض کو ان کے ساتھ بھی

تھا۔ مجبوراً علی رؤس الاشتماد ان کی فضیلت کا اعتراف کرنا پڑا۔
خود بیان فرماتے ہیں ایک بار میں وزیرِ قزاقی کی صحبت میں گیا۔ ایک طرف میں بیٹھا۔ اور دوسری طرف خیر الدین ہزدل بیٹھے ہوئے تھے۔ (خیر الدین ہزدل سے مراد مولیٰ خواجہ خیر الدین مرحوم ہیں جو سلطان محمد خان کے معلم اور استاد تھے) اتنی دیر میں افضل الدین کے بیٹے آ گئے۔ انھوں نے میرے پاس بیٹھنا کچھ ناپسند سا کیا۔ خیر الدین کے برابر جا کے بیٹھ گئے۔ اور یہ امر مجھے کسی قدر ناگوار بھی ہوا۔ باتوں باتوں میں علامہ سید شریف طاہر شاہ کے علم و فضل کا ذکر ہونے لگا۔ خیر الدین اور ابنِ افضل الدین دونوں نے باتفاق کہا کہ وہ اسلام میں اتنے بڑے شخص ہیں کہ ان پر کوئی اعتراض ہی نہیں وارد ہو سکتا ہے۔ اس پر میں نے کہا اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ بڑے مرتبہ کی مثال تھے۔ لیکن انسان سے ممکن ہے کہ کبھی خطا بھی ہو جائے۔ ہاں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دیگر علما کے مقابلہ میں ان سے بہت کم غلطیاں ہوئی ہیں۔ میری اس تقریر سے دونوں نے انکار کیا اور دعویٰ کیا کہ ممکن ہی نہیں کہ ان پر کوئی اعتراض وارد کیا جاسکے۔ میں نے کہا یہ نہ فرمائیے۔ علامہ تقی زادانی نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ علم کا کلام منطق کا محتاج ہے اس پر وہ اپنی فخر خواہی سے واقف میں اعتراض کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ایسا دعویٰ سوا اس شخص کے جو فلسفہ کے فضائل کا پرہیزہ چین ہو اور کوئی عین کر سکتا۔ لیکن نو سید شریف ہی نے شرح مختصر پر جو حواشی لکھے ہیں ان میں علامہ تقی زادانی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ تصدیق کرتے ہیں اور صاف کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ کیا ہے۔ تقریر کر کے میں فرمایا اس پر زیادہ صریح غلطی کوئی ہی ہوگی۔ دونوں فراموش عبارت کو تو مان لیا جو میں نے شرح مختصر سے نقل کی تھی لیکن حاشیہ شرح مختصر کی عبارت سے انکار کیا۔ میں نے کہا میرے پاس جو ان حواشی کا نسخہ جو اس میں مجھے یاد ہو کہ میں یہ عبارت دیکھنے صفحہ میں جاری سطروں کے بعد دیکھی ہے۔ وزیر نے کہا میرے پاس حاشیہ مذکورہ کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اور یہ کہہ کے اس نے منگوایا۔ وہ دراصل میرے خط تھا۔ اور اس کی غرض اس سے یہ تھی کہ یہ عبارت نہ برآمد ہو۔ اور مجھے آخر مخالفوں کے مقابلہ میں بسکی حاصل ہو۔ میں نے وزیر کے نسخہ کو الٹ پلٹ کے وہ عبارت نکال دی اُس کو دیکھتے ہی خیر الدین نے تو سر جھکا لیا۔ مگر ابنِ افضل الدین نے کسی قدر تاویلی کی لیکن دوسری بار باتوں میں ان کو بھی سکوت کرنا پڑا۔ اس وقت وزیر نے مجھ سے کہا

یامر لڑا آپ کے کلام میں ذرا سختی ہے۔ میں نے کہا بے شک سختی جو۔ لیکن دعویٰ باطل ہے۔ اس نے کہا تو کیا آپ اپنے طالب علموں سے بھی اسی درشت مزاجی سے گفتگو کرتے ہیں میں نے کہا سختی کیسی میرے شاگردوں میں سے اگر کوئی ایسی بے بنیاد اور بیہودہ بات کہے تو کتنا اسکے سر پر دے ماروں۔ یہ سن کر وہ ہنسنے لگا اور میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس صحبت میں بھون کے دل میں ان کی وقت بیٹھ گئی تھی۔

مولوی خواجہ زادہ کو اپنی زندگی ہی میں بہت کچھ شہرت و ناموری حاصل ہو چکی تھی۔ چنانچہ شاہ خراسان سلطان حسین بن بقرانے اپنا ایلچی مبارک باد دینے کی غرض سے سلطان محمد خان کے دربار میں بھیجا۔ چونکہ یہ ایک سلطنت کا سفیر تھا اور خصوصاً اس وجہ سے کہ وہ روابط محبت کے اور مضبوط کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ لہذا پیشکش کرنے کے لیے وہ بہت کچھ سامان اور دولت و حشمت کے نمونے بھی اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اس سفر نے جس وقت سلطان محمد خان کے دربار میں وہ تمام شاہی تحفے اور ہدیے پیش کیے تو سب کے بعد اس نے ایک شخص کو دربار سلطانی میں لاکے پیش کیا۔ اور کہا، سلطان خراسان کی آپ سے درخواست ہے کہ آپ مولوی خواجہ زادہ کی خدمت میں اسکی سفارش کر دیجیے۔ تاکہ وہ اس شائق علم کو درس دینا منظور فرمائیں۔ سلطان نے سفارت کی درخواست کے مطابق اس شخص کو مولوی خواجہ زادہ کے دربار

کی درگاہ میں بھیج کے سفارش کی۔ اور سفارش کے ساتھ ہی انعام و اکرام کے طور پر بہت کچھ ہدایا بھی مولانا سے ممدوح کی خدمت میں بھیجے۔ مولانا نے سلطان کے فرمانے کو قسور چشم قبول کیا۔ اس انعام و اکرام کی خوشی میں انھوں نے ایک دعوت کی اور اس دعوت میں اس جدید طالب علم کو درس دینا شروع کیا۔ آپا ہی کے فرمانے کے بعد جب اس نے علامہ سید شریف کے وہ حواشی پڑھنا شروع کیے جو شرح محقر پر ہیں۔ ان حواشی کو اس نے شروع بحث علم سے پڑھنا شروع کیا۔

مختلف اتفاقات نمایاںہ کہتے ہیں کہ ان کے والد بھی اس درس میں شریک تھے۔ اور انھیں کی زبانی وہ اس روز کے درس کا حال یوں تحریر فرماتے ہیں۔

کہ اس شخص کے ہمراہ ہم سب اور طلبہ بھی حاضر ہوئے۔ مولانا نے مجھے قرأت کا حکم دیا قرأت آوری لیکن کسی مسئلہ پر میں نے اور میرے ساتھ کے کسی طالب علم نے بحث نہ کی

اور بحث و تکرار کا بالکل موقع اسی شخص کو دیا۔ وہ دن گزر گیا۔ دوسرے دن اس شخص نے ایک مسئلہ پر اعتراض کیا میں نے اس کا جواب دیا۔ اور مولانا خواجہ زادہ میرے جواب کو پسند فرمایا۔ اس نے دوسرا اعتراض کیا۔ اور پھر بھی میں ہی نے جواب دیا۔ اور اس جواب کو بھی حضرت استاد نے تسلیم کیا۔ اس نے تیسری بار اعتراض کیا۔ میں نے اس کا بھی جواب دیا لیکن اس تیسرے جواب کو مولانا نے پسند فرمایا۔ مگر جب سبق میں ہم نے دو سطرین اور بیڑھین تو مولانا نے فرمایا: "ہاں اپنے جواب کی پھر تو تقریر کرو" میں نے اس تیسرے جواب کو مکرر عرض کیا۔ سن کے فرمانے لگے۔ سچ کہتے ہو۔ یہ شریف کے اس کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمہارے جواب کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے بعد سبق تمام ہو گیا۔ اور ہم لوگ رخصت ہو کے چلے گئے۔ لیکن بعد اسکے میں نے مولانا کے صاحبزادے سے سنا کہ مولانا نے ان سے میری تعریف کی۔ اور فرمایا کہ اس کا مطالعہ اگر میرے مطالعہ کے مطابق ہوتا تو استاد بزرگ کا یہ ایسا کلمہ میں نے سنا تھا جس پر مجھے ہمیشہ فخر ہو گا۔ اور اپنی اس عزت کو میں کبھی نہ بھولوں گا۔ اصل یہ کہ یہ فخر میری زندگی بھر کے لیے کافی تھا۔ کہ ہم پر مولانا خواجہ زادہ کے ایسے متبر عالم بسیار یو یو فرمایا۔

اور درحقیقت ان کی تائید اور ان کی توثیق سے بڑھ کے کوئی سند اس عصر میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اور ان کے فرمانے کو عملاً لوگ ایسا ہی خیال کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ محمد بن خلدون اسے ایک شخص سلطان بایزید خان کے عہد میں شہر دسہ کے محکمہ شریف کا کاتب اور نائب تھا۔ اس کا بیان ہے کہ میرے زمانہ میں بڑے دسہ کے مفتی مولیٰ خواجہ زادہ تھے۔ ایک مرتبہ ان کے نام سلطان بایزید خان کا فرمان آیا کہ بڑے دسہ کے فلان فلان لوگوں کے فیما بین جو جھگڑا ہے اسے آپ دو دون فریقوں کا اظہار اس کے فیصلہ کر دیجیے۔ مولانا نے متفقہین کو بلا کے ان کے بیان سننے اور فیصلہ ایک کے حق میں کر دیا۔ پھر کہا ہر دو کہ یہ فیصلہ بدلائل و حجج کچھ بھی دیا جائے۔ مجھے بلا کے حکم دیا کہ ان لوگوں کا فتویٰ تم لکھ لاؤ۔ ان دنوں میرے علم و فضل کا تو کسی کو اعتراف نہ تھا۔ میں ایک معمولی محرر تھا۔ دل میں بہت ہی بھڑک رہا تھا کہ میرے لکھنے کی کیا وقعت ہو گی۔ لیکن چونکہ مولانا کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ چارناچار اس فتوے کو لکھ کے مولانا کے ملاحظہ سے گزرا۔ آپ اول سے آخر تک پڑھ گئے۔ پھر قلم و دوات طلب کیا۔ میں نے دل میں کہا اب مولانا میری غلطیاں

نکالیں گے۔ آپ تلم باہون کے سوچنے لگے۔ پھر میری طرف دیکھ کے فرمایا: "جانتے ہو
 میں کس بات پر غور کر رہا ہوں؟" میں نے عرض کیا: "مجھے کیا خبر؟" فرمایا: "تم نے یہ فتویٰ بہت
 خوب اور نہایت مناسب لکھا ہے۔ لیکن مجھے اس کا عنوان نہیں اچھا معلوم ہوتا۔ اس امر پر
 غور کر رہا ہوں کہ کسی اور عمدہ عنوان سے اسے درست کر دوں۔ یہ اگرچہ ایک معمولی تعریف
 تھی۔ لیکن خود محمد ابن اخطاطون کا بیان کہ میں بعد اسلام کے زندگی بھر کسی بات سے اتنا
 خوش نہیں ہوا جتنی مسرت مجھے مولانا کی اس تصدیق پر ہوئی۔"

مصنف شقائق نعمانیہ کے والد کہتے ہیں جب مولانا خلیل زادہ کے حواشی پر
 شہر ہوا اور وہ ملک میں شائع ہوئے تو مولانا خواجہ زادہ نے مجھ سے فرمایا کہ ان
 حواشی کا ایک نسخہ کہیں سے لاؤ۔ دیکھوں تو کیا لکھا ہے۔ میں نے ان حواشی کو ہم ہونگا
 پیشکش کیا مولانا نے ان حواشی کو منگوا یا تو بڑے شوق سے تھا مگر ملاحظہ فرمائے ان
 خوش نہ ہوئے۔ چند روز بعد مولانا جلال الدین دوانی کے حواشی پر شائع ہوئے
 تو ان کی نسبت بھی اسی شوق سے مولانا نے مجھ سے فراہمی کی درخواست کی۔ میں نے
 ان حواشی کا نسخہ بھی ہم ہونچا کے حاضر کیا۔ اس نسخہ کو دیکھ کے مولانا نہایت ہی محفوظ
 ہوئے۔ اور بڑی تعریف کی۔

علامہ جلال الدین دوانی اسلام میں بہت بڑے شخص تھے۔ اگرچہ بعد مسافت
 کی وجہ سے دونوں بزرگوں میں کسی قسم کا ربط و ضبط نہ پیدا ہو سکا۔ لیکن اس میں
 شک نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی تصنیف کا کوئی ورق بھی جب دوسرے کے ہاتھ
 لگ گیا تو اس نے حیرت و استعجاب کے ساتھ اپنے ہم عصر کے علم و فضل کا اعتراف کیا۔
 یہ تو معلوم ہی ہو چکا کہ علامہ دوانی کی شرح تخرید دیکھ کے مولانا خواجہ زادہ کس قدر متاثر ہوئے
 تھے۔ اب اس امر کو سنئے کہ خواجہ زادہ کی تصنیف نے علامہ دوانی پر کیا اثر کیا۔
 مولوی ابن مویذ جب مالک محروسہ عثمانیہ سے سن کر کے علامہ دوانی کی خدمت میں گئے تو انھوں نے پوچھا: "تجھے
 دوسرا آئے ہو۔ ہمارے لیے کیا لائے؟" ابن مویذ نے کہا: آپ کی تخرید علامہ خواجہ زادہ کی کتاب "تہافت"
 لایا ہوں۔ علامہ دوانی نے پوچھا: "خواجہ زادہ کون دہی خواجہ زادہ ہر موصوف
 ابن مویذ نے کہا: "نہیں۔ وہ سر دوس تو نہیں ہیں؟" اس پر علامہ دوانی کے کہنا: "نہ
 ہوں۔ لیکن ان احادیث میں وہ اسی لقب سے مشہور ہیں؟" الغرض اس گفتگو کے بعد

ابن مودنے کتاب تہافتہ پیش کش کی۔ عرصہ تک اس کتاب کا علامہ دوانی نے مطالعہ کیا اور پھر فرمایا: "اے ابن مود! اللہ جل شانہ تم سے اور اس کتاب کے مصنف سے خوش ہو۔ تم نے مجھے کیا کتاب دی ہے! میرا ارادہ تھا کہ اسی بحث میں ایک کتاب میں خود لکھوں۔ لیکن خوب ہوا کہ میں لکھ نہیں چکا تھا۔ اور اگر اس کتاب کے مطالعہ سے پہلے لکھ چکا ہوتا تو بے شک میں اہل علم کی نظر میں رسوا ہو جاتا۔ اگرچہ شہرت علمی اس درجہ کو پہنچ چکی تھی لیکن اُن کو زمانہ نے بیکار کر دیا تھا۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایک ہاتھ اور دونوں پاؤں سے عاجز ہو چکے تھے۔ لیکن اب بھی فتوے دیے جاتے تھے اور جو سلسلہ نفع رسانی خلق اللہ کا ان کے دم کے ساتھ وابستہ تھا وہ بدستور جاری تھا۔ اس توجہ اور جفاکشی کا یہ نتیجہ تھا کہ لوگوں کو ان کی معذوری کا یقین نہیں آتا تھا۔ چنانچہ خود سلطان بایزید خان نے ان سے اس معذوری کے نہانے میں خراش کی کہ شرح مواہب لایک حاشیہ تحریر فرمائیے۔ ان کے لیے یہ بہت بڑی مصیبت تھی۔ کیونکہ بایزید ہاتھ سے کبھی استفادہ وغیرہ تو خیر لکھ دیا کرتے تھے۔ لیکن اتنی بڑی طولانی کتاب پر حاشیہ کس ہاتھ سے لکھیں! اگرچہ ان کی حالت کبھی اس کام کی تحمل نہ ہو سکتی تھی لیکن انھوں نے سلطان سے جو عذر بھی پیش کیا تو وہ اپنی معذوری و مجبوری کا نہ تھا بلکہ سلطان کو لکھ بھیجا: "شرح مواہب کے متعلق جو کچھ خیالات میں ظاہر کیا کرتا تھا اور جو میرے فیصلے تھے اُن کو حسن چلیبی نے اپنے حاشیہ شرح مواہب میں تمامہ لکھ دیا۔ ان میں نے تلویح پر ایک حاشیہ لکھا ہے۔ اگر آپ مناسب جانیں تو اس حاشیہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس کو عمدہ طریقہ پر نقل کرا لیں۔ مگر سلطان نے ان کی درخواست نہ منظور کی۔ اور اصرار کیا کہ ہمیں آپ شرح مواہب پر حاشیہ لکھیے۔ مجبوراً یہ بھی ارادہ ہو گئے۔ یہ پیش قیمت تصنیف کیونکر لکھی جاتی تھی۔ اس کا حال بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ خود تو معذور محض تھے۔ لوگ شرح مواہب کو آپ کے سامنے تکبوت پر لائے رکھ دیتے تھے۔ وہ اس کا مطالعہ شروع کرتے تھے۔ کسی اور کتاب کی یاد دہانی کی ضرورت ہوتی تو جب کوئی شخص آتا اس سے فرماتے اور وہ دوسری

کتاب کو آپ کے سامنے لاکے رکھ دیتا۔ باوجود ان بے بیسوں کے یہ گوارا نہ ہوا کہ کسی اور سے لکھوائیں رساری کتاب خود اپنے ہی ہاتھ سے لکھی۔ اگرچہ بایں ہاتھ سے لکھی۔

شرح موافق کی بحث وجود میں لفظ "لا یتیم المطلوب" تک پہنچے تھے کہ شہر تہہ دسہ میں سترہ۹۳ میں انتقال فرمایا۔ اور سید بخاری کے مقبرے کے قریب میں مدفون ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ؕ

قیام الدین۔ یہ ایک ماہواری رسالہ ہے جو فرنگی محل سے مولانا حسن انصاری صاحب کی ایڈیٹری میں شوال المعظم ۱۳۵۷ھ سے شائع ہوتا شروع ہوا ہے۔ مضامین کی خوبی کا ذکر کرنا اس واسطے فضول معلوم ہوتا ہے کہ جو رسالہ فرنگی محل سے نکلے وہ خود ہی اپنا نظیر ہو گا۔ یہ رسالہ ۲۰ + ۲۱ تقطیع کے ۸ صفحوں پر شائع ہوتا ہے۔ اور چہرہ سالانہ تعدد مع محصول ایڈیٹر صاحب کا ارادہ ہے کہ اس سال بارہویں ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ کے دن اس رسالہ کا رستول پر شائع کریں۔ اور اسکے لیے اہل قلم حضرات سے مضامین حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی اعلان کیا گیا ہے کہ جو شخص کا مضمون شریعت سے اعلیٰ درجہ کا ہو گا اسے طغہ طلائی اور جس کا مضمون تشدد و فتنہ کا ہو گا اسے طغہ نقرئی اور ایسی طرح نظم میں بھی سب سے اعلیٰ نظم پر طغہ طلائی اور دوسرے ہندو کی نظم پر طغہ نقرئی انعام دیں دیا جائے گا۔ یہ مضامین ۲۰ + ۲۱ سائز کے ۶ صفحوں سے زائد نہ ہونا چاہئیں۔ تقسیم انعام کا فیصلہ لکھنؤ کے معزز حضرات فرمائیں گے۔

قیام الدین درخواست خریداری اور مضامین نظم و نثر و فرسالہ قیام الدین فرنگی محل لکھنؤ میں ایڈیٹر کے نام سے ۱۵ صفر ۱۳۵۷ھ سے پہلے روانہ کریں۔

مروج تبسم۔ ہندوستان کے مشہور مزاحیہ نویس مولانا شوکت قادیانی کے وہ موکر آرا اور ہنگامہ آفرین مزاحیہ مضامین جو ہندوستان کے مقتدر رسالوں میں شائع ہو کر مقبول ہوئے ہیں مع ان غیر مطبوعہ کراہے کہ افقہ مضامین کے جن میں کاہر ایک بجائے خود شاپکار ہے بسبب زنت مجموعہ مروج تبسم زیر طبع میں آج ہی آرڈر دیجئے۔ اس لیے کہ نصف سے زیادہ آرڈر رجسٹرڈ ہو چکے ہیں۔ (جن کی تفصیل جولائی کے اندر ہو جائے گی) دوسرے اڈیشن کا انتظار کرنا تکلیف دہ ہو گا۔ قیمت قسم اول سنہری جلد کا قسم دوم غیر جلدیہ

مینجر۔ تبسم بکڈلو۔ لکھنؤ۔

دنگر

مولانا شرم محمد کی یادگاہ دو کلامی رسالہ جسے زبان اوس کے علمی خزانہ کو اعلیٰ تر سے بہرہ ور کرنا ایک سالہ یادگار بننے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خیر یاد رہیں تو ایک نیا دل مفت نذر کیا جاتا ہے اور دہائی سال بعد کے چند اور اصول ٹھاک پر ایک صدیہ بارہ آئین ہی پی روا نہ کر دیا جاتا ہے۔
 بیخبر دنگر لکھنو

تصانیف مولانا محمد عبدالحی حسنا شرم محمد

- ۱- تاریخ سوانحی ہمارے لکچر وغیرہ
- ۲- جیدہ بغدادی - حضرت جید کے حالات
- ۳- ابو بکر شہابی - حضرت ابی کے حالات
- ۴- جن بن صبا ج - ابی زید ہاشمی کے حالات
- ۵- خواجہ حسین الدین - خواجہ جیری کے حالات
- ۶- ملکہ زلیخہ - سلف کی ایک عورتی تراویک
- ۷- سیکندرت حسین - جناب سیکندرت حسین
- ۸- قرۃ العین - ایران کی شہریت رادی کے حالات
- ۹- ولادت ہمد عالم - مولانا شہدائے علامہ ابو الفرج
- ۱۰- ابن ہندی کا ترجمہ تراویک و نظم کا نظم
- ۱۱- سفر نامہ شامی - امام مدنی کے سفر کے حالات
- ۱۲- سر سید کی دینی برکتیں
- ۱۳- قائلین وراثت اسلام پر مولانا کا ایک لکچر
- ۱۴- ہندوستان کی سوتیلی
- ۱۵- ثانی اشین - حضرت صلیح اکبر کے حالات
- ۱۶- ذبی اللہ دین - حضرت عثمان کے حالات
- ۱۷- ابو العین - حضرت علی کے حالات
- ۱۸- تاریخ ناول
- ۱۹- غزوہ مصر - عربی طوائف کا تاریخی ناول
- ۲۰- فتح اندلس - اسپین پر عربوں کا حملہ
- ۲۱- رومۃ الکبریٰ - روم پر کاغذ لوگوں کا حملہ
- ۲۲- مفتوح فلج - ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول
- ۲۳- فلپانا - اوقطانیوں کے عرب پر صبا کا حملہ

- ۲۱- فردوس بریں - سچے جنت کی سر
- ۲۲- قیس لیلیٰ - شہزادہ شہزادہ کی شہزادی
- ۲۳- لبتی یسین - عہد صبا کا تاریخی ناول
- ۲۴- مقدس نازنین - ایک جنت کا روپ بن جانا
- ۲۵- ہام ملک - خوں کا فوج اور فتوحات
- ۲۶- یوسف شہر کاہل - جنگ جنتی عیدل پی جی
- ۲۷- ایام عرب - جاہلیت عرب کی مکمل تصویر
- ۲۸- جولینے حق - حضرت رسول اکرم کی سوانحی
- ۲۹- زوال بغداد - شہر کی تباہی کا بیان
- ۳۰- شوقین ملک - دوسری ملی لڑائی
- ۳۱- طاہرہ - نہایت دلچسپ ناول
- ۳۲- جینا بازار - مولانا کا سب سے اچھا ناول
- ۳۳- شہر کا پھیل - نہایت دلچسپ تاریخی تصنیف
- ۳۴- الفانسو - ایک دانشمند ناول
- ۳۵- سبکدوشی - سلطنت کے حالات
- ۳۶- جن جلیلا - رومن روم کی لڑائی
- ۳۷- فلورا فلورینڈا - شہزادہ کے عہد ظن کے واقعے
- ۳۸- ملک الغیر و دنیا - چھ شہر میں اصلاح الہام
- ۳۹- منصور مومنا - شہر میں ایک انصافی
- ۴۰- خاندان کے حالات
- ۴۱- شہید وفا

شہر حکیم محمد سراج الحق شہر دنگر دکنہ نزل بیگناں لکھنؤ

۱۱۲
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

تصانیف مولانا عبدالحکیم صاحب شبر روم

مولانا شبر کے خیالی ناول

- ۴۱۔ آغا صادقی کی شادی ایک چمپ قصہ
۴۲۔ حسن کا ڈاکو اور اس کے نوایا اعلان سرحد
۴۳۔ اسرار در بار حرا بیور حرا پور کے نواب کے
بچے سے حالات ہر دو جلد
۴۴۔ عیب دان و حسن حیرت انگیز عیب انی بی
۴۵۔ خوفناک عبت، ہندوستان کی فرعون کا دیو
پاکداسنی دجالت کی ایسی اچھی تصویر نہیں ہو سکتی
۴۶۔ دیکھ، مصنف کا پہلا ناول و قلم
۴۷۔ لکھنؤ کا ناول

ڈرامے اور نظمیں

- ۴۸۔ سیری بابل گوشت پختہ کے پیکلے کا اور ترجمہ نظمیں
۴۹۔ زمانہ اول اسلام، ایک سوز و گداز ناول نظم
۵۰۔ شب عیش - غزالی کی بیباکیاں اور ریت پراریاں
۵۱۔ شب وصال، افراق کے بعد میل کا بیان

مضامین شبر

شاعرانہ و عاشقانہ دوحے

تاریخی و جغرافی

گذشتہ مکتبہ

سیر رجال

ختم سال و شروع سال

سیر نوان دوحے

ادب و تحقیق مسائل

اصلاح قوم و ملت

تاریخی واقعات پر خیال بازی

نظم و ڈرامہ

دلگذازی مکمل جلدیں

- | | |
|-----------|-----------|
| جلد ۱۸۹۰ء | جلد ۱۸۸۵ء |
| جلد ۱۸۹۱ء | جلد ۱۸۸۶ء |
| جلد ۱۸۹۲ء | جلد ۱۸۸۷ء |
| جلد ۱۸۹۳ء | جلد ۱۸۸۸ء |
| جلد ۱۸۹۴ء | جلد ۱۸۸۹ء |
| جلد ۱۸۹۵ء | جلد ۱۸۹۰ء |
| جلد ۱۸۹۶ء | جلد ۱۸۹۱ء |
| جلد ۱۸۹۷ء | جلد ۱۸۹۲ء |
| جلد ۱۸۹۸ء | جلد ۱۸۹۳ء |
| جلد ۱۸۹۹ء | جلد ۱۸۹۴ء |
| جلد ۱۹۰۰ء | جلد ۱۸۹۵ء |
| جلد ۱۹۰۱ء | جلد ۱۸۹۶ء |
| جلد ۱۹۰۲ء | جلد ۱۸۹۷ء |
| جلد ۱۹۰۳ء | جلد ۱۸۹۸ء |
| جلد ۱۹۰۴ء | جلد ۱۸۹۹ء |
| جلد ۱۹۰۵ء | جلد ۱۹۰۰ء |
| جلد ۱۹۰۶ء | جلد ۱۹۰۱ء |
| جلد ۱۹۰۷ء | جلد ۱۹۰۲ء |
| جلد ۱۹۰۸ء | جلد ۱۹۰۳ء |
| جلد ۱۹۰۹ء | جلد ۱۹۰۴ء |
| جلد ۱۹۱۰ء | جلد ۱۹۰۵ء |
| جلد ۱۹۱۱ء | جلد ۱۹۰۶ء |
| جلد ۱۹۱۲ء | جلد ۱۹۰۷ء |
| جلد ۱۹۱۳ء | جلد ۱۹۰۸ء |
| جلد ۱۹۱۴ء | جلد ۱۹۰۹ء |
| جلد ۱۹۱۵ء | جلد ۱۹۱۰ء |
| جلد ۱۹۱۶ء | جلد ۱۹۱۱ء |
| جلد ۱۹۱۷ء | جلد ۱۹۱۲ء |
| جلد ۱۹۱۸ء | جلد ۱۹۱۳ء |
| جلد ۱۹۱۹ء | جلد ۱۹۱۴ء |
| جلد ۱۹۲۰ء | جلد ۱۹۱۵ء |
| جلد ۱۹۲۱ء | جلد ۱۹۱۶ء |
| جلد ۱۹۲۲ء | جلد ۱۹۱۷ء |
| جلد ۱۹۲۳ء | جلد ۱۹۱۸ء |
| جلد ۱۹۲۴ء | جلد ۱۹۱۹ء |
| جلد ۱۹۲۵ء | جلد ۱۹۲۰ء |
| جلد ۱۹۲۶ء | جلد ۱۹۲۱ء |
| جلد ۱۹۲۷ء | جلد ۱۹۲۲ء |
| جلد ۱۹۲۸ء | جلد ۱۹۲۳ء |
| جلد ۱۹۲۹ء | جلد ۱۹۲۴ء |
| جلد ۱۹۳۰ء | جلد ۱۹۲۵ء |
| جلد ۱۹۳۱ء | جلد ۱۹۲۶ء |
| جلد ۱۹۳۲ء | جلد ۱۹۲۷ء |
| جلد ۱۹۳۳ء | جلد ۱۹۲۸ء |
| جلد ۱۹۳۴ء | جلد ۱۹۲۹ء |
| جلد ۱۹۳۵ء | جلد ۱۹۳۰ء |
| جلد ۱۹۳۶ء | جلد ۱۹۳۱ء |
| جلد ۱۹۳۷ء | جلد ۱۹۳۲ء |
| جلد ۱۹۳۸ء | جلد ۱۹۳۳ء |
| جلد ۱۹۳۹ء | جلد ۱۹۳۴ء |
| جلد ۱۹۴۰ء | جلد ۱۹۳۵ء |
| جلد ۱۹۴۱ء | جلد ۱۹۳۶ء |
| جلد ۱۹۴۲ء | جلد ۱۹۳۷ء |
| جلد ۱۹۴۳ء | جلد ۱۹۳۸ء |
| جلد ۱۹۴۴ء | جلد ۱۹۳۹ء |
| جلد ۱۹۴۵ء | جلد ۱۹۴۰ء |
| جلد ۱۹۴۶ء | جلد ۱۹۴۱ء |
| جلد ۱۹۴۷ء | جلد ۱۹۴۲ء |
| جلد ۱۹۴۸ء | جلد ۱۹۴۳ء |
| جلد ۱۹۴۹ء | جلد ۱۹۴۴ء |
| جلد ۱۹۵۰ء | جلد ۱۹۴۵ء |
| جلد ۱۹۵۱ء | جلد ۱۹۴۶ء |
| جلد ۱۹۵۲ء | جلد ۱۹۴۷ء |
| جلد ۱۹۵۳ء | جلد ۱۹۴۸ء |
| جلد ۱۹۵۴ء | جلد ۱۹۴۹ء |
| جلد ۱۹۵۵ء | جلد ۱۹۵۰ء |
| جلد ۱۹۵۶ء | جلد ۱۹۵۱ء |
| جلد ۱۹۵۷ء | جلد ۱۹۵۲ء |
| جلد ۱۹۵۸ء | جلد ۱۹۵۳ء |
| جلد ۱۹۵۹ء | جلد ۱۹۵۴ء |
| جلد ۱۹۶۰ء | جلد ۱۹۵۵ء |
| جلد ۱۹۶۱ء | جلد ۱۹۵۶ء |
| جلد ۱۹۶۲ء | جلد ۱۹۵۷ء |
| جلد ۱۹۶۳ء | جلد ۱۹۵۸ء |
| جلد ۱۹۶۴ء | جلد ۱۹۵۹ء |
| جلد ۱۹۶۵ء | جلد ۱۹۶۰ء |
| جلد ۱۹۶۶ء | جلد ۱۹۶۱ء |
| جلد ۱۹۶۷ء | جلد ۱۹۶۲ء |
| جلد ۱۹۶۸ء | جلد ۱۹۶۳ء |
| جلد ۱۹۶۹ء | جلد ۱۹۶۴ء |
| جلد ۱۹۷۰ء | جلد ۱۹۶۵ء |
| جلد ۱۹۷۱ء | جلد ۱۹۶۶ء |
| جلد ۱۹۷۲ء | جلد ۱۹۶۷ء |
| جلد ۱۹۷۳ء | جلد ۱۹۶۸ء |
| جلد ۱۹۷۴ء | جلد ۱۹۶۹ء |
| جلد ۱۹۷۵ء | جلد ۱۹۷۰ء |
| جلد ۱۹۷۶ء | جلد ۱۹۷۱ء |
| جلد ۱۹۷۷ء | جلد ۱۹۷۲ء |
| جلد ۱۹۷۸ء | جلد ۱۹۷۳ء |
| جلد ۱۹۷۹ء | جلد ۱۹۷۴ء |
| جلد ۱۹۸۰ء | جلد ۱۹۷۵ء |
| جلد ۱۹۸۱ء | جلد ۱۹۷۶ء |
| جلد ۱۹۸۲ء | جلد ۱۹۷۷ء |
| جلد ۱۹۸۳ء | جلد ۱۹۷۸ء |
| جلد ۱۹۸۴ء | جلد ۱۹۷۹ء |
| جلد ۱۹۸۵ء | جلد ۱۹۸۰ء |
| جلد ۱۹۸۶ء | جلد ۱۹۸۱ء |
| جلد ۱۹۸۷ء | جلد ۱۹۸۲ء |
| جلد ۱۹۸۸ء | جلد ۱۹۸۳ء |
| جلد ۱۹۸۹ء | جلد ۱۹۸۴ء |
| جلد ۱۹۹۰ء | جلد ۱۹۸۵ء |
| جلد ۱۹۹۱ء | جلد ۱۹۸۶ء |
| جلد ۱۹۹۲ء | جلد ۱۹۸۷ء |
| جلد ۱۹۹۳ء | جلد ۱۹۸۸ء |
| جلد ۱۹۹۴ء | جلد ۱۹۸۹ء |
| جلد ۱۹۹۵ء | جلد ۱۹۹۰ء |
| جلد ۱۹۹۶ء | جلد ۱۹۹۱ء |
| جلد ۱۹۹۷ء | جلد ۱۹۹۲ء |
| جلد ۱۹۹۸ء | جلد ۱۹۹۳ء |
| جلد ۱۹۹۹ء | جلد ۱۹۹۴ء |
| جلد ۲۰۰۰ء | جلد ۱۹۹۵ء |
| جلد ۲۰۰۱ء | جلد ۱۹۹۶ء |
| جلد ۲۰۰۲ء | جلد ۱۹۹۷ء |
| جلد ۲۰۰۳ء | جلد ۱۹۹۸ء |
| جلد ۲۰۰۴ء | جلد ۱۹۹۹ء |
| جلد ۲۰۰۵ء | جلد ۲۰۰۰ء |
| جلد ۲۰۰۶ء | جلد ۲۰۰۱ء |
| جلد ۲۰۰۷ء | جلد ۲۰۰۲ء |
| جلد ۲۰۰۸ء | جلد ۲۰۰۳ء |
| جلد ۲۰۰۹ء | جلد ۲۰۰۴ء |
| جلد ۲۰۱۰ء | جلد ۲۰۰۵ء |
| جلد ۲۰۱۱ء | جلد ۲۰۰۶ء |
| جلد ۲۰۱۲ء | جلد ۲۰۰۷ء |
| جلد ۲۰۱۳ء | جلد ۲۰۰۸ء |
| جلد ۲۰۱۴ء | جلد ۲۰۰۹ء |
| جلد ۲۰۱۵ء | جلد ۲۰۱۰ء |
| جلد ۲۰۱۶ء | جلد ۲۰۱۱ء |
| جلد ۲۰۱۷ء | جلد ۲۰۱۲ء |
| جلد ۲۰۱۸ء | جلد ۲۰۱۳ء |
| جلد ۲۰۱۹ء | جلد ۲۰۱۴ء |
| جلد ۲۰۲۰ء | جلد ۲۰۱۵ء |
| جلد ۲۰۲۱ء | جلد ۲۰۱۶ء |
| جلد ۲۰۲۲ء | جلد ۲۰۱۷ء |
| جلد ۲۰۲۳ء | جلد ۲۰۱۸ء |
| جلد ۲۰۲۴ء | جلد ۲۰۱۹ء |
| جلد ۲۰۲۵ء | جلد ۲۰۲۰ء |
| جلد ۲۰۲۶ء | جلد ۲۰۲۱ء |
| جلد ۲۰۲۷ء | جلد ۲۰۲۲ء |
| جلد ۲۰۲۸ء | جلد ۲۰۲۳ء |
| جلد ۲۰۲۹ء | جلد ۲۰۲۴ء |
| جلد ۲۰۳۰ء | جلد ۲۰۲۵ء |
| جلد ۲۰۳۱ء | جلد ۲۰۲۶ء |
| جلد ۲۰۳۲ء | جلد ۲۰۲۷ء |
| جلد ۲۰۳۳ء | جلد ۲۰۲۸ء |
| جلد ۲۰۳۴ء | جلد ۲۰۲۹ء |
| جلد ۲۰۳۵ء | جلد ۲۰۳۰ء |
| جلد ۲۰۳۶ء | جلد ۲۰۳۱ء |
| جلد ۲۰۳۷ء | جلد ۲۰۳۲ء |
| جلد ۲۰۳۸ء | جلد ۲۰۳۳ء |
| جلد ۲۰۳۹ء | جلد ۲۰۳۴ء |
| جلد ۲۰۴۰ء | جلد ۲۰۳۵ء |
| جلد ۲۰۴۱ء | جلد ۲۰۳۶ء |
| جلد ۲۰۴۲ء | جلد ۲۰۳۷ء |
| جلد ۲۰۴۳ء | جلد ۲۰۳۸ء |
| جلد ۲۰۴۴ء | جلد ۲۰۳۹ء |
| جلد ۲۰۴۵ء | جلد ۲۰۴۰ء |
| جلد ۲۰۴۶ء | جلد ۲۰۴۱ء |
| جلد ۲۰۴۷ء | جلد ۲۰۴۲ء |
| جلد ۲۰۴۸ء | جلد ۲۰۴۳ء |
| جلد ۲۰۴۹ء | جلد ۲۰۴۴ء |
| جلد ۲۰۵۰ء | جلد ۲۰۴۵ء |
| جلد ۲۰۵۱ء | جلد ۲۰۴۶ء |
| جلد ۲۰۵۲ء | جلد ۲۰۴۷ء |
| جلد ۲۰۵۳ء | جلد ۲۰۴۸ء |
| جلد ۲۰۵۴ء | جلد ۲۰۴۹ء |
| جلد ۲۰۵۵ء | جلد ۲۰۵۰ء |
| جلد ۲۰۵۶ء | جلد ۲۰۵۱ء |
| جلد ۲۰۵۷ء | جلد ۲۰۵۲ء |
| جلد ۲۰۵۸ء | جلد ۲۰۵۳ء |
| جلد ۲۰۵۹ء | جلد ۲۰۵۴ء |
| جلد ۲۰۶۰ء | جلد ۲۰۵۵ء |
| جلد ۲۰۶۱ء | جلد ۲۰۵۶ء |
| جلد ۲۰۶۲ء | جلد ۲۰۵۷ء |
| جلد ۲۰۶۳ء | جلد ۲۰۵۸ء |
| جلد ۲۰۶۴ء | جلد ۲۰۵۹ء |
| جلد ۲۰۶۵ء | جلد ۲۰۶۰ء |
| جلد ۲۰۶۶ء | جلد ۲۰۶۱ء |
| جلد ۲۰۶۷ء | جلد ۲۰۶۲ء |
| جلد ۲۰۶۸ء | جلد ۲۰۶۳ء |
| جلد ۲۰۶۹ء | جلد ۲۰۶۴ء |
| جلد ۲۰۷۰ء | جلد ۲۰۶۵ء |
| جلد ۲۰۷۱ء | جلد ۲۰۶۶ء |
| جلد ۲۰۷۲ء | جلد ۲۰۶۷ء |
| جلد ۲۰۷۳ء | جلد ۲۰۶۸ء |
| جلد ۲۰۷۴ء | جلد ۲۰۶۹ء |
| جلد ۲۰۷۵ء | جلد ۲۰۷۰ء |
| جلد ۲۰۷۶ء | جلد ۲۰۷۱ء |
| جلد ۲۰۷۷ء | جلد ۲۰۷۲ء |
| جلد ۲۰۷۸ء | جلد ۲۰۷۳ء |
| جلد ۲۰۷۹ء | جلد ۲۰۷۴ء |
| جلد ۲۰۸۰ء | جلد ۲۰۷۵ء |
| جلد ۲۰۸۱ء | جلد ۲۰۷۶ء |
| جلد ۲۰۸۲ء | جلد ۲۰۷۷ء |
| جلد ۲۰۸۳ء | جلد ۲۰۷۸ء |
| جلد ۲۰۸۴ء | جلد ۲۰۷۹ء |
| جلد ۲۰۸۵ء | جلد ۲۰۸۰ء |
| جلد ۲۰۸۶ء | جلد ۲۰۸۱ء |
| جلد ۲۰۸۷ء | جلد ۲۰۸۲ء |
| جلد ۲۰۸۸ء | جلد ۲۰۸۳ء |
| جلد ۲۰۸۹ء | جلد ۲۰۸۴ء |
| جلد ۲۰۹۰ء | جلد ۲۰۸۵ء |
| جلد ۲۰۹۱ء | جلد ۲۰۸۶ء |
| جلد ۲۰۹۲ء | جلد ۲۰۸۷ء |
| جلد ۲۰۹۳ء | جلد ۲۰۸۸ء |
| جلد ۲۰۹۴ء | جلد ۲۰۸۹ء |
| جلد ۲۰۹۵ء | جلد ۲۰۹۰ء |
| جلد ۲۰۹۶ء | جلد ۲۰۹۱ء |
| جلد ۲۰۹۷ء | جلد ۲۰۹۲ء |
| جلد ۲۰۹۸ء | جلد ۲۰۹۳ء |
| جلد ۲۰۹۹ء | جلد ۲۰۹۴ء |
| جلد ۲۱۰۰ء | جلد ۲۰۹۵ء |

مستغرق تصانیف

- ۱۔ حکم الزامیہ سید محمد رفیع کے رسالہ شبر
۲۔ طبعی اسرار، غازی بنی برحق کی تاریخ
۳۔ اولاد محمدی علیہ السلام اول و دوم غلام کامل سے
۴۔ مقتدرہ، مدللانہ ایک دیکھ کر ۱۲
(دیگر مطلوبہ دلداز برسیاں)
۵۔ مرزا غالب کی شاعری لہذا محمد علی صاحب
۶۔ کلاہک متفقانہ دیکھ کر ۴ (دچار آتہ)
۷۔ یاد دل علی، نیا دل کے مشہور ناول دیکھ کر ۴
۸۔ دوم محمد سوم محمد حامد محمد مجسم محمد
۹۔ رفع الققاب، امر و جہ پر دے کی تردید ۴
۱۰۔ اکاٹھلی کی تاریخ پر محمد علی صاحب دیکھ کر ۴
۱۱۔ رانائن کے بعض سین
۱۲۔ املیق بی بی، میان کی حرکتوں پر بی بی کی
۱۳۔ فریاد بکھرتے چین
۱۴۔

شہزادہ اقبال خاں حکیم محمد سراج الحق میزور دلداز کرہ نرن سبکان لکھنؤ

مولانا مولوی عبدالحکیم صاحب مرحوم مفتی
کی یادگار
رسالہ

دلدار

جلد ۳

بابت ماہ صفر ۱۳۹۳

نمبر ۳۳

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

خاکسار حکیم محمد راج الحق مینجراور پرنٹر و پبلشر ڈلدار

دلدار پریس مینجری بزرگ بنگلان مین

چھپ کے شائع ہوا



ابو مسلم معاذ بن مسلم ہراء نجفی کو فی فن نحو اور علم قرأت میں کیا اس
روزگار تھے۔ ان کی ولادت کس سال میں ہوئی۔ اس کا ٹھیک بہتہ معلوم نہیں
لیکن کسی نے خود ان سے پوچھا تھا کہ آپ کس سال پیدا ہوئے۔ تو فرماتے گئے
”عبدالملک بن مروان کے عہد میں یا اس کے بیٹے یزید بن عبدالملک کے دور
میں“ جس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ مروان کے مرنے کے بعد عبدالملک
ماہ رمضان ۷۵ھ میں خلیفہ ہوا اور ۷۷ھ میں مر گیا۔ اور یزید بن عبدالملک
خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے مرنے کے بعد رجب ۱۸۵ھ میں خلیفہ ہوا اور شعبان
۱۹۵ھ میں مر گیا۔ تو گویا علامہ معاذ بن مسلم ہراء ان چالیس برس کے اندر پیدا
ہوئے جو ۷۵ھ سے ۱۹۵ھ تک گذرے۔ خلاصہ یہ کہ بڑے خوش نصیب تھے
کہ ہجرت نبوی کی پہلی صدی میں پیدا ہوئے اور اتنے قدیم نجفی ہیں کہ کئی
امام نجوان کے حلقہ درس کا بیٹھنے والا اور ان کے دماغ علم کا خوشہ چین ہے۔
ان کی قرأت والی کے متعلق اکثر کتب میں مشہور ہیں جن کو اس تذکرہ فن نے اپنے مقام پر
ذکر کیا ہے۔ فن نجفی انھوں نے کتاب میں بھی تصنیف کی ہیں اس کو کیا کریں کہ
ان کی تصانیف بمقبولیت عامہ کے خلعت سے شرفیاب ہو سکیں اور رواج
پاسکیں۔

علم کی طرح اللہ جل شانہ نے ان کی عمر میں بھی برکت دی تھی۔ دنیا کو اس قدر
پسند آئے کہ اس نے مدتوں تک ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ زمانہ بھر میں باعتبار کثرت عمر کے

مشہور ہو گئے تھے۔ اور تو خیر باندھ تو ان لوگوں کو بھی انکی اتنی طولانی عمر گران گذرنے لگی تھی۔ اور ان کے جینے سے تنگ آ گئے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ پچاس کے کسی کا کیا بگاڑتے ہوں گے۔ مگر ان تیز پسند طبیعتین جو عموماً بڑھوں کی سالگرہ کا حساب لگایا کرتی ہیں۔ وہ انھیں مدت ہے دراز تک ایک ہی حال پر دیکھتے دیکھتے اکتانے لگی تھیں اور بیشک لوگوں کا خیال ان کی طرف بے وجہ نہیں متوجہ تھا۔ ان کے بیٹے بھی ہو پوتے بھی ہوئے۔ غرض پورا خاندان تیار ہوا۔ پھر وہ سب بیٹے اور پوتے مر بھی گئے۔ مگر یہ اُسی طرح اپنی بڑھاپے کی زندگی گزارتے ہی رہے۔ ایسی زندگی خود اپنے سین اجیرن ہو جاتی ہے تو دوسروں کا کیا ذکر۔

اسی عہد کا مشہور شاعر ابوالسری سہل بن ابی غالب خرمی جس نے تیسرا من نشو و نما پانے کے بعد دعویٰ کیا تھا کہ مجھے ایک جینہ نے دو وہ پلایا ہے چنانچہ کہتا تھا کہ میں جنوں سے ملتا ہوں اور میں نے از جانب محمد امین بن ارون اپنے ہاتھ پر اجنبی سے بیعت لی ہے۔ وہ بھی ان کی درازی عمر کو دیکھتے دیکھتے اپنی زندگی سے عاجز آ گیا تھا۔ چنانچہ اسی شکایت میں اُس نے اپنی شاعرانہ قوت کو صرف کیا ہے اور خوب خوب اشعار لکھ ڈالے ہیں۔ جن میں اس قسم کے مضامین ادا کیے ہیں کہ معاذ بن مسلم ایک شخص ہے کہ جس کی عمر کی کوئی حد نہیں۔ زمانہ کے سر کے بال سفید ہو گئے۔ وہ ہر بڑھا ہو گیا۔ لیکن اس کی عمر کا لباس ویسا ہی نیا کا نیا ہے۔ اس کے پاس جانا تو پوچھنا آخر کب تک جیو گے۔ آدم کا گھر (دنیا) خراب ہو گیا۔ اور تم اب تک اس میں مسخ کی طرح ایسے گرے ہوئے ہو کہ ٹسکتے تک نہیں۔ بس اب دنیا سے جاؤ۔“

خاص انھیں کا کاتب کہتا ہے میں ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہا۔ ایک دن ان سے کسی شخص نے پوچھا۔ آپ کی کیا عمر ہو گی کہنے لگے۔ ترسٹھ برس۔ اور اس کے بعد بھی جب کوئی عمر پوچھتا تو وہی بتا دیتے۔ مدتوں کے بعد کسی نے پھر ان سے یہ سوال کیا اور اُنھوں نے بھی وہی ترسٹھ برس بتا دیے۔ حالانکہ اُنھوں نے اپنی عمر کی بابت اکثر یہی جواب دیا تھا۔ مگر اس مرتبہ مجھ سے نہ رکا گیا۔ میں نے بڑھ کے کہا ”میں اکیس برس سے آپ کے پاس ہوں

اتنی مدت میں جب کسی نے آپ کی عمر پوچھی آپ نے ہمیشہ تر ٹھہر ہی برس بتائے۔ آخر اس کے کیا معنی؟ کہنے لگے "اچھی یہ تو آئیں ہی برس ہیں اگر اکیس برس اور میرے پاس رہو تو بھی ہمیشہ مجھ سے ہی جواب سنو گے" عثمان ابن ابی شیبہ کہتے ہیں میں نے معاذ بن مسلم ہرگز ان کے بڑھاپے کے عالم میں دیکھا تھا۔ دانت موجود تھے جو سونے کے تار و دان سے بندھے تھے۔

ان کی کنیت ابتدا سے "ابو مسلم" تھی لیکن جب خدا نے ان کو اولاد دی تو انھوں نے پہلے لڑکے کا نام "علی" رکھا۔ اور اس وقت سے اپنی کنیت "ابو علی" مشہور کی۔ اگرچہ بعض اہل تاریخ نے اُن کو ابو مسلم ہی کہا۔ مگر وہ خود اپنے تئیں ابو علی کہلاتے تھے۔

ہزار اُن کا لقب اس لیے ہوا کہ ہرات کے بنے ہوئے کپڑے بچا کرتے تھے اندر ہی اُن کی معاش تھی۔ جیسا کہ عمومات قدیم زمانے کے بڑے بڑے ائمہ اپنی زندگی تجارت پر بسر کیا کرتے تھے اسی طرح انھوں نے بھی اپنی زندگی ہرات کے کپڑے بیچنے میں صرف کی۔ مگر خوش نصیب تھے کہ اسی زمانہ میں انھوں نے ابھی طولانی زندگی کا سلسلہ تمام کر دیا۔ ورنہ آج ہوتے تو ہمارے معاصر ویسی شرفاکی سوسائٹی سے کال دیے جاتے۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ شیعہ تھے۔ جو گویا محدثین کی اصطلاح میں ایک قسم

کا جرم ہے۔ لیکن اس وقت کی شیعہ کیسی تھی اس کا حال ہمارے زمانہ کے لوگوں کو کم معلوم ہو گا۔ اس عہد تک شیعہ غیر شیعہ صرف خیالی اور اعتقادی حیثیت سے اختلاف رکھتے تھے۔ دونوں میں آج کل کی طرح کا تنازعہ و تباہ نہ تھا۔ مجددین دونوں کی ایک نہیں۔ اور امام بھی ایک ہی تھے۔ سب ساتھ نہ رہتے تھے۔ باہم معاملات نہ کرتے تھے۔ اتنا بھی اختلاف نہ تھا جتنا کہ کبھی اہل سنت کے باہمی فرقوں حنفی و شافعی وغیرہ میں تھا۔ یا اہل شیعہ کے فرقوں اخباری و اصولی میں اب ہے۔ بلکہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور دراصل ایک دوسرے کے ہمدرد تھے۔ بات یہ تھی کہ نبی امیہ کے دورے دو خیال کے آدمی پیدا کر دیتے تھے۔ ایک وہ جو جناب امیر ادران کی نسل کے حامی و طرفدار تھے۔ اور بنی امیہ کے حقوق کو تسلیم کرتے تھے۔ یہ لوگ شیعہ کہلاتے تھے۔ اور دیکھو جو بنی امیہ کے طرفدار تھے۔ اور طرفدار ان جناب امیر کی طرح ان کو غاصب خیال

کرتے تھے وہ لوگ شیعوں کے مقابل میں طرفداران بنی امیہ ہی کہے جاتے تھے۔ ابتدائی خلافت ہمارے اسلام جو جناب امیر سے پہلے گذرین ان کی مخالفت شیعہ کے لیے لازمی نہ تھی۔ اور جو چھ اختلاف تھا وہ بھی صرف اختلاف رائے تھا۔ ان بنی امیہ کے ظالم و زبردست طرفداران جناب امیر یعنی شیعہ ان میں کو اس بات کا موقع دیتے تھے کہ وہ اپنی مخالفت کو صرف دل ہی میں نہ رکھیں بلکہ عملی عداوتوں کا بھی بتاؤ کریں۔ بہر حال صرف شیعہ کے لفظ سے کسی کی نسبت یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ اہلسنت کے مذاق میں وہ پایہ اعتماد سے ساقط ہو گیا۔ اس کا اعتبار اس قدر بانی ہے کہ محدثین اسکی روایت کو مانتے ہیں۔ اور اس کی اجادیت کو نقل کرنا جائز اور بے نقص خیال کرتے ہیں یہ بھی اسی مذاق کے لوگوں میں تھے جنھوں نے بنی امیہ کو چھوڑ کے جناب امیر کی طرف راہ کی۔ اور بنی امیہ کی فیاضیوں سے محروم رہے۔ عرب کے قدیم شعراء اسلام میں کمیت بن زید نہایت ہی مشہور تھا۔ آج تو ہم اس کا نام صرف تواریخ کے ورق الٹ کے دیکھ لیا کرتے ہیں۔ لیکن شہرت وہ تھی جو اسے اپنے عہد میں حاصل تھی۔ خلاصہ یہ کہ معاذ بن سلم اور کمیت بن زید میں بڑی دوستی تھی۔ اور آخر تک بڑا ربط و ضبط رہا۔

محمد بن سہل مذکورہ شاعر مشہور کمیت بن زید کے اشعار کا راوی ہجوہ بیان کرتا ہے کہ اس کا عہد مشہور و فیاض رئیس امیر العراقین جس کا نام خالد بن عبداللہ قسری ہے واسطہ میں تھا۔ طراح شاعر ایک قصیدہ لے کے اس کے پاس پہنچا۔ اور شیوا بیاہی کے جوہر دکھائے۔ رئیس مذکورہ نے خوش ہو کر اسی وقت تیس ہزار درہم اور دو ایسے حلہ جن کی قیمت کوئی نہیں بخوریز کر سکتا تھا انعام میں مرحمت کر ڈالے۔ اس فیاضی کی خبر کمیت کے کان میں پہنچی تو ان کے منہ میں بھی پانی بھرا آیا۔ نصنتے ہی سامان کر دیا۔ اور رئیس مذکورہ کے پاس جا کے ایک قصیدہ پیش کر لے پورا دہ ہو گئے۔ معاذ بن ہرا کو جب کمیت کا یہ ارادہ معلوم ہوا تو انھوں نے منع کیا۔ اور کہا تم وہاں کا ارادہ نہ کرو۔ تم امید نہ رکھو کہ طراح کی طرح تمھارے ساتھ بھی وہاں کسی قسم کا سلوک کیا جائیگا۔ طراح خود ان کے ہم قوم ہے۔ اور ایک ہی دادا کی اولاد ہے۔ علاوین بن بدین تم

قبیلہ مضرمین سے ہو۔ اور خالد بنی ہے۔ اور ایسا مینی کہ اسے قبیلہ مضرمین کے
 کی مخالفت میں تعصب ہے۔ یہ بھی جانے دو اور یہی دیکھو کہ تم شیعہ یعنی طرفدار
 علی ہو اور وہ بنی امیہ کا طرفدار ہے۔ تم عوامی ہو۔ وہ شامی ہے۔ کوئی بھی
 تو نسبت ہونا چاہیے۔ جو عمدہ برتاؤ کی سفارش کرے۔ لیکن کیت کو طبع
 ایسی دہنگر ہو گئی تھی کہ اُن کا کتنا کسی طرح نہ مانا۔ اور بے سوچے سمجھے چل کھڑے
 ہوئے۔ ان کے آنے کی خبر سنتے ہی مینی مصاحبون نے خالد سے کہا: "وہ وہ میدان
 کیت آئے جنھوں نے اپنے قصیدہ تو تیرہ میں ہمارے جو کی تھی۔ اور دنیا بھر کی
 یہود و گمان ہمارے طرف منسوب کی تھیں خالد نے اتنا سنتے ہی کیت کو انعام
 و اکرام درکنار فوراً قید کر لیا۔ اور کہا ایسے آدمی کا قید ہونا مناسب ہے
 اس لیے کہ یہ لوگوں کی جو کر کے انھیں صدمہ پہونچا کر رہا ہے۔ جب یہ خبر متعارف
 ہو گئی تو بیچارے کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور اُن کو جو تعلق کیت کے ساتھ تھا اُس
 نے بیتاب کر دیا۔ اس بیتابی میں اُنھوں نے چند شعر کہے جن کا حاصل یہ تھا کہ افسوس
 تم نے میری نصیحت نہ مانی جب یہ اشعار قید خانہ میں کیت کے گوش گزار ہوئے تو پوشیدہ
 اُنھوں نے اُن کو لکھ بھیجا جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہوا۔ اب بتاؤ کہ نجات کی کیا تدبیر ہے؟
 اُنھوں نے پوشیدہ طور پر پہنچایا کہ جس طرح بنے بھاگنے کا بندوبست کرو۔
 اس لیے کہ خالد کو تم سے عداوت ہے۔ اور وہ بے تمھاری جان لیے نہ رہے گا۔
 کیت نے اس کے بعد سے ایسی ہی تدبیر سوچنا شروع کی اور آخر کار
 جان بڑی کا ایک جیلہ اُن سے بن پڑا۔ وہ یہ کہ اُن کی زوجہ معمولاً قید خانہ
 میں اُنھیں کھانا کھلانے جاتی تھی۔ اور وہی نیکوخت اُن کے لیے کھانا پکا کے
 لے جا لگتی تھی۔ اس لیے کہ اس کو خالد ہی کی طرف سے اس امر کی اجازت
 تھی۔ بس ایک دن اُنھوں نے اس کے کپڑے پہن لیے اور اسی کی طرح گھونٹ
 کمال کے ناز و انداز سے روانہ ہوئے۔ محافظوں کو ان کی بی بی کا دھوکا ہوا۔
 اور وہ صاف نکل گئے۔ الغرض اس طرح ان بیچارے کو اس قید سے رہائی ملی
 قید خانہ سے نکل کے مسلمہ بن عبد الملک کے دروازے پر گئے۔ اور کہا مجھے کسی
 طرح چھپاؤ۔ اور وہ شعر پڑھے جن کا مطلب تھا کہ میں اگر چہ عورتوں کی طرح

دو پٹہ اوڑھ کر آیا ہوں مگر اس دو پٹہ کے پیچھے استقلال چھپا ہوا ہے۔ انرض
اس طرح انھوں نے قد سے رہائی پائی۔
معاذ ہر اس کی نسبت ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ انھوں نے عمر بہت بڑی
پائی تھی۔ بے شک اس عمر طویل نے اُن کی یہ آرزو خود اُن کے سامنے ہی پوری
کر دی کہ بنی امیہ جو دشمنان اہلبیت تھے مشرقی دنیا سے اسلام میں ان کا بالکل قلع
و قمع ہو گیا۔ ان کی خلافت مردان حمار تک پہنچنے کے ختم ہو گئی۔ اور بنی عباس
کے نقیبوں نے ہمدردان خاندان کی اعانت سے ان کو نہ کون پر زکین دے کے
ایشیا سے نکال باہر کر دیا ان کی نسل ان اطراف میں ناپید ہو گئی۔ اور ان کی
وہ سختیان جو اہل بیت بنوی پر ہوئی تھیں اُن کا سخت سے سخت انتقام ہو گیا
بنی عباس میں بھی کئی خلیفہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے مگر اس عالم آخر
ہوئے۔ تب سولہ ہجری میں انھوں نے دنیا کو رخصت کیا۔ اور بعض لوگ کہتے
ہیں کہ اُن کی موت اس کینچ سال میں ہوئی جس سال براکہ کے فیاض و علم
دوست خاندان کا ہار و نرشد کے ماتھوں کا یک خاتمہ ہوا تھا۔
براکہ کے خاندان کا غم دنیا میں ہمیشہ رہے گا اور جس کے ساتھ
ہر شخص کو خمنان اُن کے غم پر بھی آنسو بہانے کا موقع ملا۔ اور واقعی ان کے مرنے سے
گو یا ثابت ہو گیا کہ براکہ کے ساتھ ہی علم بھی ختم ہو گیا جس کے وہ قدر دان تھے۔

فرقہ بندی

ایزک کا مخصوص ماسلہ نگار عراق عرب کے ایک فرقہ کا حال لکھا ہے جو شیطان کی
پرستش کرتا ہے۔ صفوں نگار کی روایت ہے کہ اس فرقہ کا نام یزدی ہے۔ اور یہ عربوں اور کردوں
کی مخلوط نسل سے مرکب ہے ان کی تعداد ۶۰ ہزار ہے۔ اور ان میں سوا اکثر کا سکریجیل خیر ہے۔ جو
تجد کے پورب توصل کے مقابل واقع ہے۔ اُن کی کچھ تعداد قلعہ دیار بکر قفس و طہران
میں بھی موجود ہے۔ ان کی زبان کردی زبان کی ایک شاخ ہے۔ بلحاظ عادات و خصائل
یہ لوگ بڑے جفاکش باہمت پاکباز و مہمان نواز ہیں۔ لیکن ساتھ ہی بالکل جاہل بھی ہیں
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم ان کے مذہب میں قوطاً ممنوع ہے۔ حکومت کے جبر و تعدی کر

اُن کی جماعت روز بروز گھٹتی جاتی ہے۔ چنانچہ ۱۸۹۲ء میں یہ کئی ہزار کی تعداد میں قتل ہو چکے ہیں۔

ان کا مذہب دراصل قدیم طرز کی اجماع پرستی کا مظہر ہے جس میں مسیحیت، یسویت و اسلام تنہوں کے عناصر شامل ہیں۔ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ سب سے بڑی قوتیں دو ہیں۔ ملاک طاؤس۔ اور ملاک عیسیٰ جن میں سے اول الذکر اہرمین (شیطان) اور آخر الذکر یزدان (خدا) کے مرادف ہے۔ ان میں سے ہر قوت کی مدت حکومت دس ہزار سال تک رہتی ہے۔ لیکن آجکل چونکہ شیطان کا دور حکومت ہے۔ لہذا اُس کی عبادت واجب ہے۔

شیطان کی مدت حکومت کے چار ہزار سال گزر چکے ہیں۔ اور چھ ہزار سال باقی رہ گئے ہیں۔ اس مدت کے اختتام پر عیسیٰ کا ظہور ہو گا۔ جو شیطان کو جہنم میں بھیجیں گے اور وہ وہاں ہونچکر اس قدر گرے گا کہ آتش دوزخ اس کے آنسوؤں سے سرد ہو جائے گی۔ اس وقت انکی خطا معاف ہوگی۔ اور اس وقت وہ از سر نو معلم الملکوت کے مرتبہ پر فائز ہو گا۔ آجکل جو مسیح کا درجہ بلند ترین نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان کا عہد حکومت نہیں اور چونکہ وہ نہایت حلیم۔ رحیم کریم و بخشنے والے ہیں اس لیے اُن کو رونے اور خوف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

دعوتوں اور ضیاعوں کو روکنا پر یہ لوگ اب بھی مسیح کے نام پر فخر کرتے ہیں اور اساتذہ بھڑوں کی شیطان کے نام پر اس لیے کہ شیطان بڑا ہی سخت گیر اور غضبناک معبود ہے۔ یہ لوگ مسیح کے حلول پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن صلیب پر ان کے وفات یا نیکی نہیں مانتے مسیح کو ظہور اول کو یہ لوگ ناکام قرار دیتے ہیں۔ اس لیے کہ اس وقت وہ قوت عصیان کو شکست نہ کر سکے۔ یہ لوگ صلیب کا احترام کرتے ہیں۔ آفتاب و مانتاب کو مقدس مانتے ہیں۔ اور جس مقام پر آفتاب کی شعاعیں سب سے پہلے پڑتی ہیں۔ اُس کو روزِ چوتھے ہیں۔ ان کا اعتقاد ذاتِ باری پر بھی جو۔ لیکن چونکہ ان کے حسب اعتقاد اس کا تعلق صرف آسمان سے ہے۔ اور دنیا اور

افاقی دنیا سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ اس لیے اسکی عبادت ضروری نہیں سمجھتے حضرت محمد (صلعم) کو پیغمبرِ بحق تسلیم کرتے ہیں۔ اور کہہ کر کہ مقام مقدس مانتے ہیں۔ بائبل کی پرستش تو شاید یہ لوگ نہیں کرتے۔ تاہم اُن کے معابد میں بڑے بڑے سیاہ سانپوں کی تصویروں بنی ہوئی رہتی ہیں۔ اور لاگ میں تھوکنے ان کے اُن معصیت کبرہ ہے اس عمارت کے سامنے جس کے اندر شیطان کی صورتیں رہتی ہیں ہمیشہ چراغ

روشن رکھے جاتے ہیں۔

ان کے حب اعتقاد انسان کی خلقت آدم و حوا سے ہوئی تھی لیکن آدم و حوا اب تک ایک ایک نہیں بلکہ اکثر اکثر کی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں اور ان میں سے ہر آدم و حوا کی عمر دس دس ہزار سال کی ہوئی ہے۔ روایت ہے کہ ابتدا میں آدم و حوا کے دیوان اس باب میں چھکڑا ہوا کہ ان میں سے قوت تخلیق کس میں ہے۔ اس قضیہ کو طے کرنے کے لیے انھوں نے ایک ایک برتن میں تھوکا۔ اور انھیں برہنہ کر کے نو مہینہ تک رکھا۔ اسکے بعد جب کھولا تو حوا کے برتن سے سانپا دو دیگر حشرات الارض نکلے۔ اور آدم کے برتن سے دو خوبصورت اولادین ایک لڑکا اور ایک لڑکی برآمد ہوئے۔ اور پویدہ انھیں کی نسل سے ہیں۔ حوا کو اس تجربہ کے نتیجہ پر اتنا غصہ آیا کہ انھوں نے ان بچوں کی رضاعت سے انکار کر دیا۔ لیکن خدا نے آدم کو پستان دیدیے اور انھوں نے دو سال تک ان بچوں کی رضاعت کی۔

طوفان نوح سے متعلق بھی ان کی روایت دلچسپ ہے۔ کشتی آکر وہ سب پر ٹھہری جو ان کے بہادروں کی سب سے ادبچی جوئی ہے۔ لیکن جو نبی وہ کشتی ٹھہرنے کی دفعہ بہادر اس تیزی کے ساتھ ابھر آئے کہ کشتی میں سوراخ ہو گیا۔ اور وہ ڈوبنے لگی۔ اس پر کشتی کو سخت غصہ آیا اور نوح سراسیمہ ہو گئے۔ اس وقت ایک سانپ ان کی پاس آیا۔ اور اس نے کہا کہ اگر آپ میری ایک شرط منظور کرنے کا وعدہ کریں تو میں اس سوراخ کو اپنے جسم سے بھر کر کشتی کو قحطانی سے بچا سکتا ہوں اور وہ شرط یہ ہے کہ آپ آئندہ اجازت دین کہ میں اپنا مسکن انسان کی بغل کو رکھوں۔ اور انسانی خون چوستا رہوں۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک درباری پرندے نے جھپٹ مار کے سانپ کو اپنی جو پخ میں اٹھا لیا۔ سانپ اس وقت درد و تکلیف سے بیجا ہر کہ "اخ۔ اخ۔ چلا جا جس کے معنی زمین زمین" کے کردی زبان میں میں نوح اس کا مطلب یہ سمجھ کر سانپ کو زمین پر ٹپکتے رہنے کی تمنا کر اور انھوں نے اس کی اسی شرط کو منظور کر لیا۔ لیکن جب اسکے بعد کشتی محفوظ ہو گئی۔ تو نوح نے اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اور جتنے سانپ کشتی پر موجود تھے سب کو کچل کر کے آگ میں جھونک دیا۔ لیکن ان کی خاکثر سے دوسرے سانپ پیدا ہوئے جو آج تک دنیا میں موجود ہیں اور

انسان کی ہلاکت میں مصروف ہیں۔

گذشتہ جنگ یعنی سال ۱۹۱۷ء میں یوپیڈیون نے بہت سے مسیحوں کو پناہ دی اور جو ترک ان کے تعاقب میں آئے تھے ان سے مقابلہ کر کے انھیں شکست دی۔

دیا سلائی

کیا تم نے کبھی اس امر پر غور کیا ہے کہ آگ ہمارے کتنے اور کیسے بڑے بڑے کاموں میں استعمال ہوتی ہے؟
 ذرا اس دنیا کا نقشہ اپنے تصور میں باندھ کر دیکھو جس میں آگ کا وجود نہ ہو۔ فرض کرو کہ موسم سرما میں کسی دن جب ہم صبح کو بیدار ہوں اور سردی کا سخت زور ہو اور اس وقت دنیا میں ہر کسین آگ بجھی ہوئی ہو۔
 یا ہمارے پاس آگ جلانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ یا یون کچھ لو کہ ہم آگ جلانا ہی بھول گئے ہوں تو اس وقت ہماری کیا حالت ہوگی؟ ہم سب سردی کے مارے ٹھٹھنے لگیں گے کیونکہ آگ ٹھٹھو جھٹھو اور لالوں سے ہمیں مطلق حرارت حاصل نہ ہو سکی۔ ہمیں بہت جلد بھوک محسوس ہوگی۔ ہر قسم کھانا تیار نہ کر سکیں گے۔ ہم ستیا ہو جائیں گے۔ انہیں ٹیمون (ریل گاڑیوں) کو نہ چلا سکیں گے۔ ٹرکوں کو کام نہ ہو جائیں گے۔ یو بار اور تجارت رک جائیگی۔
 رات کو ہم آری میں نائٹ ٹوٹے پھریں گے کیونکہ آگ کے بغیر ٹیمپس کام لے سکیں گے اور ٹیکس اور بجلی سے اس حالت میں یہ معلوم کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے کہ آگ کی عدم موجودگی میں روشنی اور حرارت دونوں چیزوں کے حاصل نہ ہونے سے انسان کی زندگی سخت افسوسناک اور مصیبت زدہ رہی ہوئی ثابت ہونے لگی۔
 دنیا میں کوئی ایسا وقت نہیں گذرا جبکہ آگ کا وجود نہ رہی ہو۔ ان ایک ایسا وقت ضرور گذرا ہے جبکہ انسان آگ جلانے کا طریقہ نہیں جانتا تھا جب اسے آگ جلانے کا طریقہ معلوم ہو گیا تو مدت مدید کے بعد وہ اسے بہت سہل سمجھنے لگا۔ آج کل ہم بلا وقت آگ جلا سکتے ہیں کیونکہ ہمیں دیا سلائی۔
 ”دیا سلائی“ دستیاب ہو سکتی ہے لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ”دیا سلائی“ دنیا کی سب سے زیادہ عجیب چیزوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اور انسان کو اسے بنانے کا طریقہ سیکھنے میں ہزار سال گزارنے پڑے ہیں۔ شخص جانتا ہے کہ ”دیا سلائی“ کیا چیز ہے، مگر بہت کم لوگ اس کی تاریخ سے واقف ہوں گے۔ آؤ ہم اس کے تاریخی پہلو پر غور کریں۔
 سب سے پہلے انسان کو آگ براہ راست قدرت سے ملتا ہوئی تھی جب کسی پاس کی آتش نشان پھاڑی سے نکلی ہوئی چنگاریوں کے ذریعہ سے جنگل میں آگ لگا جائے

یا بجلی کرنے سے کسی درخت میں سے شعلے نکلنے لگیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قدرت کی صلاح
 ہوئی یا اسلامی ہجو دینا کی ابتدائی تاریخ میں ہر قسم کی آگ قدرت ہی کو جلاتی ہوئی پڑتی تھی کیونکہ
 انسان اپنی کوشش سے ایک چنگاری بھی پیدا نہیں کر سکتا تھا پس ثابت ہوا کہ آگ حاصل
 کرنے کا ابتدائی طریقہ انسان کے لیے یہ تھا کہ وہ کسی شعلہ میں جو قدرت نے کسی آتش نشان
 یا ہاڑ یا بجلی کے ذریعہ سے جلا یا ہو۔ لکڑیاں سلگاتا تھا۔ اس طرح پیر سلگائی ہوئی لکڑیاں
 گھر لجا کر ان کی مدد سے آگ جلاتی جاتی تھی اس طرح پھر جو آگ حاصل کی جاتی تھی اسے
 بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اور حتی الامکان کوشش کی جاتی تھی کہ وہ بجھنے نہ پے
 لیکن ظاہر ہے کہ خواہ آگ کی کتنی ہی حفاظت کی جائے وہ کبھی نہ کبھی ضرور بجھ جاتی ہوگی۔
 آدھی چلنے یا پانی برسنے سے اس کا بجھ جانا بالکل قرین قیاس ہے۔ ایسی حالتوں میں
 دوبارہ لکڑیاں سلگ کر لانی پڑتی تھیں۔ اور اس مطلب کے لیے بسا اوقات طویل سفر طے کر کے
 اور سخت مصائب جھیلنے پڑتے تھے۔

رفتہ رفتہ دنیا کے کسی حصہ میں کسی شخص کو ایک ایسا طریقہ معلوم ہوا جس کے ذریعہ
 سے وہ خارجی طور پر آگ حاصل کیے بغیر آگ جلا سکتا تھا۔ اس کا مطلب صاف الفاظ میں
 یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے مصنوعی طور پر آگ جلانے کا طریقہ معلوم کر لیا۔ وہ پہلے ہی سے
 یہ بات جانتا تھا کہ اگر ہاتھوں کو زور زور سے ملا جائے تو وہ گرم ہو جاتے ہیں۔ اس کے
 بعد اس نے تجربہ سے یہ بات معلوم کی کہ اگر خشک لکڑی کے دو ٹکڑے دن کو آپس میں
 رگڑا جائے تو انھیں بھی بہت گرم کیا جاسکتا ہے۔ اس تجربہ سے اسکے دل میں یہ سوال
 پیدا ہوا ہو گا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اگر لکڑی کے دو ٹکڑے دن کو آپس میں زور سے رگڑا جائے
 تو آگ پیدا ہو جائے۔ پس اس نے بالکل خشک لکڑی کا ایک ٹکڑا زمین پر رکھ کر اسکی
 سطح کو دوسری جھڑی کے ٹکڑے سے یا ان کے ٹکڑے سے یا ان کے ٹکڑے سے یا ان کے ٹکڑے سے
 رگڑنے کے عمل کے دوران میں اس نالی کے اندر ایک قسم کا لکڑی کا بلاوہ سا جمع ہو گیا
 اس پر بھی وہ تیزی اور سختی کے ساتھ لکڑیوں کو رگڑا گیا حتیٰ کہ وہ بلاوہ جوں کی میں جمع
 ہو گیا تھا۔ دیکھنے لگا۔ اس دیکھتے ہوئے بلاوہ پر اس نے تھوڑی سی خشک گھاس رکھی اور
 اس کے بعد یہاں تک بھونکے کہ اس میں شعلہ پیدا ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انسان نے
 آگ پیدا کی۔ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کو رگڑنے سے آگ پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ اس
 عمل سے صرف اسی قدر گرم ہو سکتا ہے کہ وہ دھنکے لگیں۔

اپنے لیے خود آگ جلائی شاید ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ "دیا سلائی" کی ابتدا تھی۔ بان! اسی "دیا سلائی" کی ابتدا جو تاریخ عالم میں مسیح بہترین ایجاد کلائے جانے کی مستحق ہے!

سہولت کی غرض سے آگ جلانے کے اس طریقہ کا نام ہم "چھڑی کے ذریعہ سے لکڑی میں نالی تار کرنا" رکھتے ہیں۔ واقعی یہ طریق آگ کو محفوظ رکھنے اور جا بجا لیے پھرنے کے طریقے سے زیادہ اچھا تھا۔ لیکن اس پر بھی دو ایک بہت بعد اور غیر موزوں طریقہ تھا: اس طریقہ کو یہ بالکل خشک لکڑی رکھا جوتی تھی اور گردن کا عمل صبر کیا بہت دیر تک جاری رکھنا پڑتا تھا۔ بعض دکاندار یہاں تک پہنچ کر دیکھ کر مین کسی کھینٹے صحن ہو جاتے تھے۔ ایک عرصہ دراز کے بعد کسی شخص نے یہ بات دریافت کی کہ لکڑی کو اوپر نیچے لیجا کر گرنے سے یہ طریقہ بہتر ہے کہ اسے ایک ہی جگہ رکھ کر گھمایا جائے اس طرح گھمانے سے نیچے کی لکڑی میں ایسا سوراخ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور گردن کے ذریعہ سے جو حرارت پیدا ہوتی تھی اس سوراخ ہی کے اندر مرکوز رہا کرتی تھی! ابتداء چھڑی کو گھمانے کا عمل تھام کی پھیلون کو کرک جاتا تھا۔ لیکن اس سے ماتھون کو تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ جون جون زمانہ ترقی کرتا گیا آگ جلانے والوں نے پھیلون کے بجائے چھڑی کو ایک رسی یا تسمہ کے ذریعہ سے گھمانا شروع کیا۔ جس چھڑی پر بے کام لیا جاتا تھا اسکا بالائی سرا تو تن میں دبایا جاتا تھا اگر تم اس طرح آگ جلانا بکا بھر بہ کر کے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ برے کی حرکت سے بیٹرون کو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

ان دونوں مذکورہ بالا طریقوں میں آگ گردن کے ذریعہ سے پیدا کی جاتی تھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانہ کے تمام لوگ اسی گردن کے طریقے سے کام لیتے تھے۔ اور اب بھی دنیا کے مختلف حصوں میں محض قومیں اسی سے کام لیتی ہیں۔

آگ جلانے کے سلسلہ میں دو را قدم اس وقت اٹھایا گیا جب یہ بات دریافت ہوئی کہ پھر اور لوہے کی خام نھات کو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے آگ کا شرارہ پیدا ہو سکتا ہے اس کا اصول یہ تھا کہ چھڑی (آتشین پھر) کا ایک ٹکڑا خام لوہے کے ایک ٹکڑے سے ٹکرایا جاتا تھا۔ اور اس عمل سے متعدد شرارے نکلتے تھے۔ اگر ان شراروں کو خشک کاہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں یا کوئلے کے سفوف میں گرنے دیا جائے تو فوراً آگ پیدا ہو جاتی ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ اس طرح پر جو آگ پیدا ہوتی ہے اس میں سے بھی شعلے نہیں نکلتے بلکہ وہ صحن دہکنے لگتی ہے۔ اب اگر اس دہکنی آگ پر خشک لکڑی رکھ کر نیچے سے ہوا کرین یا پھونکین ماریں تو شعلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر لکڑی کے ٹکڑے کو دہکنی آگ میں ڈالنے سے بیشتر گندھاک میں ڈبو لیا جائے تو فوراً

شعلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ آگ جلانے کا وہ طریقہ تھا جو رگڑ سے آگ پیدا کرنے کے طریقے کے بعد مروج ہوا۔ اور فی الحقیقت یہ ایک اصلاح یافتہ طریقہ تھا۔ کیونکہ اس میں آگ جلانے کے لیے نہ صرف کم محنت کرنی پڑتی تھی، بلکہ وقت بھی بہت کم صرف ہوتا تھا۔ اس طرح پہلے آگ جلانے کے لیے جو سامان درکار ہوتا تھا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) ایک اس قسم کی ڈبیہ (ٹنڈر بکس) جس میں کاہی کے کچے ٹکڑے اور کوئلہ کا سفوف وغیرہ موجود ہو۔ (۲) ایک ٹکڑا فولاد (۳) ایک ٹکڑا چھاق (۴) گندھک لگی ہوئی تیلیاں چھاق اور فولاد کو آپس میں ٹکڑا یا جاتا تھا اور اس طرح جو ٹنڈر پیدا ہوتے تھے وہ اُس ڈبیہ میں گرائے جاتے تھے جس میں کاہی کے ٹکڑے اور کوئلہ کا سفوف ہوتا تھا ٹنڈر ڈبیہ میں گرتے ہی دہکنے لگتے تھے اسکے بعد فوراً گندھک لگی ہوئی تیلی اس دہکتی آگ میں ڈال دیجاتی تھی جو فوراً روشن ہو جاتی تھی اسکے جلنے ہی اس ٹنڈر کو صلیب جانا تھا جو ٹنڈر بکس پر لگی رہتی تھی تیل میں آگ لگتے ہی ٹنڈر بکس کو بند کر دیا جاتا تھا تاکہ دہکتا ہوا مصلحہ بجھ جائے اور پھر دوسرے وقت میں کام میں لایا جاسکے۔

آگ جلانے کا یہ طریقہ اب سے ہزار ہا برس قبل دریافت ہوا تھا اور دنیا کی قریب قریب تمام مذاہب اقوام سے اپنے اپنے وقت میں استعمال کر چکی ہیں۔ اس طریقے کو چھوڑے ہوئے بھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اب بھی بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں وہ وقت یاد ہوگا جبکہ فولاد چھاق اور ٹنڈر بکس کا استعمال ہر گھر میں ہوا کرتا تھا۔

اب سے کوئی ۱۰۰ سال قبل آگ جلانے کا ایک اور طریقہ دریافت ہوا۔ اگر گندھک کے تیزاب کی تھوڑی سی مقدار کلورمیتھین گیس اور ٹھکانڈ کے مرکب پر ڈالی جائے تو چمکدار شعلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جلانے کا ایک نیا طریقہ دریافت کرنے کے لیے یہ ایک اشارہ تھا۔ چنانچہ آخر کار سترھویں صدی میں دانیا کے ایک سمجھدار شخص نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ ٹنڈر بکس کے ساتھ جو گندھک لگی ہوئی تیلیاں استعمال کیجاتی تھیں۔ اس نے ان میں سے ایک تیلی کے کڑے گندھک کے

ساتھ تیل اہل زبان آتش شیشہ کے ذریعہ سے آگ جلا کر لے تھے۔ آفتاب کی شعاعیں شیشہ کے اندر سے گزر کر کسی چیز پر مرکوز ہوتی تھیں جس میں باسانی آگ لگ جاتی تھی۔ لیکن آتش شیشہ کا "دیا سلائی" کے ارتقا سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

تیزاب میں ڈلویا۔ اور اُس کے بعد اسے کلورائیٹ آف پوٹاش اور کھانڈ کے مرکب میں ڈالا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ بتیلی میں فوڈ آگ لگ گئی اور شعلہ پیدا ہو گیا۔ یہ طریقہ آگ پیدا کرنے کے پہلے دو لون طریقوں سے مختلف تھا۔ ضرورت صرف اس بات کی ہوتی تھی کہ چند کیمیائی اجزاء کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے۔ پھر اُن میں خود بخود آگ لگ جاتی تھی۔ مطلب یہ کہ کیمیائی طریق پر آگ پیدا ہو جاتی تھی۔

دائنا کے اس شخص کی دریافت کی بدولت لوگوں کی توجہ نئی قسم کی دیا سلائی (یعنی کیمیائی دیا سلائی) کی طرف رجوع ہوئی اب آگ جلانے کے لیے جن اشیاء کی ضرورت ہوتی تھی وہ حسب ذیل تھیں۔ ایک بوتل گندھک کے تیزاب کی۔ ایک بندل تیلیوں کا جن کے سروں پر گندھک اور کلورائیٹ آف پوٹاش اور کھانڈ کا مرکب لگا ہوا ہو۔ اس قسم کی دیا سلائیوں پر بہت زیادہ لاگت آتی تھی۔ یعنی قریباً پندرہ روپیہ میں تنو دیا سلائی تیار ہوتی تھیں اس کے علاوہ لون بھی غیر طمانیت بخش تھیں بسا اوقات جب بتیلی کو تیزاب میں ڈالا جاتا تھا تو اس میں آگ نہ لگتی تھی۔ اور وہ دھک دھک تیزاب کو ادھر ادھر اڑانے لگتی تھی اس سے کپڑے بھی خراب ہوتے تھے۔ اور مزاج بھی نتیجہ ہوا کہ اٹھارہویں صدی میں اس قسم کی دیا سلائی کو صرف وہی لوگ استعمال کیا کرتے تھے جن کو یہ پسند تھیں یا جو انھیں خریدنے کی توفیق رکھتے تھے۔ عام طور پر ٹنڈر بنس کے ذریعہ سے آگ جلانے کا طریقہ رائج رہا۔

آخر کار انیسویں صدی یا لون کہنا چاہیے کہ اس صدی میں جس کے اندر بہت سی عجیب و غریب دریافتیں عمل میں آئیں دیا سلائی کے ارتقار میں جو تھا قدم اٹھایا گیا۔ ۱۸۷۰ء کا ذکر ہے کہ انگلستان کے ایک چھوٹے سے قصبے میں جان واکر نے ایک دوا فروش نے تیلیوں کے سروں پر گندھک کلورائیٹ آف پوٹاش اور کھانڈ پر ایٹھ مٹی کا مرکب لگا کر انھیں ایک الیرگر ایتیلیاں فور جلفے لگیں یہ رنگڑے لون کیمیائی دیا سلائی وہ تھی جس کا استعمال کم و بیش اصلاح کے ساتھ ہم آج تک کرتے ہیں۔ اسے رنگڑے والی کیمیائی دیا سلائی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اسے چند کیمیائی ادویہ کے مرکب سے تیار کیا جاتا ہے۔ ہر خند کہ جان واکر کی دیا سلائی کے لیے ایسڈ کی بوتل درکار نہ ہوتی تھی تاہم وہ اچھی قسم کی دیا سلائی تھیں

انہیں صرف اسی صورت میں جلا یا پکنا تھا کہ خوب زور سے رگڑا جائے۔ اس کا شعلہ پھڑپھڑانے لگتا تھا۔ اور ہر طرف آگ گرتی تھی اس کے چند سال بعد انہی منی کے بجائے تیلوں پر فارسفوس لگایا جانے لگا۔ اس سے دیاسلائی کی صنعت میں انقلاب عظیم واقع ہوا۔ اب دیاسلائی معمولی رگڑ سے روشن کی جاسکتی تھی اب اس میں وہ پھر پھر اہٹ بھی باقی نہ رہی تھی۔ یہی وہ فارسفوس کی دیاسلائی تھی جس سے ہم سب ابھی طرح آشنا ہیں۔

جب اس طرح پکسانے سے جلنے والی فارسفوس کی دیاسلائی ان ایجاد ہو گئیں تو پھر تیزاب میں تیلی ڈلو کر یا انڈر بکس کے ذریعہ سے آگ جلانے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ رفتہ رفتہ آگ جلانے کے پرانے طریقے لوگوں کو فراموش ہوتے گئے۔ اس وقت اس قسم کی دیاسلائی بارہ آنہ فی پیکٹ کے حساب سے فروخت ہوتی تھیں۔ ایک پیکٹ میں بارہ درجن دیاسلائی ان ہوا کرتی تھیں۔ بہت کم لوگ ان کے استعمال کی توفیق رکھتے تھے۔ مگر اب ایک پیسہ میں عمدہ قسم کی سودیاسلائی خریدی جاسکتی ہیں اب ان کا رواج اس قدر ہو گیا ہے کہ صرف صوبجات متحدہ امریکہ میں اندازاً ۱۵۰ دیاسلائی ہر سال استعمال ہوتی ہیں۔ یعنی فی کس ۵ دیاسلائی روزانہ۔

فارسفوس کی دیاسلائی میں ایک نقص ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ اس میں آگ فوراً لگ جاتی ہے۔ اگر فرش پر کہیں ایک دیاسلائی پڑی رہ جائے تو ممکن ہے کہ اس پر کسی شخص کا قدم پڑنے یا کوئی چیز گرنے سے اس میں آگ لگ جائے۔ ممکن ہے بے خبری میں ہمارا پاؤں فارسفوس کی دیاسلائی پر پڑ جائے اور وہ جلنے لگے۔ اور ہم اسے جلتا ہوا چھوڑ کر چلے آئیں اور گھر میں آگ لگ جائے بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ چوہیوں نے فارسفوس کی دیاسلائی کو کتر سے۔ اور وہ جلنے لگیں۔ اور اس طرح مکان میں آگ لگ گئی۔ ایک شہر کا ذکر کرتے ہیں جس میں میس تباہی خیز آتش زدگیان صرف چوہیوں کے دیاسلائی کترنے سے واقع ہوئی تھیں۔

ان دیاسلائیوں کے حوادث سے محفوظ رہنے کے لیے کچھ مدت سے سیفی دیاسلائیوں کی ایجاد ہوئی ہیں۔ ان دیاسلائیوں میں فاسفورس نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے ایک قسم کی باریک ریت میں ملا کر اس ڈبیا کے پہلوؤں پر لگا دیا جاتا ہے۔ جس میں دیاسلائیوں رکھی جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک ان دیاسلائیوں کو ان کے خاص بمس پر نہ لگا دیا جائے وہ نہیں جلتیں یہ دیاسلائیوں فاسفورس کی معمولی دیاسلائیوں سے اس قدر بہتر ہیں کہ دن بدن فاسفورس کی دیاسلائیوں کی مانگ کم ہوتی جاتی ہے۔ اور بعض مالک میں اس قسم کے قوانین نافذ ہو چکے ہیں کہ سیفی دیاسلائی کے علاوہ کسی اور قسم کی دیاسلائی فروخت نہ کی جائے۔

آگ جلانے کی طویل تاریخ میں سیفی دیاسلائی کی ایجاد آخری قدم ہے۔ ابتداً آگ لگ کر سے پیدا کی جاتی تھی۔ اور اب ہمارے زمانہ میں بجلی لگ کر ہی سے پیدا کی جاتی ہے۔ مگر ذرا غور کیجیے کہ دونوں طریقوں میں کس قدر فرق ہے۔ برے کے ذریعہ سے آگ پیدا کرنے یا چھڑی کو لکڑی پر لگ کر آگ جلانے کے لیے فرصت اور مہارت و درکار ہوتی تھی۔ لیکن سیفی دیاسلائی کے ذریعہ سے ایک لمحہ بھی ایک لمحہ میں آگ جلا سکتا ہے۔

لیکن ذرا اس بات پر غور کیجیے کہ اس قسم کی عمدہ دیاسلائی تیار کرنے میں کتنا زہانہ صرف ہوا ہے۔ اس سادہ اور چھوٹی سی سیفی دیاسلائی کی ایجاد سے پیشتر دھاتی تیار۔ ٹیلیفون اور بٹنی رد نشی وغیرہ چیزیں مستعمل ہو چکی تھیں۔

ایشیا کا سب سے بڑا شہر

چین کا مشہور شہر ہانگ کانگ جو آج کل غیر ملکیوں کے خلاف ہنگامہ آرائیوں کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا ہے۔ چین کا "ناپختہ" یا شکاگو کہلاتا ہے یہ شہر مال بحر سے چھ سو میل "دریا نیگیٹی" اور دریائے ہان کے شکر بردار قعر۔ دریائے نیگیٹی اتنا عریض و عمیق ہے کہ اس میں بارہ مہینے بڑے بڑے

بحری جہاز چلتے رہتے ہیں اس لحاظ سے ہانکاؤ ساحل بحر سے بعد مسافت کے باوجود ایک محفوظ بحری مقام سمجھا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ شہر تین ہزار سال کا پرانا ہے۔ جب ۱۸۶۱ء

میں چین کے دوسرے مقامات کے ساتھ اسے بھی از روس معاہدہ غیر ملکی تجارت کے لیے کھولا گیا تھا تو یہ غریب اپنی گردن کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ لیکن غیر ملکی تجارت کا اہم مرکز بن جانے کے بعد ہانکاؤ نے حیرت انگیز ترقی کی۔ اور وہ رفتہ رفتہ دریائے نیگسٹی کی وادی کی سب سے بڑی تجارتی منڈی بن گیا۔ دریائے نیگسٹی ملک چین کو ٹھیک دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

ایک حصہ شمالی چین۔ دوسرا حصہ جنوبی چین۔ یہ دریا تین ہزار میل لمبا ہے اور اپنے متعدد معاون دریاؤں کے ذریعہ وسیع علاقے کو سیراب کرتا ہے جس میں تینسل کروں نفوس آباد ہیں۔ جنوبی امریکہ کا دریائے ایمیزن دنیا کا سب سے بڑا دریا ہے۔ اسے نیل اور نیجی اعتبار سے بے انتہا وقعت ہے۔ لیکن دریائے نیگسٹی یہ سب سے کمزور تعداد انسانوں کی موت و حیات کا مدار ہے۔

شروع شروع میں یہاں انگریزوں کو امتیازات ملے اور نگھائی کی برطانی تجارتی کوٹھی نے ہانکاؤ میں ایک شاخ قائم کی ۱۸۹۵ء کے بعد فرانس بصر جاپان اور جرمنی بھی ہانکاؤ پہنچ گئے۔

ہانکاؤ تجارتی اعتبار سے بہت بڑا مرکز ہے جنگی نقطہ خیال سے بھی اسکی اہمیت کچھ کم نہیں۔ بلکہ اسے دریائے نیگسٹی کی بالائی وادی کی یکمہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں رہنے اور قتل و لاد کے بڑے بڑے کارخانے ہیں جن میں ہر سال دو لاکھ من

ورنی سامان تیار ہوتا ہے۔ چین چین کا سب سے بڑا کارخانہ اسلحہ سازی ہے ایک بڑی تیگنی بنانے والا مرکز۔ کارخانوں میں لکڑی کی مٹی لگا ہوا ہے۔

ہانکاؤ کی آبادی کا صحیح اندازہ مشکل ہے تاہم یہاں کی جانا اور اس میں سولہ لاکھ چھبیس ہزار نفوس آباد ہیں اس لحاظ سے یہ محض چین کا سب سے بڑا شہر ہے اس شہر میں فرنگیوں اور جاپانیوں کی آبادی بارہ سو اڑھائی ہزار ہیں جسے چھ سو انگریزین سو جرمن۔ ڈیڑھ سو روسی ہیں اور بقیہ فرانسیسی اور جاپانی ہیں۔

۱۹۱۹ء کے انقلاب میں اس شہر پر بڑی آفتیں نازل ہوئی تھیں۔ مدت تک اس پر گولہ باری

دنگلہ

مولانا شرمحمد کی یادگار، دو کاسٹو ادبی تاریخی رسالہ جسے زبان اردو کے علمی ترقی کے لیے علی گڑھ سے پیرا دیا گیا اور ایک سال بعد لکھنؤ کے پیرا دیا گیا اور دوسرے پر بھی خریدیں تو ایک نیا ادب مفت مذکور کیا جاتا ہے اور دوسری سال بعد کے پیرا دیا گیا اور محمولہ ایک پر ایک دوسرے پر پیرا دیا گیا اور دوسری سال بعد کے پیرا دیا گیا۔

تصانیف مولانا شرمحمد علی گڑھ شرمحمد

- | | |
|--|---|
| ۱۔ تاریخ سوانحی اور کچھ وغیرہ | ۲۱۔ فردوس بریں - جسے جنت کی سر |
| ۲۔ جینہ لعدادی - حضرت جینہ کے حالات | ۲۲۔ قیس دینی - مشو عاشق عربی کی سیدنی |
| ۳۔ ابو بکر شلی - حضرت ابی کے حالات | ۲۳۔ لیت جین - عہد صحابہ کا تاریخی ناول |
| ۴۔ حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ کے حالات | ۲۴۔ مقدس نازین - ایک سوانحی ناول |
| ۵۔ خواجہ عین الدین - خواجہ عین الدین کے حالات | ۲۵۔ ۵۱ ملک - عہدوں کا مروجہ اور فوجات |
| ۶۔ ملکہ ذونبہ - سلفی ایک عربی ناول | ۲۶۔ یوسف مجرہ کامل - بک بک بک بک بک |
| ۷۔ سکینہ بنت جحش - جناب سکینہ بنت امام حسین | ۲۷۔ ایام عرب - جاہلیت عرب کی کل تصویر |
| ۸۔ قرہ لیتن - ایران کی مشہور جنت رادی کے حالات | ۲۸۔ جولے حق - حضرت رسول اکرم کی سوانحی |
| ۹۔ ولادت سرور عالم - مولانا شرمحمد علامہ ابو الفرج | ۲۹۔ زوال لعدادی - شرمحمد کی نا اعلیٰ کا تقریباً |
| ۱۰۔ ابن جزی کا ترجمہ کا شرم محمد کا نظم کا نظم | ۳۰۔ شرم محمد کی تباہی |
| ۱۱۔ سفر نامہ امام شافعی - امام شافعی کے سفر کے حالات | ۳۱۔ شوقین ملکہ - دوسری صلیبی لڑائی |
| ۱۲۔ سر سید کی دینی بکس | ۳۲۔ طہارہ - نہایت دلچسپ ناول |
| ۱۳۔ قانون وراثت اسلام پر مولانا کا ایک لکچر | ۳۳۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |
| ۱۴۔ ہندوستان کی سوتیلی | ۳۴۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |
| ۱۵۔ ثانی اشین - حضرت عبد القادر کے حالات | ۳۵۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |
| ۱۶۔ ذبی النورین - حضرت عثمان کے حالات | ۳۶۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |
| ۱۷۔ ابو عینین - حضرت علی کے حالات | ۳۷۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |
| ۱۸۔ تاریخ ناول | ۳۸۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |
| ۱۹۔ بغیر مصر - عربی طوں کا تاریخی ناول | ۳۹۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |
| ۲۰۔ فتح اندلس - اسپین پر عربوں کا حملہ | ۴۰۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |
| ۲۱۔ رومہ الکبریٰ - روم پر لوگوں کا حملہ | ۴۱۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |
| ۲۲۔ مفتوح فلج - ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول | ۴۲۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |
| ۲۳۔ فلپا - ارض طرابلس الغرب پر صحابہ کا حملہ | ۴۳۔ عینا ناز - مولانا کا ایک ناول |

المشہر حکیم محمد سراج الحق شرمحمد از کمرہ نین بیچاں لکھنؤ

مولانا مولوی عبدالجلیل صاحب مدظلہ
کی یادگار

رسالہ

دلگداز

بر ۹۳۸ باب۱۱ اگست و ستمبر ۱۳۹۷ء جلد ۲

محبوب حسن ایڈیٹر

اہتمام

فناکار حکیم محمد سرانج الحق مینجراؤ پرنٹ و پبلشر

دلگداز پریس فکٹر بزنس گنجان مین

چھپ کر شائع ہوا



ابن الاعرابی محمد بن ضیاء کو فی "عہد عتیق کے نامور علمائے ہند اور ترقی
 دین اور اشاعت فنون شریعیہ میں بہت کچھ جھلک کی کوششوں کا شامل جو عباس
 بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے غلاموں میں تھے۔ مگر بعض مورخین
 کا خیال ہے کہ نجیب الدین کے غلاموں میں تھے۔ فن لغت اور زبان عرب کے بہت بڑے
 مجتہدوں میں ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے ان کی شان میں لکھا ہے کہ "کان نحویاً
 عاکلاً کالغلة والشعر" یعنی بہت بڑے نحوی تھے اور لغت و شاعری کے عالم
 تھے۔ ابن اعرابی کی پیدائش کا حال اسی عہد کے ایک نامور عالم تغلب نے خود انھیں
 کی زبان سے سُن کے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے تھے "اگر جس رات امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے
 انتقال فرمایا ہے اسی رات کو میں پیدا ہوا" امام اعظم نے جب شہید ہوئے تو انتقال
 فرمایا ہے۔ لہذا سمجھ لیتا چاہیے کہ ابن اعرابی کا ایسا نامور نحوی اسی سال پیدا ہوا۔
 افسوس اس عہد کے مورخین علماء کے بچپن کے حالات اور ان کی زندگی کا زیادہ
 دلچسپ حصہ جو ابتداء عہد میں گزرا اس بارے میں جو ہمیں بالکل نہیں نظر آتا کہ بچپن میں
 ذہ کو کتنے سے کھیل کھیل رہے ہیں۔ کن مجتہدوں میں ہیں۔ اور ان بابا کے دامن شفقت
 میں ان کی کیونکر گزر رہی ہے۔ بہر حال اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب ابن شہاب آیا اس وقت
 انھیں علم کا شوق ہوا۔ اور مشاہیر علماء زمانہ کے مجتہدائے درس میں جا جا کے
 فیض اٹھانے لگے۔ ابو یوسف ضریر مفضل مبنی صاحب مفضلیات قاسم بن معن بن عبد الرحمن
 بن عبد اللہ بن سعود اور علی بن حمزہ کسائی کے فیض صحبت سے سائل عربیت اور غرض
 ادبیت کو حاصل کیا۔ اس کے علاوہ اس دور کے چار نامور اساتذہ اور شاخ

تھے ان کی صحبتوں سے بھی برکت حاصل کی اور رفتہ رفتہ علم و فن میں ایسی ترقی کی کہ تدریس سے اپنے اقران پر سبقت لینگے۔ جس طرح زمانے کے فضلا اور ناموروں کے نقش قدم کو وہ ڈھونڈتے پھرتے تھے اسی طرح آخر زمانہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور ہر شخص ان کی زیارت اور ان کے کمالات کا تتبع کرنے لگا جس طرح ابتداء خود فائدہ حاصل کرنے کے لیے کملا سہ دہر کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اسی طرح تحصیل کے بعد عرضہ استقلال سے ایک مقام پر بیٹھے رہے۔ اور عددالوگوں کا جو مضمین حاصل کیا وہ تحصیل علوم کے لیے ان کے گرد جمع رہا کرتا تھا۔ ابراہیم حرابی۔ ابن سکنت۔ ابو العباس تغلب جن کا نام تواریخ اسلام اور طبقات قدائین جا بجا غربت کے ساتھ نظر آئے گا ان کو علامہ ابن خلکان ابن اعرابی ممدوح کے تلامذہ میں بتاتے ہیں۔

رتبہ کمال پر پہنچ جانے کے قطع نظر زیادہ تر قابل تعریف بات یہ کہ ابن اعرابی نے ذہن نہایت رسا پایا تھا۔ عجیب باریک بین نظر اور تہذیب دہا سہ رکھتے تھے۔ فن لغت و عربیت میں انھوں نے اپنے لاجواب ذہن کی تیزبان دکھائی ہیں۔ اکثر علماء مصنفین پر اعتراض کیے ہیں اور ائمہ اہل لغت میں سے بہتوں کو الزام دیا ہے۔ ابو عبیدہ اور حماد جو زبان سرب کے مشہور محققین شمار کیے جاتے ہیں ان کے فیصلوں کو اکثر جگہ غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ اپنے معرین اور معتقدین میں بارہا ان کی زبان پر آیا کہ ان دونوں کو ویسی بصیرت نہ بان عرب و دقائق لغت میں نہ تھی جیسی کہ خیال کری گئی ہے۔ ایک ان کی اسے یہ بھی تھی کہ ضیاء معجمہ اور خزانہ معجمہ کا ہم تبادلہ یعنی کبھی "ظ" کے مقام پر "ض" کا استعمال کرنا اور کبھی "ض" کے مقام پر "ظ" لے آنا جائز ہے اس پر انھوں نے ایک قدیم اور مستند شعر کو سراہا پیش بھی کیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے ابو العباس تغلب سے جو ابن اعرابی کے شاگردوں میں تھے روایت کی ہے کہ وہ بزرگ فرماتے تھے "میں نے ابن اعرابی کی صحبت میں انجی آگاہ سے دیکھی ہیں۔ اکثر سو سے زائد طلبہ حاضر ہوتے تھے۔ کوئی کچھ پوچھتا تھا اور کوئی پٹہ صفا تھا۔ اور وہ ہمیشہ بغیر مد و کتاب کے جواب دیتے تھے۔ میں کچھ اور پوچھتا ہوں تو اس تک ان کی خدمت میں حاضر رہا۔ میں نے دوسرا دیتے وقت ان کے ہاتھ میں کتاب نہیں دیکھی اور میں نے انھیں طالب علموں کے سامنے تقریر کرتے

دیکھا جس میں اتنے واقعات بیان کرتے تھے کہ اگر مرتب کر کے لکھے جاتے تو اوٹوں کے بوجھ ہوتے۔ اور علم شعر میں اُن سے بڑھ کے میں نے کسی کو نہیں پایا۔
 اُن کی طرف طالبانِ علوم کا ایسا مزاح رہا کرتا تھا کہ اکثر دن کے وطن اور مقام کی بھی ان کو کم خبر ہوتی تھی چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بار انھوں نے اپنے شاگردوں میں سے دو کو آپس میں بحث کرنے دیکھ کے پوچھا "تھار وطن کہاں ہے؟" ایک نے اپنا وطن ایتھنجا بتایا اور دوسرے نے آئندلس۔ دونوں کا بعد وطن خیال کر کے ابنِ اعرابی کو تعجب معلوم ہوا۔ اور اس تعجب کے جوش میں انھوں نے یہ ایک شعر پڑھا۔

رفیقانِ شتی الف الدھر بیتنا ودلائق الشقی فیانکھان

یہ شعر شمس کے طلبہ نے عرض کیا کہ اس پر اور شعر لگا کے اسے ایک پورا قطع بنا دیجیے بیان کیا دیکھتے انھوں نے فی البدیہہ یہ اشعار لگائے۔

توداعی قبیلة عندیة لہائس فی الصالحین ہجان

میں کے قبیلہ قیس کی ایک خاندانی عیادت پر ہمارا گزر ہوا۔ جس کا سلسلہ نسب نیکون اور چچے لوگوں سے ملتا تھا۔

نقالت وارحت جانہ الشتر بیذالایۃ ارضوانہ الوجلان

اس نے ہمارے اپنے درمیان میں پردہ ڈال لیا اور ہم سے پوچھنے لگی آپ دو صاحب جو ہمارے ہاں آئے ہیں کس سرزمین کے ہیں اور کس خاندان کے ہیں۔
 فقلت لہا اما رفیقہ حقوہ تصدروا واما اسرتی فیما بین

میں نے کہا میرے یہ دوست تو قبیلہ تمیم کے ہیں اور میں مین کار بننے والا ہوں۔

رفیقانِ شتی الف الدھر بیتنا ودلائق الشقی فیانکھان

ہم دونوں ایسے دوست ہیں کہ باعتبار وطن ہم میں بڑا ہی فرق اور بُعد جہ زمانہ نے ہم دونوں کو ملا دیا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ دو جدا جدا شخص باہم ملتے ہیں۔ اور ان میں دوستی و محبت اور ربط و ضبط پیدا ہو جاتا ہے۔

ابنِ اعرابی کو اپنے عہد میں ایسی مرجعیت عامہ حاصل ہو گئی تھی کہ بادشاہان اسلام اور خلفائے عہد بھی علمی اور ادبی مسائل میں اکثر ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ سبزوئی بیان فرماتے ہیں کہ خلفائے عباسیہ میں سے واثق بن

ایک روز اپنے جلسوں اور مصحفیوں میں بیٹھا خوشی کی گویاں گزران رہا تھا۔ گانوالے
نغمہ ہائے دلکش گانگاہ کے اسے سرور کر رہے تھے کہ ایک مغنی نے اپنی دلفریب آوازوں
کے ساتھ ایک شعر گایا۔ اس شعر کے معنوں پر جو غور کیا گیا تو اہل صحبت میں اختلاف
پیدا ہوا۔ دانتی باندھ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "اس فضول بحث کا کوئی
نتیجہ نہیں کسی استاد فن کو پہلے حکم قرار دے لو پھر اپنے استدلال بیان کرو۔ اور میرے
نزدیک ابن اعرابی کے سوا اور کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس کا فیصلہ کر سکے۔"
بسمھون نے قبول کیا کہ ابن اعرابی کے فیصلہ کو قبول کر لیں گے۔ اتفاقاً ان دنوں
ابن اعرابی سرین رائے میں فروکش تھے۔ ان کے پاس آدمی بھیج کے دریافت کرایا
گیا کہ اس شعر کا مطلب کیا ہوا۔ اور باہمی اختلاف کی صورت بھی بیان کر دی گئی
انھوں نے فیصلہ کیا کہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ اور ہر معنی پر ایسی سند پیش
کر دی کہ متخاصمین کو پورا اطمینان ہو سکتا تھا۔ وہ جواب دانتی باندھ کو اس
درجہ پسند آیا کہ اس نے صلہ اور انعام میں اُس نے دس ہزار درہم بطور نذر
ابن اعرابی کی خدمت میں بھیج دیے۔

ابن اعرابی کا ذوق علمی بتانے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ
اس موقع پر ہم ایک اور واقعہ نقل کریں۔ علامہ سیوطی ہی اس حکایت کو بھی بیان
کرتے ہیں کہ احمد بن ابی عمروں تذکرہ کہتے تھے کہ ایک دن من ابوالیوب احمد بن محمد بن
شجاع کی صحبت میں تھا۔ انھوں نے اپنے ایک غلام کو بلا کے حکم دیا کہ جاؤ ابن اعرابی
کو بلا لاؤ۔ غلام گیا اور غٹوڑی دیر کے بعد واپس آ کے کہنے لگا: "انھوں نے کہا ہر بہت
سے اعرابی میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں ان سے ذرا فرصت ہو تو آؤں" اتنا
بیان کر کے غلام نے کہا حالانکہ میں خود ان کے پاس گیا تو وہ ان کوئی شخص تھا
صرف چند کتابیں البتہ پڑھی ہوئی تھیں۔ انھیں کے مطالعہ میں وہ مشغول تھے۔
لوگوں کو یہ سن کے حیرت ہوئی۔ اور تعجب کرنے لگے کہ ان کو نہ آتا تھا تو نہ آتے۔
جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ ہوا۔ غٹوڑی دیر کے بعد خود ابن اعرابی آ گئے۔ ابوالیوب
نہایت خلق و ادب سے پیش آیا۔ جب بیٹھ چکے تو لوگوں نے پوچھا کہ "یہ آپ نے
کیا کہلا بھیجا کہ میرے پاس ابن اعرابی لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ غلام اپنی آنکھوں

دیکھی بیان کرتا تھا کہ وہ ان کوئی بھی نہ تھا۔ بیٹھے کتابیں دیکھ رہے تھے۔
یہ سن کے آبن اعرابی نے یہ اشعار پڑھے: —

لنا جلساء مآئیل حلائیثهم الباء ما مونیان غیباً و مشہداً
ہمارے چند ایسے ہم صحبت ہیں جن کی باتوں سے کبھی دل نہیں سیر ہوتا۔ جو ہمیں
اور ہوشیار ہیں اور ان پر نیز سامنے اور نیز پیچھے اعتبار رہتا ہے۔
یفیدنا و نمان علمہم علم ما مضی و عقلاً و قادیاراً و یامسنداً
جن کے علم سے ہمیں حالات گزشتہ کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور عقل ادب اور مضبوطی
حاصل ہوتی ہیں۔

فلانیتہ تختی و لاسوع عشرتہ ولا تنقی منہم لساناً و لا لیداً
ان کی صحبت سے نہ تو ہمیں کسی خلش کا ڈر ہوتا ہے۔ نہ ہمارے لطف میں فرق آتا ہے
اور ان کی زبان اور ان کے ہاتھ سے ہم ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔
فان قلت اموات فکانت کاذبہ دان قلت احياء فکانت مقبلاً
اگر تو کہے کہ وہ لوگ مردہ ہیں تو تو جھوٹا نہیں ہے اور اگر کہے کہ وہ زندہ
ہیں تب بھی تو سچ کہتا ہے۔

آبن اعرابی کے حرکات و سکنات نہایت پسندیدہ تھے۔ زندگی باوجود
اس مرجعیت عامہ کے خاص اپنے قوت بازو سے اور اپنی محنت سے سزا بہم پہنچا
بر کرتے تھے اور اچھی بسر ہوتی تھی کتابت کرتے تھے۔ اور صرف کتابت کے ذریعہ
سے ان کو ماہوار ایک ہزار درہم کی آمدنی ہوتی تھی۔ جس پر سارا خاندان اطمینان
گزر کرتا تھا۔ سیکڑہ ماہ شعبان میں اس جہان سے انتقال کیا۔ اور اپنی یادگار میں
آنے والی نسلوں کے فائدہ کے لیے قیمتی تصنیفات چھوڑ گئے۔ جن کا شمار تیرہ کے
قریب بیان کیا گیا ہے۔ خاص آتھما بن ابی داؤد و داؤد بن ابی داؤد کے جنازہ کی
نماز پڑھائی۔ اور عام لوگوں کے سوا بہت سے ائمہ و علمائے ان کے جنازہ میں شرکت کی۔

ان اللہ و اتآلہ و ارحمہ

تہذیب اور طرز حکومت

زمانہ کی تہذیب اور شائستگی میں ترقی کرنے کے ساتھ انسان کی حالتوں اور گورنمنٹ کے قانون اور ضابطوں میں طرح طرح کے انقلابات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ماشائستہ زمانے میں تمام نبی آدم اڑائیوں کو طیارہ بننے سے پہلے تھے۔ شاید آرام طلبی کے خیال سے جنگی حملوں سے گھبراتے ہوئے تو گھبراتے ہوئے مگر ان کی بہادرئی اور نامور ہی پیدا کرنے کے حوصلہ اور لوٹ مار کی دلی خواہش یہ سب باتیں ایسی ہوتی تھیں کہ ان کے لحاظ سے وہ جنگی حملوں کو کبھی ناقدری کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اگر کسی قبیلہ کا سردار ان قبیلہ والوں سے اپنے غنیم کے مقابلہ میں مدد لینا چاہتا تھا تو وہ بہت شوق اور سرگرمی سے اپنے سردار کی خواہش کو پورا کرتے تھے۔ نصرت و فتح، ہزیمت اور شکست میں اپنے سردار کا کیساں ساتھ دینا فرض منصبی سمجھتے تھے نہ کہ بیگار۔ چونکہ آئے دن ان کو دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے ان کو ہتھیاروں کو استعمال میں لانا سکھایا جاتا تھا۔ اور اس میں وہ شوق اور تجربہ ہم ہو چکا یا جاتا تھا کہ جس حد تک اس زمانہ میں فن جنگ کے متعلق معلومات ہوتی تھیں۔ یہ ایک ایسی تدبیر تھی کہ جس سے بغیر دوسرے یا امران کے ایک بے قاعدہ مگر طاقتور فوج ہمیشہ تیار رہتی تھی کہ جو وقت ضرورت ایک دور سے اشارے پائے پر میدان جنگ میں آکر اپنے ملک کی حفاظت میں جان نذر دیتی تھی۔

جبکہ قیصر روم نے ہیلوئی لوگوں پر فوج کشی کی ہے تو وہ بانو ۹۲ ہزار جنگ آزمودہ لوگوں کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔ گویا یہ تعداد کل آبادی کا ربع تھی۔ یہ اسی کا سبب تھا کہ جو مختلف وقوتوں میں یورپ کے شمالی ماشائستہ حصوں میں سے وہاں کے باشندوں کے جوق کے جوق بے انداز سیلاب کی طرح نکل کر روم کبیر کے متفرق صوبوں میں آکر تہ و بالا کر جاتے تھے۔ یہ بھی اسی کی وجہ تھی کہ جو یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں صلیبی جھنڈے کے پیچھے اس قدر بے شمار طاقتیں سہولت کے ساتھ مشرق

کی عظیم الشان اور جلیل القدر قوت کے مقابلہ میں نے آتی یقین۔ اور یہی وجہ ہے جو ہم سے کسی قدر اگلے مورخین کے اس مبالغہ آمیز بیان کو سرسج تسلیم کرتی ہے کہ جس میں اٹھون نے قیاس سے زیادہ فوجوں کی تعداد ہمارے سارے لاکھوں کی ہے۔

ملک میں جون جون امن اور باقاعدہ انتظام پھیل گیا۔ دونوں ایسی باتیں اٹھتی گئیں کہ جو ناشائستہ سوسائٹی میں اکثر بد انتظامی اور ابتری کی وجہ سے پیدا ہوتی یقین۔ جب گورنمنٹ کو اس قدر قدرت حاصل ہوئی کہ ہر شخص کو دوسرے شخص کے ظلم و زبردستی سے محفوظ رکھنے لگی۔ اور آپس کی خانہ جنگیوں جو ان لوگوں میں ہمیشہ برپا رہتی یقین ان کا بھی اُس نے حسب دلخواہ تدارک کر دیا۔ تو عام طور پر جنگی خوش بختیاں بڑھ گیا ہے۔ وہ لوگ کہ جن کو صرف قومی حمایت یا ہی میں جنگ آزمائی کا اتفاق پڑتا تھا۔ اس امن و امان کی حالت میں ان کے جنگی حوصلوں میں بھی ایک طرح کی پستی آگئی۔ اور رفتہ رفتہ فنون جنگ سے محض نا آشنا ہو گئے۔

جب دنیا نے اپنی خوش حالی سے صفت و حرقت میں ترقی کرنا شروع کی تو وہ لوگ جو اُس کے ذریعہ سے ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے آسانی اور آرام کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے تھے۔ ان لوگوں کو فوجی مشقوں میں بڑھنے اور جنگی خطرات میں اپنی جان کو ڈالنے سے اور بھی نفرت ہو گئی۔ اسی زمانے میں اسی صفت و حرقت کی بدولت وہ وہ مفید شغل اور کاروبار نکل آئے کہ جن میں بیکار بیٹھے ہوئے آدمیوں کی بھی بکثرت ہو گئی۔ ہر ایک قسم کے تجارت پیشہ اور اہل حرفہ لوگ بھی پیدا ہو گئے۔ کہ جو اپنے دشمنوں کی لوٹ مار کے موہوم اور عارضی فائدہ کے مقابلہ میں اپنے اپنے کاروبار کسی طرح نہیں چھوڑتے تھے۔ انھیں کاروبار کے لحاظ سے ملک کا ایک بہت بڑا حصہ کچھ لڑائی میں کام دینے کے قابل ہی نہ رہا۔ اور کچھ اس قسم کے جذبات کی بجا آوری سے متغیر ہو گیا۔ اسی لیے جب ضرورت کے وقت پُرانے اصول کے بموجب میدان جنگ کے لیے وہ لوگ بلائے جاتے تو اپنے عوض کچھ روپیہ گورنمنٹ کو دے کر اس زحمت سے جان بچا لیتے۔ بادشاہ وقت یا حاکم وقت اس رقم کے ساتھ ان کی معذرت کو قبول بھی کر لیتے تھے۔ اس رقم سے وہ ایسے ایسے لوگوں کو اجرت پر فوج میں بھرتی کر لیتے تھے کہ جن کو کہیں اور اس سے بہتر و دسر و زرگار نہیں ملتا تھا۔

یا ان شخصوں کو جنہوں نے اپنے خیال میں جنگی پیشہ کرنے کا گویا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ چونکہ یہ تمام لوگ جو اس طرح پر بھرتی کیے جاتے تھے ہمیشہ اجرت پاتے رہتے تھے۔ اور اس کے سوا کوئی اور دوسرا معاش کا ذریعہ ان کے پاس ہوتا نہیں تھا۔ اسوجہ سے وہ پورے طور پر اپنے افسر کے کہنے میں رہتے تھے اور جب تک وہ چاہتا تھا یہ لوگ اس کی خدمت کی بجا آوری میں مستعد رہتے تھے۔ حاکم وقت کو بھی ان کی بھرتی پر بڑی بڑی معرکہ آرائیاں کرنے کی ہمت بندھتی تھی۔ اور بڑے بڑے منصوبے کا ٹھکانہ کی حرأت ہوتی تھی۔ چونکہ ان کیان جھگڑے پہلے ہی متون میں طے ہو جایا کرتے تھے اسلئے وہ رفتہ رفتہ زیادہ طول کھینچنے لگے۔ اور یہ طول کھینچنا ہی گویا فتنہ سپاہ گری میں مناسب اور مفید ترقی کا سبب ہوا۔ جب ہمت سے خرچ کے بعد لوگوں کی معتد بہ تعداد فوج میں بھرتی کی گئی۔ اور ایک عرضہ کی تعلیم اور تجربہ کے بعد وہ جنگ کی سرکردہ فوج کے لائق بنائے گئے۔ اس وقت بادشاہ کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ امن و امان کے دنوں میں بھی ایسے آدمیوں میں سے چند آدمی تنخواہ دیکر ہمیشہ کے لیے رکھ لیے جا دیں۔

جہاں کہیں ان کی ضرورت ہو وہ بلا جستجو تلاش تیار مل سکیں۔ اس طرح یہ فوج پھرتی کرتے کے قاعدہ سے ہمارے زمانہ حال کے باقاعدہ اور مستقل فوج قائم رکھنے کا قاعدہ نکل آیا۔

سپاہ گری کے کاروبار ایک جداگانہ پیشہ کی صورت میں ہو گئے اور اس پیشہ اختیار کرنے والوں کا طبقہ ہی علیحدہ ہو گیا۔ باقی ماندہ لوگ مختلف کاروبار میں لگ گئے۔ ان لوگوں کی طبیعتوں میں سے جنگی مذاق بالکل جاتا رہا۔ بلکہ یہاں تک ہوا کہ وہ لوگ ہتھیار تک باندھنے کے بھی عادی نہ رہے۔

ایسے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت انہیں لوگوں پر منحصر ہو گئی کہ جن کو وہ اس عرض حاضر کے لیے اپنی طرف سے نوکر رکھتے تھے۔

فوجی سسٹم میں جب سے یہ عظیم تبدیلی و تغیر واقع ہوا تھا اسی وقت سے اگلے زمانہ کی تمام تہذیب یافتہ اور شائستہ اقوام اسی پر کار بند ہو گئی تھیں چنانچہ دو ہی تین صدیوں سے کچھ اور پرمانہ گزارا کہ جب سے یہ قاعدہ پورے طور پر

یورپ کی اکثر سلطنتوں میں جاری ہے۔
بادشاہ کی طاقت بڑھانا اور اس کے اختیارات کو وسعت
دینا ان باتوں کی طرف فوج کا زیادہ خیال رہتا تھا۔ کیونکہ فوج بادشاہ
کے قبضہ اختیار میں ہوتی تھی اور جو لوگ فوج میں بھرتی ہوتے تھے ان
کو اپنی سرفرازی کا سہارا اور بھروسہ بادشاہ کی ذات کے اور کسی
سے نہیں ہوتا تھا۔

ان لوگوں کا گروہ کتنا چاہیے یا فرقہ وہ اور لوگوں سے بالکل
میں اور جدا رہتا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کو اپنے ہم ملکوں کے حقوق
کی بھی خبر نہ تھی۔ ہر حالت اور ہر صورت میں وہ بادشاہ
کا حکم ماننے پر مجبور تھے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ جو فوج بیرونی حملہ کرنے
اور اندرونی جھگڑوں اور فساد فرو کرنے کی غرض سے رکھی جاتی تھی وہی
اپنے ہم ملک لوگوں کی آزادی پر باد کرنے میں بھی کام دے جاتی تھی۔

اسلام کی مذہبی حالت

یورپ کی آزادیاں اس درجہ بڑھ گئیں کہ جس طرح وہاں کے اہل علم
نے روحانی آئین عیسوی کو چھوڑ کے اپنے اخراج کیے ہوئے نظام عالم کو اپنا مذہب
قرار دے لیا اسی طرح وہ چاہتے ہیں کہ اہل اسلام بھی اپنی شریعت محمدیہ کو ترک
کر کے اعتقادات کے متعلق اپنے مذہب کے آپ ہی بانی اور شارع بن جائیں۔
چنانچہ اکثر یورپین آزاد مشرب لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت تک اہل
اسلام ان کے ایسے کیوں نہیں ہو گئے۔ مسلمانوں کی اس عمدہ اور عام بے قرار
ان کو بڑی حیرت ہے کہ وہ ہر بات میں آج تک قرآن کی طرف رجوع کیا کرتے
ہیں۔ مسلمانوں میں بڑی بڑی مذہبی اور اعتقادی تفریقیں پیدا ہوئیں اور ہوتی
جاتی ہیں۔ لیکن تاہم ان کا عام مسلک اس عہد تک قرآن پاک کی اس آیت کریمہ پر ہے
کہ "وَإِن تَنَادَوْا صَاحِبُنَا أَنْ يَخْرُجَ إِلَيْنَا اللَّهُ وَالْيَوْمَ الْآخِرُ" یعنی اے اہل اسلام اگر تم

باہم کسی بات پر جھگڑا ہو تو اس مسئلہ باب النزاع کو خدا اور اس کے رسول کی طرف پھرو یعنی جو فیصلہ قرآن شریف اور حدیث نبوی سے ہو جائے اس پر عمل کرو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تمام حرکات و سکنات کا مزج و محی اکہی اور کلام حضرت رسالت پناہی صلعم پر ہوتا ہے۔ بخلاف مسیحیوں کے جنہوں عہد جدید و عہد عتیق دونوں کو صرف رسم کے طور پر لے کر جے کی خدمات پوری کرنے کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ مسلمانوں کے مذاق میں عیسائیوں کو اس موقع پر متحیر نہیں نادم ہونا چاہیے تھا کہ اُنہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اور مسلمان لوگ باوجود ہر طرح کی دنیاوی تباہیوں کے اپنے مذہب پر اسی طرح استقلال سے جے ہوئے ہیں۔ مگر نہیں یورپ کی آزادی اعتدال سے گزر کے اس دور جہ پر پہنچ گئی ہے کہ اُن کو پیر و ابھی نہیں ہوتی کہ ان کے قدیم دین پر کیا گزریا بلکہ اس درجہ سے بھی تجاوز کر کے اب وہ اکثر حیرت کے لہجہ میں پوچھ بیٹھا کرتے ہیں کہ مسلمان آج تک اپنے مذہب پر اسی طرح قائم ہیں؟

ہمارے نزدیک اسلام کا یہ کوئی جدید فخر نہیں ہے۔ قدیم سے مسلمانوں کی ایسی ہی حالت چلی آئی ہے وہ عہد جبکہ دین اسلام میں فلسفہ یونان داخل ہو گیا تھا اور باوجودیکہ رومیوں اور یونانیوں نے محض بدعتی سے اور صرف ضرر پہنچانے کے لیے اُن کو فلسفہ کی کتابیں دی تھیں۔ اور مسلمانوں کو ایک حد تک ضرر پہنچا بھی یعنی ایک فرقہ معتزلہ کا پیدا ہو گیا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں متکلمین کا بھی ایک قوی اور زبردست فرقہ پیدا ہوا۔ جس نے اسلام کو اپنے اُنہیں سادے اصول کے ساتھ فلسفہ کی زمین پر قائم کر دیا۔ اس کے بعد سے پھر جتنے مسلمان علمائے معقولین ہوئے اُن سب نے اسلام کی اسی طرح اور اُسی حسن عقیدت سے قدر کی جس عقیدت سے ایک جاہل مسلمان تعلیمات پیغمبر عرب صلعم کا فریفتہ تھا۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اب اس کے خلاف کوشش کی جاتی ہے۔ اور جن لوگوں نے مسلمانوں کی تعلیم کا بار اپنے ذمہ لیا ہے وہ اس فخر کی نگاہداشت کی کوئی تدبیر نہیں کرتے۔

پوسٹ ماسٹر

ہمارے کمن پوسٹ ماسٹر نے پہلے علی پور میں کام شروع کیا اس چھوٹے سے گائون میں ایک نیل کا کارخانہ تھا۔ جس کا مالک ایک انگریز تھا۔ اسی نے وہاں ایک پوسٹ آفس کھلوایا تھا۔

پوسٹ ماسٹر کلکتہ کا رہنے والا تھا جو اس دیرانے میں ابھی بے آب کی طرح بیقرار رہا کرتا تھا۔ اس کا دفتر اور گھر ایک تنگ و تاریک جھونپڑی میں تھا۔ جس کے پاس ہی ایک تالاب تھا اور ارد گرد درختوں کے جھنڈ۔

کارخانہ کے ملازمین کو فرصت کم ملتی تھی علاوہ ازیں وہ خواندہ آدمیوں کی صحبت کے قابل بھی نہ تھے اور کلکتہ کا یہ نوخیز نوجوان دوسری قسم کے لوگوں سے میل جول کا عادی تھا۔ مگر یہاں اسے اس قسم کا کوئی آدمی نہ مل سکتا تھا جسے وہ اپنا دوست بنانا۔ وہ کبھی کبھی شاعری بھی کیا کرتا تھا اور غموں میں اس قسم کے خیالات اشعار میں ظاہر کرتا مثلاً "بتوں کی جنبش اور بادلوں کی حرکت نہ ندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے کافی ہے" اگر الفت لیلہ کا جن ایک ہی رات میں درختوں، تون اور تمام چیزوں کو اڑا کر لے جاتا۔ اور بادلوں اور بلند عمارتوں کو نظروں سے پوشیدہ کر لیتا تو وہ اس کو نئی زندگی کا ایک تحفہ خیال کرتا۔

اس غریب کی تنخواہ بہت تھوڑی تھی لہذا وہ اپنی روٹی خود پکا۔ اور اس گائون کی ایک یتیم لڑکی رتن کو کھانے میں شریک کر لیتا جو اس کی خدمت کیا کرتی تھی شام کے وقت جب گائون کے ہر اک گھر سے دھوئیں کے بادلوں اٹھنے شروع ہوتے اور ہر طرف سے پیہوں کی "پنی کمان" فضا میں گونجنے لگتی جب دیو کسی جگہ چلے جاتا تو ہر طرح کے راگ لاتے۔ جس وقت ایک شاعر بانس کے بتوں کی سرسراہٹ کا نظارہ دیکھ کر بھوت پریت کے خیالی اثر کو اپنے جسم پر محسوس کرنے لگتا اس وقت یہ ہمارا پوسٹ ماسٹر اپنا لیمپ روشن کرتا۔ اور پکارتا "رتن"

رتن جو باہر بیٹھی ہوئی اس کی آواز کی منتظر رہتا جواب دیتی "کیا آپ نے"

مجھے یاد فرمایا ہے۔

”تم کیا کر رہی ہو؟“ میں باورچی خانہ میں آگ جلانے جاتی ہوں۔

”وہ کہتا: پہلے مجھے حقہ تو پلاؤ۔“

اور رتن خوش خوش کو لہون کو پھونکین مارتی ہوئی اندر آ جاتی اور پوسٹماٹر کو باتین کرنے کا موقع مل جاتا۔

رتن! کیا تمھیں اپنی مان بھی یاد آتی ہے۔

یہ موضوع رتن کے لیے بہت خوشگوار تھا۔ اس کو اس از یاد رفتہ عہد کی چند باتیں یاد تھیں۔ اس کا باپ مان کی بہ نسبت اس کو زیادہ چاہتا تھا۔ شام کے وقت اس کا کام پر سے واپس آنا۔ رتن کو اچھی طرح یاد تھا۔ وہ پوسٹماٹر کے اس فرش پر بیٹھ جاتی اور اپنے چھوٹے بھائی کو یاد کرتی جو برسات کے موسم میں تالاپ کے کنارے اس کے ساتھ مجھلیاں پکڑا کرتا تھا۔ باتین کرتے کرتے رات ہو جاتی۔ آخر رتن جلدی سے اٹھ کر آگ جلاتی اور کچی پکی روٹیاں پکالیتی۔

کبھی کبھی شام کو جھونپڑی میں کرسی پر بیٹھے بیٹھے پوسٹماٹر ایام گزشتہ کی یاد میں مستغرق ہو جاتا۔ بگم۔ ان۔ باپ۔ بھائی۔ بہن۔ ایک ایک کر کے اسے یاد آتے۔ اور اس کا دل وقف اضطراب ہو جاتا۔ اگرچہ ان کی تشکلیں ہمیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھر اکرانی تھیں۔ مگر وہ کبھی کسی پر نہ ظاہر کرتا۔ ان بعض اوقات وہ رتن کی موجودگی میں سب کچھ صاف صاف کہہ جاتا تھا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ رتن کو پوسٹماٹر کے رشتہ کے دارون سے غائبانہ الفت ہو گئی اور ان کو درجہ بدرجہ مان باپ بھائی بہن تصور کرنے لگی۔ ان کی خیالی تصویریں اس کے صفیہ دل پر منقوش ہو چکی تھیں۔

ایک دن برسات کے موسم میں دوپہر کے وقت ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ہری ہری گھاس اور سرسبز پتوں کی جنبش سے جو ہوا نکلتی تھی وہ گویا گرم گرم سانس تھی ایک پیہیا اپنے نالہ ہائے شرر ریز سے سننے والوں کے قلوب میں آگ لگا رہا تھا۔ پوسٹماٹر اپنی جھونپڑی میں بیکار بیٹھا ہوا اس آتشین نظر کے نظارہ میں محو تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ ”کاش اس وقت میرا کوئی دوست موجود

ہوتا۔ صرف ایک ہمتی ہے جس کو میں اپنے دل میں جگہ دے سکتا ہوں۔ پہلیا بھی تو بس اسی کو بکار رہا ہے۔ پتوں کی سرسراہٹ سے بھی یہی آواز آ رہی ہے۔
 "مگر کسی کو کیا خبر کہ ایسے نازک خیالات ایک غریب پوسٹ ماسٹر کے دل میں بھی سما سکتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر نے ایک بلنی سانس لے کر کہا "رتن"
 "رتن باہر ایک درخت کے نیچے لیٹی ہوئی کچے پھل توڑ توڑ کر کھا رہی تھی
 آواز سن کر یہ کہتی ہوئی دوڑی "دادا۔ کیا تم نے مجھے بلایا ہے؟
 پوسٹ ماسٹر "میں تمہیں تعلیم دینے کی فکر میں ہوں"

شام تک وہ رتن کو اٹھ بے سکھاتا رہا۔ رتن چند دنوں میں حرف شناس ہو گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسات کبھی ختم نہ ہوگی۔ خندقین گڑھے سب پانی سے بھر رہے تھے رات دن بارش ہوتی رہتی تھی۔ مینڈکوں کی آوازوں نے ایک حشر برپا کر رکھا تھا پانی کی کثرت سے ٹرکین دشوار گزار ہو گئیں بھین بڑا ستہ چلنا دشوار تھا۔ ایک دن صبح کے وقت آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ رتن دیر سے آواز کی منتظر تھی۔ جب کوئی حکم نہ ملا تو وہ کتاب ہاتھ میں لیکر آہستہ سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ پوسٹ ماسٹر لیٹا ہوا تھا۔ اس کو سوتا ہوا سمجھ کر وہ واپس لوٹنے لگی۔ لیکن ایک دھیمی آواز اس کے کان میں آئی "رتن"
 اس نے پوچھا "دادا کیا تم سو رہے ہو؟"

پوسٹ ماسٹر نے کمزور آواز میں جواب دیا "میں بیمار ہوں۔ میرے سر کو دیکھو کتنا گرم ہے۔ وہ اس غریب الوطنی کی مصیبت اس بھیانگ ویرانے۔ اس برسات کے اندھیرے اور اس ٹپکتے ہوئے چھوٹیڑے میں ایک نازک اندام تیار دار کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی گرم پیشانی پر کسی نرم نازک ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس کرنا چاہتا تھا یعنی وہ جنس لطیف کی موجودگی کا خواہشمند تھا مان اور بہن کی جدائی اسے بے چین کر رہی تھی۔ مگر اس کو اس کی تنہا میں ناکامی نہ ہوئی۔ اب رتن بھی نہ تھی۔ وہ حکم کو بلاتی۔ مناسب وقت پر بیمار کو دوا بلاتی ساری رات اس کے سر ہانے بیٹھی رہتی۔ کچڑی پکاتی اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پوچھتی "دادا کیا اب تم اچھے ہو؟"

ابھی پوشٹا، ٹیکروری کے باعث بستر علالت سے اٹھنے کے قابل نہ تھا کہ اس نے اپنے بتادلے کی درخواست بھیج دی۔
پوشٹا سڑا چھا ہو گیا۔ اس کی تیمار داری سے فارغ ہو کر رتن نے پھر دروازے کے باہر پہنچا سا بقہ جاے نشست پر بیٹھا شروع کر دیا۔ مگر اب پوشٹا ماسٹر کے پکارنے کی آواز نہ سنائی دیتی۔ وہ کبھی کبھی دروازے سے جھانک لیا کرتی۔ پوشٹا ماسٹر کہہ سہی پر بیٹھا ہوا بستر پر لیٹا ہوا مکملی ناز سے چھت کی طرف دیکھتا رہتا۔ رتن اس کی آواز کی منتظر تھی اور وہ اپنی درخواست کے جواب کا۔ لڑکی اپنا آموختہ بار بار دہرائی۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو وقت پر حروف یاد نہ رہیں۔ ایک ہفتہ کے انتظار کے بعد پوشٹا ماسٹر نے اسے پکارا۔ رتن خوشی کے مارے اچھل پڑی۔ اور حسب عادت چلائی: "دادا! آپ مجھے یار ہے ہیں؟"

"رتن مین کل جا رہا ہوں"

"دادا تم کہاں جا رہے ہو؟"

"مین گھر جا رہا ہوں"

"واپس کب آؤ گے؟"

"اب مین واپس نہیں آؤں گا"

رتن خاموش ہو گئی۔ پوشٹا اپنی درخواست کی نامنظوری اور استغنے کا حال سناتا رہا۔ پھر دیر تک دونوں خاموش رہے۔ لمبی لمبی دھندلی سی روشنی دونوں کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ بھونپڑی کے کونے سے پانی کے قطرے ٹپک ٹپک کر ایک لمبی کے برتن مین گر رہے تھے۔ بھونپڑی دیر کے بعد رتن اٹھی اور کھانا تیار کرنے چلی گئی۔ اس کے آنے سے دماغ مین بہت سے خیالات جمع ہو گئے۔ کھانے کے بعد اس نے بوجھا "دادا! کیا تم مجھے بھی ساتھ لے چلو گے؟"

پوشٹا ماسٹر ہنس پڑا اور "بولو! کیا عجیب خیال ہے؟" مگر اس نے لڑکی کی سادہ لوحی اس پر غماہر نہ کی۔

ساری رات سوتے جاگتے پوشا سٹر کا یہ مستحضر آئینہ جواب رتن کے دماغ میں
چکر لگاتا رہا "کیا عجیب خیال ہے۔"

پوسٹ ماسٹر صبح کو نہانے کا مادی تھا۔ لیکن وہ یامین نہانا سے پسند نہ تھا۔ وہ
سو اٹھ کے گھر ہی میں گھروں کے پانی سے نہا کر تا تھا۔ رتن کو اس کی روانگی کا وقت
معلوم نہ تھا اس خیال سے وہ طلوع آفتاب سے پہلے ہی ندی سے پانی بھر لائی تھی
پوسٹ ماسٹر نے بیدار ہوتے ہی غسل کیا۔ اور پھر رتن کو آواز دی وہ بغیر آواز
دیے اندر چلی گئی اور پوشا سٹر کے چہرے کو حسرت سے تنکے لگی۔

"رتن! تمہیں میرے جانے پر افسوس نہ کرنا چاہیے میں اپنے جانشین کو
تمہاری خبر گیری کے لیے تاکید کروں گا۔"

گویا الفاظ پر نہ ہمدردی سے پڑے تھے۔ مگر عورت کا احساس قلب ایک
نرالی چیز ہے رتن جو آقا کی لعنت ملاست کو بغیر چون و چرا برداشت کرتی رہی
تھی ان قلمط آئینہ الفاظ کی سخن ہو سکی وہ بے اختیار رو پڑی اور کہنے لگی "نہیں نہیں
آپ میرے متعلق کسی گونہ کہیں میں اب بیان ظہر ناہین چاہتی پوسٹ ماسٹر ہکا بکارہ کیا
اس نے رتن کی یہ حالت پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔"

نیا پوشا سٹر آگیا اور پانا پوشا سٹر خارج دے کر روانگی کی تیاری میں مصروف ہوا
اس نے رتن کو بلا کر کہا "تو یہ روپیہ تمہارے لیے کچھ مدت کو کافی ہون گے یہ کہہ
اس نے ایک پیسے کی پوری تنخواہ جب سے نکالی۔"

مگر رتن اس کے پاؤں پر گر پڑی اور رو رو کے کہنے لگی۔

"دادا۔ خدا کے واسطے مجھے کچھ نہ دوسری فکر نہ کرو یہ کہہ کر وہ بھاگی اور پوشا سٹر
کی نظروں سے غائب ہو گئی۔"

پوسٹ ماسٹر نے ایک سر دیکھنی بستر اٹھا یا ٹرک ایک نوکر کے سر پر رکھا
اور چھتری کندھے پر رکھ کر کشتی کی طرف روانہ ہو گیا کشتی جل پڑی دریا بہر سات
کی وجہ سے زور و شور سے موجیں مار رہا تھا۔ گویا نہ میں کی آنکھوں سے آنسو
اُبل رہے تھے کیفیت دیکھ کر پوشا سٹر کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔ رتن کا معصوم چہرہ اس کی نظروں
کے سامنے زبان حال سے یونانی کی شکایت کرنے لگا اب وہ فوراً واپس جا کر اس

سیکس بھی کو واپس لانے کے لیے تیار ہو گیا۔ مگر اذیان ہوا سے بھر چکے تھے کشتی کی رفتار تیز ہو چکی تھی اور گاؤں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔
دریائے مہاج کی موجوں کے ساتھ سفر کرنے والا سفر دستی اور جدائی کو فضا میں مضامین میں محو ہو گیا۔ اور اس جدائی پر غور کرنے لگا جس کے بعد کوئی ذی روح دنیا میں واپس نہیں آ سکتا۔

مگر تین کے پاس کوئی منطق نہ تھی۔ وہ زار زار روتی تھی۔ اور آنسو کا سینہ بے ساتی ہوئی ڈانکنا نہ کے ارد گرد گھومتی پھرتی تھی۔ شاید اس کو اب بھی یہ امید تھی کہ پوسٹ ماسٹر! واپس آ جائے گا اور یہی سبب تھا جو اسے وہاں سے جانے نہ دیتا تھا۔

سے جانے نہ دیتا تھا۔
ہمارے حاکم آئین بشریت قابل افسوس ہے۔ ہم اپنی مٹاؤں کو
غلطیوں کو درست جاننے اور اس کے خلاف کوئی یقین ثبوت بھی قابل یقین تصور نہیں
کرتے۔ افسوس ایک شخص کسی موہوم امید کے پیچھے اپنے کو اس طرح مٹا رہا ہے
کہ ایک دن اس کا افسردہ دل مردہ حسرتوں کا مزار بن کر رہ جاتا ہے اور پھر
حقیقی معنوں میں نہ دل ہوتا ہے نہ دل کی تمتائیں۔ اور نہ وہ امید ہی باقی رہتی
جس نے زندگی کو سارا بنانا یا کھیل بگاڑ ڈالا۔

کشم: الظلام فی ترجمہ شفاء السقام یعنی - شفاء السقام کا اردو ترجمہ - شیخ الاسلام علامہ تاج الدین
سبکی کی معرکہ الاثر کا شفاء السقام فی زیارۃ قبر الانام کا تصنیف اور علمی ادبیات میں ترجمہ ہر وہ کسی کی علمی پسوند
نہیں ایک عرصہ سے اس کتاب کے اردو ترجمہ کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی تھی لہذا ہم نے کہ جناب مولانا شہداء فرید الدین
صاحب پھولاردی خوش و خواہم زادہ جناب حضرت صاحب سجاد خاں خاں صاحب مجیدی مولانا العالی نے یہ بڑا کام اپنے ذمہ
لیا اور یہی خوشی کے ساتھ پورا کیا ترجمہ کے ساتھ ساتھ مصنف کی سوانح حیات اور ایک مقدمہ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔
علامہ سبکی نے یہ ایلف دراصل شیخ ابن تیمیہ کے بعض فراموش عقائد کی تردید میں کی ہے۔ اس کتاب میں جن مسائل
پر خاص کمر بستہ کی گئی تھی ان میں سے بعض سے خود ابن تیمیہ کو بھی اختلاف بین آج اور وہ حسب ذیل ہیں:-
ترجما - قیود - استدلال - توسل - تشفع - حیاۃ - آقیاد و تہذیب مقام محمود اثناء شہادت - ادعیہ الزورہ وغیرہ
اتنے ہوا کہ اس کتاب کے سوا کسی اور کتاب میں مل سکتے ترجمہ کی زبان نہایت لیسہ نشہ ترجمہ صفحہ ۲۰-۲۱
ساتھ کے تقریباً سو دو سو صفحہ پر مشتمل ہے۔ قیمت فوجہ علم ہے شائقینِ دل کے تہہ سے طلب فرمائیں۔

محمد ابو البركات بنی۔ اے عیسیٰ یوری۔ چلواری شریف ضلع پٹنہ



پھول کیا چیز ہے۔ اور کس قدر خوش نصیب چیز ہے۔ کون محفل عشرت ہے جس میں اس کا گزر نہیں کون بزم طرب ہے۔ جہاں اس خوشنما چیز سے لطف نہیں اٹھایا جاتا۔ زیادہ تعریف کرتے بھی خوف معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بلبلی اگر پرانے خیالات کا جانور نہ نکلا تو ہمیں اپنی رقابت کا الزام دے کے موسم خزان کی شکایت کرتے کرتے ہماری بلبی شکایت کرنے لگے گا۔ مگر کیا کیا جائے جب قدرت اپنی کوئی بیش بہا صنعت نظر کے سامنے کر دیتی ہے تو بے اختیار حیرت ہوتا ہے کہ تعریف کرنے لگتے۔ پھول کے سوا اور کون چیز ہے جس پر قدرت نے اپنی کارگری کا پورا زور صرف کر دیا ہو۔ ہونے کو تو ایک چھوٹی سی چیز ہے۔ مگر خدا جانے خوشنما کی کس قدر کوٹ کوٹ کے بھر دی گئی ہے کہ جس کی آنکھ بڑھتی ہے اسے بھلی ہی معلوم ہوتی ہے۔

صحن چمن میں جینان جہاں اپنی ناز آفرینوں اور مشاطہ قدرت کی چابکدستیوں کا مقابلہ کرنے کو آئیٹھتے ہیں اُس کی بدوقت موسم بہار کے انجمن حسن فردشوں سے ہے جہیں لوگ ”پھول“ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں و لفریب عروسان بزم قدرت یعنی پیارے پیارے خوشنما پھول اپنے ہمیش حسن خداداد میں کچھ ایسی کشش رکھتے ہیں کہ دلدادگان یا رجن کا دل جمال یار کے سوا زمانے کے کل جینوں سے ہٹ جاتا ہے۔ وہ جب کبھی وحشت دل ابھرتی ہے تو کوئے جانان کے عوض صحن چمن میں ہلکی آتے ہیں۔ اور ان کو ان کو بھلے معلوم ہونیوالے پھولوں کو دیکھ دیکھ کے اور بیتاب ہو ہو کر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

اس مصرع کو زبان سے دہراتے ہیں۔ ۱۶ اے گل بہ تو خرم دم تو بوس کئے اریؔ
 باغ کی زینت صرف نظر فریب اور رنگ برنگ پھولوں سے اپنے سہانے
 اور جانفزا وقت صبح میں سطح ارض کے ہر حصے سے ایک قسم کی نشاوت
 اور مسرت نمایاں ہوتی ہے۔ جاتے ہو گھول، صرف اس وجہ سے کہ وہ
 ان قدر تی مستوقون کے مسکرانے اور شگفتہ ہونے کا وقت ہوتا ہو اس
 وقت یہ اپنے حسن عالم فریب پر ناز کرنے والے پھول بے تحاشا ہنس پرتے
 ہیں اور جوش خود پرستی کی ہنسی اُن سے ضبط نہیں ہو سکتی۔ ان کی
 اس وقت کی ہمارے دیکھنے کے قابل ہے۔ اور اسی وجہ سے اُن کے جذبات
 خدا جانے کس کس کو کہاں کہاں سے کھینچے ہیں۔ اور صحن چمن میں لاکے
 کھرا کر دیتے ہیں۔

نسیم جو نہیں معلوم کہ کن جنگلون کی ہوا کھاتی پھرتی تھی ان کی سر
 دیکھنے کے لیے آتی ہے۔ اور نو نما لان چمن کے اوپر اُدھر آہستہ آہستہ خوش
 خرمیاں کرتے لگتی ہے۔ نازک دماغ طیور اُڑ اُڑ کے آتے ہیں۔ اور درختوں
 کی نازک ٹہنیوں پر بیٹھ کے جوش سرور میں جھپٹنے لگتے ہیں۔ نور
 سحر کی دھیمی دھیمی شاعین افی مشرق سے آتی ہیں اور تروتازہ سبز
 پوش خوش قدان گلشن کے دامنوں سے چھن چھن کے رنگین پھولوں کی
 پتکھریوں پر پڑتی ہیں۔ اور ایک نئی بہار پیدا کر دیتی ہیں۔ آسمان کے
 جھلملاتے ہوئے تارے اس دنیاوی بہار کو اپنی دلپسین نگاہ سے دیکھتے ہیں
 اور ان کی کرین جو اہر ناقط رہے شبنم میں دلچسپ جھلکیاں دکھا دکھاتے رہیں
 کو آسمان کا نمونہ بنا دیتی ہیں جس کا مطلب ہوتا ہو کہ گویا تارے بھی خوش رہیں
 چمن کی بزم سرور کے مہمان ہیں۔ وہ حسن پرست جنھیں نظر بازی اور قدرتی
 صنایعوں کی قدر دانی کا لیکہ ہے۔ اور کسی بات میں تو ان کا دل نہیں لگتا
 اس وقت ٹہلتے ہوئے اُدھر ٹکی آتے ہیں اور نوجوانان چمن کے آس پاس
 ایک لطف کے ساتھ ٹہلتے پھرتے ہیں۔ غرض ہر طرح کے زندہ دل مہمان جمع
 ہوتے ہیں۔ اور اُن کی خاطر داری کے لیے پھولوں نے اپنی خوشبو میں

چاروں طرف کی فضا میں پھیلا دی ہیں۔ اور باغبان فطرت نے اپنی اس نکری
مخفل کی رونق کے لیے بہار باغ پر تروتازگی کی ایک اور نظر فریب جلا پھیر دی
ہے۔ مگر اس مخفل کی ساری رونق کس چیز سے ہے؟ یہ کس کے جذبات ہیں۔ جوان
تازہ دل مہمانوں کو دور دور سے بیان کھینچ لائے ہیں، ان سب کا اصلی
مرجع شاہان چمن یعنی پیارے خوشنما پھولوں کا جلوہ ہے۔

یہ پھول اس سادگی پر ایسے شوخ واقع ہوئے ہیں کہ صرف اپنی اداؤں
سے دنیا کے ہر قسم کے حُسن کا جلوہ دکھا دیتے ہیں۔ دیکھو گلاب کی نازک نازکی اور
اور تہ و تازہ گلہائی، نیلکھڑیان کس صفائی سے رخسار جانان کا حسن اڑا لاتی ہیں
نرگس دھوکہ دے کے زبان حال سے کہہ ہی ہے کہ "میں پھول نہیں۔ ایک شوخ
چشم کی چلبلی آنکھیں ہوں"۔ سوسن مسکرا مسکرا کے اپنے نیلگوں ہونٹوں سے اپنی
شوخ رنگستہ کی داد چاہ رہی ہے۔ اور عشق بیجان نے اپنی کاکلین پھیلا دی
ہیں۔ الغرض حسن و عشق کی دنیا کے پورے کسے شاہان گل کی تازہ آفرینیوں
اور نسیم سحر کی چالاک دستیوں سے نمودار ہیں۔

خندہ گل کو ہمیشہ شعرا تبسم جانان تصور کیا ہے۔ ہن شعرا در کنار ہر قسم
کے نازک دماغوں نے پھول کو باغ قدرت میں سے منتخب کیا ہے۔ اور یہ انتخاب
ایسا سچا ہوا ہے کہ آج تک کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکا۔ ہر موقع اور ہر محل پر آپ
کو یہی نظر آئے گا کہ شاہان باغ جو کسی موقع پر خود معشوق ہوتے ہیں۔ اور
کبھی نوجوانان چمن کے چمکتے ہوئے نازک اعضا یعنی ٹہنیوں کے زیور بن کے نمودار
ہوتے ہیں۔ ان کو ہر مذاق اور ہر سوسائٹی نے اپنی دلچسپی یا رونق کے لیے منتخب
کیا ہے۔ وہ نازک ادا اور نازک دماغ جو اپنی دلربائیوں کی وجہ سے حسن و عشق
کی دنیا میں خود بھی منتخب کیے گئے ہیں انھوں نے اپنے سچے اور اچھوتے مذاق
میں پیارے خوشنما پھولوں کو دنیا بھر میں سے بطور عمدہ سامان حسن کے چُن لیا
ہے۔ غور کرنے کی جگہ ہے کہ یہ پھول کس کس طرح سے اور کس خوبی سے ان کے
کام آتے ہیں۔ گلوے مصفا میں پھولوں کے مار ہوتے ہیں۔ کانون میں پھولوں
کی بجلیاں ہوتی ہیں۔ نازک کلائیوں میں پھولوں کے کنگن ہوتے ہیں۔ اور بستر نازک

اُنھیں سراپا نہ اکت پھولون کا بچھونا ہوتا ہے۔ پھولون کی قدر کچھ اسی وقت خوب ہو سکتی ہے۔ جب کسی کے گورے گورے پتھون میں ایک نظر فریب گلدستہ نظر آئے۔ اور آرزو مند ان وصال کے دل ایک پر جوش اور بے تابانہ حسد پیدا کر دے۔ موجودہ مہذب ممالک کی حور و شاد و پری بجال بیڈیان سر سے پاؤں تک پھولون سے آراستہ ہو کر جب انگری صحتوں میں اپنی ادائیں دکھاتی ہیں۔ اُسوقت خیال میں آتا ہے کہ پھول قدرت کا کتنا بڑا قیمتی ہدیہ ہیں۔ وہ نازک دماغ جیھن اپنے سچے ذوق پر ناز ہے ہمیشہ پھولون کی پھنی پھنی خوشبو سے اپنے دل و دماغ کو تازہ کیا کرتے ہیں۔ پیارے پھول! تو جینوں کی صحت میں ایک نازک مزاج مصاحب اور حسن پرستوں کی محفل میں وہ بت ہے۔ جسے دیکھ کر دیکھ کے وہ خیالی پیکر یار کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچا کرتے ہیں۔ تو نازنینوں کی جان اور ناز بردار دن کا ایان ہے۔

اے کسی نہ کسی طرح ہماری دلچسپی کا سامان پیدا کرنے والی قدرت! تو نے پھولون کے پیدا کرنے میں اتنی بڑی قیاضی دکھائی ہے۔ کہ باغ دنیا کے عشرت پسند کبھی تیرا شکریہ ادا کرنے سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ فرانس و انگلینڈ کی ناز فروش مہوشوں کی ٹوپیاں اسی بے نظیر اور سادے زیور (پھولون) سے سجی جاتی ہیں۔ جو خاص تیرے ہاتھ کا بنایا ہوا ہے۔ وہ سادہ مزاج کوئی دلربا نہیں جن کو زمانے نے اپنے پر تکلف سونے چاندی اور جواہرات کے زیور سے محروم رکھا ہے۔ ان کے لیے تو نے اپنا قدرتی حُسن وان کھول دیا ہے۔ جس سے نکال نکال کے وہ خوشنما اور خوبصورت پھول اپنے سروں اور اپنے سینوں پر آراستہ کرتی ہیں۔ یہی وہ زیور ہے جو دنیا کے غریب سے غریب اور سادے سے سادے پر می رخ کے کام آتا ہے اور ہزار پر تکلف نہ زیورون سے زیادہ بہادر دکھا۔ ہے۔

انصاف کیجیے تو پھولون سے اچھا زیور دلرباؤن کو آج تک نہ نصیب ہوا۔ اگر عشرت پسندوں نے اپنی نازنین معشوقوں کو سونے چاندی سے لاد دیا۔ اگر عالیشان نخلون کے ناز فروش آبدار جواہرات سے اپنے حُسن کی شعا عوں کو

زیادہ رونق دے رہی ہیں تو ہونے دو۔ وہ سادے حسن جو کہ ہٹاؤن اور صحرائی گاؤں میں نظر آئے۔ جن کی طرف سے پھر دنیا بھر کو لا پرواہ کر دیتا ہے اور خاص اپنی مشاطگی کے لیے منتخب کرتا ہے۔ ان کے سادے حسن کی رونق صرف انہیں خوشنما پھولوں کے ذریعہ سے نمایاں ہوتی ہے جن سے آفتاب صبح کی شعاعیں کھیلتی ہیں۔ اور جن کے ساتھ نسیم سحر کے جھونکے شوخیان کرتے ہیں۔

اے پھول تو اس سے بھی زیادہ ہمارے کام آتا ہے۔ تو ہماری زندگی ہی انہیں ہمارے مرنے کا بھی رفیق ہے۔ وہ کیا حسرت ناک مقام ہوتا ہے۔ جب دنیا انسان کو چھوڑ دیتی ہے اپنی ساری رحمتیں تمام دو دلتین ہر قسم کی دنیاوی دلچسپیاں ہم سے چھین لیتی ہے۔ ایک ٹوٹی ہوئی اور کم حیثیت قبر ہمارا بستر رحمت یا مصیبت ہوتی ہے۔ پوری پوری سناٹے کی اویسیب خوشنما کی راتیں اسی گوشہ تنہائی میں ہم پر گزر جاتی ہیں۔ صبح ہونے کو ہوتی ہے اس موقع پر نہ کوئی موتس ہوتا ہے نہ ہمدرد۔ نسیم سحر کے جھونکے بھی یہ قہر ڈھاتے ہوئے آتے ہیں۔ کہ رات بھر کی جھللائی شمع کو موت کے چھید سے دے دے کر گل کر دیتے ہیں۔ اور تیری خوشبو کو ادھر ادھر اڑالے جانا چاہتے ہیں۔ اس وقت ہمیں کسی طرف ہمدرد کی صورت نہیں نظر آتی۔ ہاں آفتاب سحر کی ہلکی ہلکی روشنی میں تو نظر آتا ہے اور دل کو ایک تسلی سی ہو جاتی ہے۔ نازک نازک اور پیارے پیارے پھولوں کی چادر اُن یاس نصیبوں کی قرون پر بچھا دی جاتی ہے۔ جھونکے دنیاوی ناکامیوں سے مایوس ہو کر نہایت حسرت و اندوہ سے جان دی ہے۔ دنیا کے تمام سامان عشرت اور دلچسپی کی چیزیں پہلی ہی منزل پر مسافرانِ عدم کا ساتھ چھوڑ دیا کرتی ہیں۔ عزیز و اقارب و دستِ اجاب سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر اے وفادارِ عروسانِ چمن تمہارا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑتا۔ کہنگانِ عو باقرون پر کچھ شکفتہ پھول لا کر ڈال دیے جاتے ہیں۔ جن میں کہنگانِ ناز اپنی ستم کشی کی داد خواہی کے لیے روزِ حشر کے منتظر بن کے لیٹے ہیں اس قسم کے سین دنیا میں بہت نظر آئیں گے۔ اور مسافرانِ عدم کی میتیں اور خاموش آبادی میں آپ کو اگر ایسی ہی دلچسپی نظر آئے گی۔ لیکن آپ نے اگر کبھی وہ

دلخراش گھڑی دیکھی ہوگی تو دل پر بہت بڑا اثر پڑ گیا ہوگا جب کسی دنیا دار پر یوسن نے اپنے جائدادہ عاشق کی قبر پر کچھ دیر تک حسرت و اہم کے ساتھ آنسو بہا کر تھوڑے سے پھول ڈال دیے ہوں گے۔ اب یہ کون وقت ہے۔ جب دنیا کی عشق کا پیام لے جانے والوں کو بیکار کر دیتی ہے۔ نسیم سحر بیکار ہو گئی۔ بیک صبا بھی ایسا نہیں رہا کہ کام آئے۔ غرض جتنے قاصد تھے ان میں سے کوئی پیام ہو نچا سنے کے قابل نہیں رہا۔ ایسے نازک اور بیکسی کے وقت میں اسے نازنین شاہان چین تم کام آتے ہو۔ اور وہ مبارک اور پیارا تحفہ ہوتے ہو جو با وفا معشوقہ کی طرف سے اس کے شہید عشق یا کسی عاشق کی طرف سے اس کی تعارف شعار خواب مرگ کا مزہ لوٹنے والی معشوقہ کے پاس بھیجا جاوے۔ اسے پھول تو زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ہمارے کام آتا ہے۔ ہمارے دوست انگریزی مذاق اس سے کاہنے کو واقف ہوں گے ورنہ اُنھیں معلوم ہوتا کہ منتظران حشر کے لیے یہ پھول کیسی دلچسپی کی چیز ہوتے ہیں۔ ہمارے قبرستان آج ہماری قسمتوں کی طرح سنسان پڑے ہیں۔ مگر کبھی ٹہلتے ہوئے انگریزی قبرستانوں کی طرف نکل جاؤ تو معلوم ہو کہ پھولوں سے اس مین اور سنائے کے سین میں کیسا کام لیا جاتا ہے۔ وہ ان ہر قسم اور ہر رنگ کے پھول گویا آنکھوں میں باہم باتیں کرتے ہوتے ہیں۔ ایک سکوت کا عالم ہوتا ہے۔ اور یہ شورخ طبع نازنینا چین اپنی ہنسی کے وقت بھی کچھ ایسی خوشی سے کام لیتے ہیں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ ایسے سکوت کے وقت میں کوئی حسرت نصیب نازنین و مہمبین آتی ہے۔ اور اپنے جان دادہ ناز بردار کی قبر پر اندوہ و غم کی اداسے بہت سے پھول بکھرا دیتی ہے۔ اور پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کر تی ہے۔ ایک اہل دل کے لیے یہ سین تھوڑا موثر نہیں ہے۔ اگر تو جہر کے دل سے سینے تو اس کے نالہ ہائے جگر خراش پر چھاتی پھٹ جائے۔

دنیا کے تمام مقامات کی رونق صرف پھولوں سے ہے۔ شام ہوتی ہے تو وہ شاہان چین جو آفتاب کے غروب ہونے کی خوشی میں کھل کھلا کھلا کے ہنس پڑے تھے۔ ان کو رات اپنی گود میں لے لے کے چھپاتی جاتی ہو تارے

آسمان پر چلتے جاتے ہیں۔ اور پھوڑی ہی دیر میں آسمان کی کل وسعت شان عالم بالائینی جگہ گانے والے تاروں سے بھر جاتی ہے۔ یہ سب نے مان لیا ہے کہ عالم بالا کی ساری دلچسپی اور بہار اُنھیں نظر فریب تاروں سے ہر قدرت کی فیاضیوں نے ان تاروں کے جواب میں سطح ارض پر سبز کا فرش بچھا کے پھولوں کے ایسے دلفریب اور نازک بدن شاہدوں کو بٹھا دیا ہے۔ یہ پھول ہی دنیا میں ایک ایسی چیز ہیں کہ آسمان کے تاروں کا جواب دیتے ہیں۔ رات اور دن کے تغیرات ابتدا سے ہی بہار دکھاتے آئے اور قیامت تک ہی بہار دکھاتے رہیں گے کہ صبح ہوئی اور دنیا کے شوخ اور چلبلی طبیعت والے پھولوں نے ہنس ہنس کے تاروں کو ایسا شرمایا کہ اس شرم کے انھوں نے اپنا منہ چھپا لیا۔ دن بھر ان عروسانِ چین کا دور دورہ رہا اور شام کو ہی پھر تاروں کی باری آئی اور انھوں نے اپنے جلو سے میں ایک دلفریب اور نورانیت پیدا کر کے پھولوں کی رونقِ فطرون سے غائب کر دی۔ اور وہ اہل دل جنھیں دید بازی اور حسنِ قدرت سے مستفیض ہونے کا شوق ہے کسی کی مفارقت کی دشوار گھڑیاں یوں گزرا سننے لگے کہ بار بار نظر اٹھاتے ہیں اور مد و شانِ فلک کے جمالِ جہانِ آرا کی زیارت سے اپنا دل بہلاتے ہیں۔

باغِ قدرت میں پھول ایسے خوشنما اور نرخی ایسی ہنتم بالشانِ صنعتِ نظر آتے ہیں کہ جس بزم میں جو چیز نہ یادہ دلچسپ اور قابلِ توجہ ہو اسے اس محفل کا ایک دلفریب پھول تصور کرنا چاہیے۔ باغِ عالم کے پھول ہمارے وہ قدیم نامور بانیانِ قوم تھے۔ جو اس اگلی محفلِ قوم کی زیب و زینت تھے۔ انھیں کے دم سے اس قدیم سبز باغِ اسلام کی رونق تھی۔ جس کی گزشتہ رونق پر آج کل کے شکستہ حال اور غیر تربیت یافتہ مسلمان ناز کر رہے ہیں۔

اے باغِ اسلام کے شاداب اور سدا بہار پھول! جن کی رونقِ قیامت تک باقی رہے گی۔ تمھارا وہ دلفریب رنگ جو دنیا میں خم گیا تھا۔ تمھاری وہ بارونق بہار جس نے تمام عالم کو اپنا خوبصورت زیور پہنا دیا تھا۔ یہ سب ایسی چیزیں تھیں کہ نہیں ہیں اور ہر گز ہی یاد آ کے دلوں میں ایک درد پیدا کر دیتی ہیں۔ اسے وہ

خوبصورت پھولوں اور چٹائی اور تاریخی دنیا کی سیر کرنے والوں کو جا بجا نظر آجاتے ہو
زمانے کی آباد ہوا تھاہارے کیا خلافت ہوئی کہ ہر طرح کے پھول کھلتے ہیں۔ دنیا
کی سب دلچسپیاں موجود ہیں۔ ایک نہیں ہو تو تھیں تھاہارے نہ ہونے سے
ان لوگوں نے گزار عالم کی سیر کرنا ہی چھوڑ دی۔ جو تھاہاری خوشنمائی کے
والہ و شیدا تھے۔ اسے باغبان قدرت کیا تجھے نہیں معلوم ہوتا کہ بے اُن پھولوں
کے تیرا باغ بالکل بے رونق ہو رہا ہے۔ جس طرح ہوسکے وہی بہار دکھا
جس کے ہم مشتاق ہیں۔

پیرانہ سالی

قسام ازل نے عمر کو تین حصوں پر تقسیم فرمایا ہے۔ پہلے حصے کا نام جب
آدمی عدم سے وجود میں آتا ہے عین ہوا اور پھر عین ہر جس کا عدم وجود برابر
ہو جاتی ہے پُر بہار اور لطف افزا باغ میں قدم رکھتا ہے۔ جس میں ایک ایک
دن ایک ایک گھڑی اور ایک ایک منٹ بہت ہی دلربا ہے اور دلچسپی سے
گزر رہا ہے اس حصے عمر کا نام جوانی یا عالم شباب ہے۔ تیسرہ دور جس کا
نام بڑھاپا یا پیرانہ سالی ہو اور وہی اُس وقت ہمارے اُس مضمون کا عنوان ہے اُسے عمر کا
آخری حصہ سمجھنا چاہیے۔

زمانہ طفولیت کو چاہے کوئی اچھا کہے مگر ہم تو بچپن کی بے تینری
کے زمانے کو کبھی اچھا نہیں کہیں گے۔ اور جب تک قدرت کی فیاضی کی عطا
کی ہوئی نعمتوں کا امتیاز آدمی نہ کر سکے ہمارے نزدیک اس آدمی میں اور
جائزہ میں کچھ فرق نہیں۔

کیا جن لوگوں کے نزدیک بچپن کا زمانہ اچھا اور بے فکری کا زمانہ ہر وہ کسی یوانے سوئی
مجنون کو جو دنیا اور افکار دنیا سے بالکل بے فکر ہے کسی عاقل۔ ہوشیار
آدمی پر جو دنیا کے پیچیدہ اور نہ سلجھنے والے پیچیدہ دن میں الجھا ہوا ہو۔ اس
اعتبار سے ترجیح دینا گئے ہرگز نہیں! اور اگر کوئی ترجیح دے بھی دے

تو اس کا یہ اصول بالکل غلط دلائل پر مبنی سمجھا جائے گا۔

عمر کا وہ دوسرا حصہ جو فی الحقیقت قابل قدر اور بہت ہی دلچسپ
ہو اور جو "نوجوانی یا عالم شباب" کے ایسے نام سے مشہور ہے اس کی
جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ جوانی ہی وہ چیز ہے جس میں آدمی کی ہر
چیز کو فوری اور روز افزون ترقی حاصل ہوتی ہے۔

طبیعت میں جدت۔ عقل میں متانت۔ ذہن میں رسائی۔ انسانوں میں
جلبلاہن۔ دلوں میں سورش۔ خیال میں بلند می۔ حوصلوں میں ترقی غرض
ہر چیز کو اسی زمانہ میں پوری نشوونما حاصل ہوتی ہے اور یہ سب باتیں
کچھ اسی عمر میں اچھی بھی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر عمر میں بہار کا موسم ہے تو یہی
جوانی اور شباب کا زمانہ ہے۔

باقی رہا عمر کا وہ تیسرا حصہ۔ جس کو بڑھاپے کے ایسے افسردہ لفظ
سے تعبیر کرتے ہیں۔ بہت مناسب ہے اس کام کے لیے کہ جوانی کے زمانہ کو
بھولے ہوئے خواب کی طرح بڑھاپے میں بٹھک کر یاد کیا جائے۔ آہ! کسی جوانی
سے گزرے ہوئے اردو کے شاعر نے کیا اچھا کہا ہے۔

وقت پیری شباب کی باتیں ایسی ہیں جیسی خواب کی باتیں
مکلف اور مصیبت جھیلنے جھیلنے اگر قسمت کے فیاض ہاتھوں سے ٹھوڑا
عیش بھی نصیب ہو جاتا ہے تو اس شخص کے لیے جس نے اپنی عمر کا بہت بڑا
حصہ مختلف الآم اور شدائد میں بسر کیا ہے بہت ہچامزیدار اور نہایت غنیمت
معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جس کی تمام عمر عیش میں گزری اور پھر ناسازگار ہی بخت
سے اس کا واسطہ مصیبت سے بڑھا دے تو اس کو ٹھوڑی تکلیف یا مصیبت بھی
بہت لکھن ہو جاتی ہے اسی طرح بیماری کے بعد صحت خوش گوار ہوتی ہے مگر صحت
میں بیماریاں اونچے چڑھا دیتی ہیں۔

آہ! اس شخص کا کیا حال ہوتا ہو گا جو جوانی کے خوش سوا اور روح فرزا
باغ کی ہوا کھاتے کھاتے دفعہ بڑھاپے کے خاردار اور وحشت خیز جنگل
میں جا پھنسا ہو۔ ہمیں اتنا بڑھاپے سے واسطہ نہیں پڑا۔ ورنہ ہم ناظرین کو

بتائے کہ بڑھاپے میں کن کن ارفاق اور تناؤں کا زیادہ ہجوم ہوا کرتا ہو مگر عام بڑھون کے اقوال۔ اذوال۔ حرکات۔ اور حالات کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حدود جوانی سے گزر کر جب بڑھاپے کی بھول بھلیوں میں آدمی قدم رکھتا ہو تو اس کی ہیئت بالکل بدل جاتی ہے۔ بال سفید ہو جاتے ہیں منہ پر جھربان بجا ہیں جابجا کی کھال لٹک پڑتی ہے۔ سہواہ رسیان کو دماغ کے کمزور ہو جانے سے ترقی ہو جاتی ہے۔ باتوں چلنے سے رہ جاتی ہیں۔ ہاتھ ساتھ چھوڑ بیٹھتے ہیں آنکھیں آنکھیں دکھانے لگتی ہیں۔ زبان جواب دیدیتی ہے۔ بنیائی کم ہو جاتی ہے۔ قوت سامعہ میں فرق آجاتا ہے ضبط کی طاقت بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ عام محاورے میں پرانے وضع کا آدمی یا "ادلڈ فیش مین" کہا جانے لگتا ہے۔ ان غصہ ہوں اور دیگر ایسی ہی چیزوں کا ترقی ہو جاتی ہے۔

یہ تو وہ بھی تلی باتیں تھیں جو بڑھاپے کی صفت سمجھی جاتی ہیں اور جن کے بیان کرنے پر ہم کسی قدر عا در بھی تھے اگر آپ بڑھون کی پوری داستان حسرت سننے کے مشتاق ہیں تو آئیے۔ اس بڑھ کے پاس چکر بیٹھیں جو ایک ٹوٹے ہوئے پلنگ پر بیٹھا ہوا حقہ پی رہا ہے اور ایک نو عمر جوان کو مخاطب بنا کر کھنڈی کھنڈی سانس پھرتا جاتا ہے اور رد کے پر سوز لہجہ میں اپنی جوانی کی داستان حیرت اور موجودہ حالت کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔

آہ! اس بڑھ کی حالت دیکھ کر ہمیں تو بے اختیار رحم آیا جاتا ہو۔ بچہ نے حسرت کا بوسیدہ جامہ پٹھا کر اس غریب کو بالکل قابل رحم بنا دیا ہے۔ اس کے سر کے سفید اور چھوٹے چھوٹے نرم بالوں کو دیکھو جن کو بار بار کی دوزبان چچی سے مینوں میں واسطہ پڑتا ہے کیسے مر جھاسے ہوئے ہیں اور سر کے درمیان کے حصے کے بال تو دست قدرت نے کچھ ایسے تیز استرے سے صاف کیے ہیں جو قیامت تک کے لیے حجام کے کند اور کڑے ہوئے استرے کے محتاج نہیں رہتے۔ آہ! اس کی گردن کی لغزش ہاتھوں کا کپا پٹا۔ چہرے کی پڑمردگی۔ اس پر ضعیف العمری کے پست جو حصے اور مرا ہوا دل ان سب باتوں کو دیکھ کر ہر شخص کی نظر میں وہ واجب الرحمت ثابت ہوتا ہے۔

آنکھوں سے پانی بہ رہا ہے جو اس وجہ سے کہ یلکین پہلے ہی رخصت ہو چکی
ہیں بغیر اٹکاؤ کے میدانوں کے۔ بڑا مردہ اور جھڑپوں پرست ہوئے رخصت ہونے
تک آجاتا ہے اور وہ جلدی سے پوچھنے لگتا ہے۔ مگر باغیوں کی لغزش اسکی
اس عجلت کی حرکت کو کسی طرح جائز نہیں رکھتی۔ آہ! آپا بیتی داستان جو اسوقت
وہ دو ہزار رہا ہے کچھ عجیب سوز و گداز سے بھری ہوئی ہے۔ اس کا ہر ہر جملہ اور
ہر ہر فقرہ نشتر و خنجر سے کم نہیں۔ اتنا تقریر میں اس کا آہ کھینچنا تیر قضا کا کام
دے رہا ہے جو سیدھا پہلو کو توڑ کر سینہ میں اتر جاتا ہو۔ وہ کہہ رہا ہے۔ اے نوجوان
یہ جوانی جس کی ہمارا جکل تم لوٹ رہے ہو کبھی ہم پر بھی چھائی ہوئی تھی اور نشہ
جوانی میں ایک وقت میں ہم سے بھی بدستیاں ظاہر ہوا کرتی تھیں۔ بانیہ جوانوں
میں کبھی ہمارا بھی شمار تھا۔ اگر نہ تازہ فروشن کو وعدہ فراموشی کی ہم سے بھی
شکایت رہا کرتی تھی۔ غارت گردین جن کا خطاب ہے ان کے لیے ہماری جادو
بھری آنکھیں آفت جان تھیں۔ معشوقوں کے دلوں کے فتح کرنے میں ہماری سیخ
ابرونے ہمیشہ اصفہانی تلوار سے زیادہ صفائی دکھلائی۔ خانہ جنگیوں میں چٹ
لنگوٹ سے تیار ہو کر میدان جنگ میں پہلے ہم ہی نظر آیا کرتے تھے۔

مگر افسوس ہم نے جوانی کی کچھ قدر نہ کی۔ اور ہم سے جوانی ہمیشہ کے لیے
رخصت ہو گئی۔ آہ! جوانی تو چلی گئی۔ اور اب کبھی نہیں آئے گی۔ اے نوجوانو!
کیا اچھا کہا ہے جس نے کہا ہے۔

جو آئے نہ جاوے وہ بڑھا پادیکھا جو جا کے نہ آوے وہ جوانی دکھی
ہاں! اے جوانی کی بیش باعمر تو اب ہم سے قیامت تک آکر نہ ملے گی۔ اے
جوانو! جوانی کیا گئی دنیا کے تمام مزے اور آرام لے گئی۔ اور ہمیں زندہ در گور
کر گئی۔ یہ آنکھیں جن سے اس وقت آنسو بہ رہے ہیں جوانی کے زمانے کو یاد کر کے کڑے در
ہیں اور ہمیشہ اسی طرح روتی رہیں گی۔ اور پھر بھی نہ روچکیں گی۔

بڑھاپے میں آدمی کو موت کا آرزو نہ بنتا پڑتا ہے۔ اے نوجوانو! سچ
تو یہ ہے کہ جوانی کا مزہ اٹھایا ہوا دل پڑھاپے سے موت کو ہی اچھا جانتا ہے۔
آدمی ہی پر کیا منحصر ہے ہرے ہرے باغ کا لہلہاتا ہوا درخت۔ سواری

خوبصورت اور جان نثار جالاک گھوڑا۔ خوب داور پر ہی مثال نازک بدن
مستعد غرض ہر پرانی چیز نظر سے گری جاتی ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ
حد سے گزری ہوئی ہر چیز بے ی ہوئی ہر خاک پر لوتے ہیں یا رکے گیسو ہو کر
یہ مصرع پڑھ کر ہمارا پرانا صبح اور بڑھا اسپیکر چپ ہو جاتا ہے۔
اور اُس کی آنکھوں سے مسلسل آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو جاتی ہیں
آنکھوں سے آنسو روان ہیں۔ ہچکی بندھ رہی ہے۔ چہرے کا نقشہ شدت
گرتا اور دُور غم سے بدل گیا ہوا اور تہائی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اُسے تسکین دین۔
آہ! ہم اپنے اس پرانے ہمدرد کو کس طرح صبر کی تلقین کریں اور اس ضعیف العمر
شکستہ دل بڑھے کو کیونکر دھارس بندھا دیں کوئی تدبیر میں نہیں پڑتی
آخر مولانا شرر مرحوم کا وہ گذشتہ فیصلہ! ہم اپنے ناسمجھ شفیق کو نہاتے
ہیں جو بیشک آبِ زہر سے گھنے کے قابل ہے اور جو ہمارے ضعیف العمر
دوست کو پوری تسکین دلاتا ہے وہ فقرہ یہ ہے (بسیا نعمت ہے وہ بڑھا
جو بڑھاپے میں بھی قوم کی خدمت کے لیے کمر ہمت باندھ کر کھڑا ہوا)

تعلیم و فنون

ہندوستان کی نسبت یہ خیال اب غلط ہے کہ وہ ترقی نہیں کرتا۔ بیشک
ترقی کر رہا ہے لیکن خرابی یہ ہے کہ اس کی ترقی کے آثار نہیں محسوس ہوتے۔
بلکہ ان سے افلاس اور بد روز اور بڑھتا جاتا ہے جس کی وجہ سے تعلیم کو
اور صدمہ پہنچ رہا ہے۔ اور اگر ملک کی ہی رفتار رہے تو ہمارا خیال
ہے کہ چند روز میں یہ ترقی و تعلیم کا سلسلہ بھی منقطع ہو جائے گا۔ انسان کے
حق میں افلاس اور بے اطمینانی ایسی چیز ہے کہ اس کے اثر سے دین کو خیال
کو بھی نقصان پہنچ جاتا ہے دنیاوی اغراض کا مرتبہ تو تمام ایشیائین دین
کے بعد ہے لہذا جب دین کو پریشان حالی اور افلاس سے ضرر پہنچ جایا
کرتا ہے تو دنیا کو بد رجہ ادنیٰ پہنچ جایا کرتا ہو گا۔

یہی خیالات اور یہی ضرورت ہے جس کی بنا پر ہندوستان کے اکثر ملک تمام اہل الرائے اب تعلیم فنون کو زیادہ ضروری بتاتے ہیں۔ حقیقت میں اس ملکی عام افلاس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کی صنعتوں کا بازار بالکل بند ہو گیا اور ہوتا جا رہا ہے زمانے نے ان تمام فنون کو بیکار ثابت کر دیا جو ہمارے ہاتھ میں تھے۔ اس سے پیشتر قدیم عہدوں میں ملک اپنی تمام ضرورتوں کے لیے اپنی ہی زمین میں سے کل اشیاء فراہم کرتا تھا۔ ہمارے جو لہے کپڑا تیار کرتے تھے۔ اور اس کے ادنیٰ و ادنیٰ اپنی ضرورتوں میں صرف کرتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام امور میں یہی کیفیت تھی۔ یورپ کی تجارت نے ہماری تمام صنعتوں کو ایسی فاش شکست دی کہ ہمارے دیسی بازار بند ہو گئے۔ اور ہم ہر سستی سے سستی اور ادنیٰ سے ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے لیے یورپ کے دست گز ہو گئے بہت بڑا اگر وہ ان لوگوں کا جوان تاجرانہ کاموں اور ان صنعتوں کو اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھا بالکل بیکار ہو گیا۔ لیکن اس کے ہر ممبر کو زندگی بسر کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی پیشہ ضرور اختیار کرنا چاہیے تھا نہ ان میں سے اکثروں نے دلیل نوکریاں اختیار کیں۔ اکثر تعلیم گیر ملت متوجہ ہوئے ٹیچرس یا جس امتحان کو ضروری دیکھا اس میں پاس ہوئے اور سرکاری آفسوں میں بھرتی ہو گئے۔ لیکن اس بھرتی میں انھوں نے ان لوگوں کو ضرر پہنچایا جو پہلے سے خانہ دانی طور پر ملازمت پیشہ تھے۔ اور بہت سے لوگ ٹوٹا خیمین کا ریزہ بن گئے اور تجارت پیشہ لوگوں میں سے اور بہت سے ان لوگوں میں سے جن کی جگہ اہل حرفہ کی تعلیم یافتہ اولاد نے چھین لی تھی بیکار ہو گئے اور اُن خیمین کی بیکاری اور تباہی سے نظر آنے لگا کہ سارا ملک ایک تباہی میں مبتلا ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف ایکن لائی مچی ہوئی ہے۔ اور جس کی وجہ سے قدیم عہدوں کے یاد کرنے والے بڑھے انگریزی دور کو بالکل بے برکت زمانہ بتلاتے ہیں۔ اور بے شک بے برکت ہو۔ ہر گورنمنٹ کا فرض ہے کہ رعایا کی حالت کو ہر وقت ملحوظ خاطر رکھے۔ اس کے لیے ذرائع پرورش پیدا کرے۔ انگریزی گورنمنٹ نے تعلیم کے لیے ہر جگہ ایسے مدارس کھول دیے جن سے ایسے لوگ کہ جو علم کو بحیثیت علم کے

حاصل کرتے ہوں بہت کم پیدا ہوئے ہیں اور یہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ بلکہ مدارس ہر سال ایسے گروہ کو پیدا کر دیا کرتے ہیں جو محرری یا آفیشل کاموں میں گورنمنٹ کے عیسائی ہو سکیں جن کی وجہ سے ہر سال امیدواروں کا ایک نیا گروہ تیار ہوتا ہے اور ان چند لوگوں کو بھی ایک تردد و فکر میں ڈال دیتا ہے جن کو سرکاری ملازمتیں مل گئی ہیں۔ اور ذرا اطمینان سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ گورنمنٹ نے یہ ضرور جان کیا ہے کہ ملک میں تعلیم کو رواج دیا ہے۔ اور سابق کے بہ نسبت پڑھے لکھے لوگ اب زیادہ پیدا کر دیے۔ مگر اس سے یہ درخواستی پیدا ہوئی کہ پڑھے لکھے لوگ قانون مرتے نظر آنے لگے۔ جو ہمیشہ ہندوستانیوں کی نظر میں باسانی روٹی پیدا کر سکتے تھے۔

ہندوستان ایسے بادشاہوں کا عادی ہے جو رعایا کے حالات افلاس وادبار کا ہمیشہ خیال رکھیں۔ اور نگ زیب جو آج نہایت متعصب فریجا اور اول درجہ کا خود غرض بتایا جاتا ہے یہ اسی کا تذکرہ ہے کہ ایک بار جب وہ دکن میں تھا اور دہلی میں اس کے مرنے کی خبر اڑادی گئی تھی تو اس نے حکم دیا کہ وہلی میں دیکھو کوئی شخص ایسا تو نہیں ہے جو بیکار اور مفلوک الحال ہو اور جس کو سوا بیکاری کے کسی قسم کے کام سے تعلق نہ ہو۔ لوگوں نے دریافت کیا تو ایک صاحب نے جو بالکل مبتلا سے فلاکت تھے۔ اور تہ لگایا گیا تو یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ گپ بھی انہیں بزرگی کی اڑائی ہوتی تھی اور نگ زیب نے کہا جب تک ملک میں ایسے بیکار لوگ نہ ہوں اس وقت تک ایسی بے سرو پائین نہیں اڑ سکتیں۔ چنانچہ ان صاحب کو نوکری دلا دی گئی۔

ہماری گورنمنٹ نے تعلیم اور جتنے عمدہ کام کیے ہیں ان سے چاہے اصل میں نسبت کچھ ہو لیکن نظام یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کو گورنمنٹ ملک کے نائبرہ اور رعایا کی پرورش کے لیے نہیں کر رہی ہے بلکہ گویا ان کا وقوع صرف اس لیے ہوا ہے کہ گورنمنٹ اپنا کام نکال لے اور کوئی چاہے مرے یا بجے گورنمنٹ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔ گورنمنٹ کہہ چکی اور اس کا کننا صحیح بھی ہے کہ ہم سب ہندوستانیوں کو نوکری میں دے سکتے۔ اور کہاں تک دے۔ ایک دو تین ہزار روپے فی ماہ سوجو دیں اور جو ملازمت کی امید میں اپنی ساری ٹیکنکوں کے پلوٹ بعل میں دبا دے ہو

جگہ دینے والے افسرین کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اور ہر جگہ سے "نود کینسی کی مایوس کن صدائیں کوہوا پس آتا ہے۔"

اب یہی صنعت و حرفت تو بیرونی تجارت کے مقابل میں جھجک دہیسی تجارت کو ترقی نہ ہوگی اسوقت تک ممکن نہیں کہ ہندوستان سے یہ افلاس اور تباہی دور ہو سکے کاشکے جس طرح یہ تعلیمی مدارس کھولے گئے ہیں اسی طرح صنعتی مدارس بھی کھول دیے جائیں اور ہندوستان کو تباہی جاسے کہ وہ اپنی لیے سائیکل وغیرہ یا دوری اسیسی جی چیزیں آپ بنائیں۔ یا ان کو سکھایا جائے کہ اپنے لیے وہ خود ہی اچھے سے اچھا کپڑا تیار کر لیں اور انھیں سونے تسلیم دی جائے کہ ملکی ضرورتوں کے مناسب ہندوستان ہی میں خود ہی ملین بنایا کریں۔ اور ان کے پرزے ویسی لوگوں ہی کے اہتمام سے ڈھل جایا کریں۔ یہ دو دو روپیہ والی گھڑیاں جن کو ہندوستان کا ہر اعلیٰ و ادنیٰ افلاس کے تمغوں کی طرح اپنے سینے پر لگائے پھرتا ہے ان کی تیاری کا سامان ہندوستان ہی میں کر دیا جائے۔ بننے کے جوئے جن کی لاگت سے چھوٹے گنے دام غیر ملک والے وصول کر کیا کرتے ہیں۔ کیا ہندوستان کی آب و ہوا میں نہیں تیار ہو سکتے۔ کیوں ایسی تدبیر نہیں بتائی جاتی کہ اپنے لوہے کو ہم بغیر ولایت بھیجے ہمیں ایسا بنالین کر وہ سونے کے داموں بکے۔

ہمارے خیال میں جس طرح گورنمنٹ نے پڑھنا سکھایا اسی طرح اس کا فرض ہے کہ تمام کام بھی ہندوستانیوں کو سکھائے تاکہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ گورنمنٹ نے صرف اپنا کام نکال کر لیے ہم کو تعلیم دلائی اور ہماری تعلیم سے مقصود خود ہم کو نفع پہنچا مانا تھا۔

زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ اب خود ہندوستان میں ایسی کمی بیشی ہو رہی ہیں جن کی غرض صرف اس امر کا ثابت کرنا ہے کہ تعلیم فنون کے لیے کسی باضابطہ تعلیم کی ضرورت نہیں۔ اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ مدارس کے بچے پڑھ کر س میں کس قسم کی ترمیم کیجئے۔ اس خیال کے ساتھ بالکل اسی طرح جس طرح سابق میں اپنی جاہلیت کے زمانے میں ہم پیشوں کو ذلیل سمجھتے تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے آج بھی ان پیشوں کی توہین کرتا ہے۔

سعدی کا درس خانہ

جب کوئی سالک راہ خدا میں ثابت قدم اور مستقل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ کر سوا اور سری چیزوں کا وجود اسکی چشم توحید میں معدوم ہو جاتا ہے بس اسرا اللہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ وہ قلم کی طرح ہر وقت کمر باندھے آمادہ اور سر جھکا رہتا ہے۔ جو بات پیش آتی ہے سر کے بل قلم کی طرح جھک جاتا ہے۔

اس کی نظر نہ کہ کسی ظالم جاہل کے ہاتھ سے کسی شریف اور کم آزار پر ظلم ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ دیکھ کر کہ ایک دن ظالم بھی شمشیر ظلم و ستم کے گھاٹ اترے گا اور اپنے کئی کیے کی سزا پائے گا۔ اسی گرداب بے پایان (دنیائے) میں کٹھن کا بوجھ دل پر نہ رکھ۔ کیونکہ جہاز طوفان کے دن بوجھل ہو جائیسی ہے اور بوجھل ہو جاتا ہے اس لیے دنیا میں بسکنا اور ہلکا بھلکا رہنا بہتر ہے۔

اسے دل پر ایک عرصہ تک سعی و تہنگ دو کی تکلیف اٹھانا رہے کیونکہ ابھی سعی ہی میں ایک جام جم اور آئینہ لگتی نہ ابھی تہنگ سے تمام کرد ورتین اور دل کے غبار دور ہو جاتے ہیں۔ ایسا آدمی بہت کم نہ ہوگا (یعنی ملامت کی بڑا ہ نہیں کرتا) جو راہ خدا میں گیند کی طرح سر سے پاؤں تک قدم نہ بچائے۔ تسلیم اور رینما کے میدان میں بادشاہ (خدا) کے گھوڑے کے ستم کو وہ شخص دیکھ سکتا ہے جو اپنی پیشانی کو کیل اور نعل کی طرح بنا دے۔ یعنی پیشانی پر سجدہ ریزی سے گھٹا ڈالے اور کمر کو خم کرے غافل خانہ کعبہ کی جستجو کتب تک اس خیال کو چھوڑ جب تو محرم خدا ہو گیا تو پھر تیری ذات خود حقائق و معارف کا قبضہ بن جائے گی۔

بکیرہ گناہ انسان کے راستہ میں بڑے اٹل اور گرانا رہ پتھر ہیں۔ ایسے پتھر نہ امت اور پیشانی کے سیلاب ہی سے اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں۔

ایسا غم کھانا چاہیے جس کے انجام میں سرستین اور خوشیاں حاصل ہوں۔

احمقوں کی طرح ایسی خوشی کے پیچھے نہ پڑ جن کا انجام رنج و ملال ہو تیرے دل میں حرص سبائی ہوئی ہے۔ اس لیے تو دوستوں پر اپنا مال نہیں خرچ کرتا۔ اپنے پیٹ کو نہ کس کی طرح خالی کرتا کہ تو ہمہ تن سونا ہو جائے۔ (ازدین و دنیا)

جسٹریٹ ہائے ۱۳۱

مولانا مولوی عبدالحکیم صاحب مہر و مقفول
کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر ۱۰ بابت اہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء جلد ۲

محبہ
محمد صدیق حسن اٹوٹر

بہت نام

خاک حکیم محمد راج الحق مینجراؤ پرنٹ و پبلشر

دلگداز پرنٹنگ خانہ نمبر ۱۰ گنجان مین

چھپ کر شائع ہوا

کافرانہ روغن الریحان لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

آپ ایک فخر آزما کے تو دیکھیں

عطر کے لئے لکھنؤ مشہور ہو گیا۔ مگر انیسویں صدی کے عطر جو ہر دلوں کو سنسینا کر کے کیوں لال کی روغن کی لوگوں کے ہاتھ پاؤں کے قلوب و دل کا خیانت نہ کرے، فریب کو اٹھاتا پڑتا ہو جو ہر سے منگوانے اور بے لکھے خریدنے پر مجبور ہیں، اور بعض شہنائیے والوں کی چالاکت ہو کہ روپ یہ کلل دکھا کر کبھی چار کو بھیدتے ہیں۔ یہاں خدایاں کھد کے چنے ڈھریاں ہو کہ ہر کے ہر صلیب فراموشی کے لئے عطر ہر مستند کا خالوں کے عطر اعلیٰ بیج کے قلوب و فراموشی پر ہر ہر کام کے ال، جو بی بی صانع کے اندر بھائی جیسے کر کے رواہ کر دیا کر جس کا بہت اچھا اور قابل المیساں انتظام کر لیا ہو۔

عطر کے شائق

ایک بدستماں لکھنؤ کو لکھنؤ کے لئے یہ ہے، انیسویں صدی کا اچھا عطر اور کپن دلوں کو لکھنؤ

عطروں کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر خاتونیت، عطر، عطر	عطر پارتی فیتلہ، عطر	عطر عروس فیتلہ	عطر
توتیا - عطر، عطر، عطر	بیلہ - عطر، عطر، عطر	برگ سیا - عطر، عطر، عطر	عطر
چمیلی - عطر، عطر، عطر	مجموعہ - عطر، عطر، عطر	ماستوح - عطر، عطر، عطر	عطر
نیمبھا - عطر، عطر، عطر	چربی - عطر، عطر، عطر	سہاگ - عطر، عطر، عطر	عطر
عطر - عطر، عطر، عطر	شکرہ - عطر، عطر، عطر	ہلک پری - عطر، عطر، عطر	عطر
قندہ - عطر، عطر، عطر	چچا - عطر، عطر، عطر	موج پارتی - عطر، عطر، عطر	عطر
برکری - عطر، عطر، عطر	سیونی - عطر، عطر، عطر	کشی - عطر، عطر، عطر	عطر
آفرنی کنہ - عطر، عطر، عطر	آفرنی کنہ - عطر، عطر، عطر	روح محمد پسر - عطر، عطر، عطر	عطر
دع فرمیلی - عطر، عطر، عطر	آگسٹر - عطر، عطر، عطر	شنداز - عطر، عطر، عطر	عطر
خلیقا آسنی - عطر، عطر، عطر	مخلوط عطر - عطر، عطر، عطر	محبوب پند - عطر، عطر، عطر	عطر

خوشبودار تیلوں کی فہرست ملاحظہ ہو

روغن چلی نی سیر، روغن، روغن بیلنی سیر، روغن، روغن کپڑائی سیر، روغن، روغن جانی سیر، روغن، روغن

اعلیٰ درجہ کا خوشبودار عطر باخترہ تناکو

فندہ تناکو شکی - عطر، عطر، عطر	قوام شکی فیتلہ - عطر، عطر، عطر	آلو لیاں تناکو شکی - عطر، عطر، عطر	عطر
ایضا عطرانی - عطر، عطر، عطر	ایضا - عطر، عطر، عطر	عطرانی فیتلہ - عطر، عطر، عطر	عطر

نوٹ: یہ دعوات آسے ہی دہلی ایل دھان ہوگا، اور دھان دھان ہلک اور دھان
 آپ کا حام حکیم محمد حسن علی خاں شکر دگلا دکن بنگلہ



گولڈ اسمتھ مصنف «ویکرافٹ دیکفیلڈ» جس کا شمار انگلستان کے اعلیٰ مصنفوں میں تھا۔ دسویں نومبر ۱۷۳۰ء کو پائسمور میں جان اس کا باپ ویکار (نائب پادری) تھا عالم وجود میں آیا۔ اس کی معاش اس قدر قلیل تھی کہ کھیت کی آمدنی ملا کر بھی سالانہ آمدنی چالیس پونڈ سے کسی طرح زیادہ نہ تھی نیک پادری یعنی اولیور کا باپ ایک مرد قانع اور خوش مزاج تھا اور اس ٹھوڑی سنی آمدنی سے اپنی گذر کرتا تھا۔ فراغت کا زمانہ آنے کو تھا اور جب اولیور کا سین دو برس کا ہوا اس کا باپ پائس سے لیسے کو منتقل ہو آیا۔ جان ویکار دوسو پونڈ سالانہ تھی۔ تمام خاندان کی امیدیں اولیور ہی سے وابستہ تھیں بلکہ سکتے بڑے بھائی ہنری گولڈ اسمتھ سے جس نے ایام صغر سنی ہی سے ایک ممتاز عالم ہونے کی توقع دلائی شروع کی تھی۔ اس کے لیے کالج کی تعلیم تجویز ہوئی تھی۔ اس صغیر نال یا اولیور کے واسطے پیشہ کی تعلیم اور والدین نے اسے قائم کر لینے کی وجہ سے فطرۃً اسکی ابتدائی تعلیم کپٹن زیادہ توجہ مبذول نہیں کی۔ وہ مسٹر پیڈی براؤن کے اسکول میں بھیجا گیا۔ یہ ضعیف شخص ملکہ اینی کے زمانہ میں جب دولت ہسپانیہ سے لڑائی ہو رہی تھی کو آئرلینڈ تھا۔ حضرت نے پڑھائی کا بار اپنے سر پر لیا تھا اور آپ کی تعلیم تھی کہ لڑکوں سے اپنے مہمات کے نقشہ سرداران آئرلینڈ کے فسانہ جن بیسی کے حکایات بیان کیا کرتے تھے۔ اور تمام لڑکے فطرۃً اس قسم کے قصوں کو گوش دل سے سننا کرتے تھے۔ ایسے پتھر کی تعلیم سے گولڈ اسمتھ کیونکر ایک موقع تحصیل علم کر سکتا

لیکن پھر بھی اس نے کچھ نہ کچھ اس سے فائدہ حاصل کیا۔ جب اولیور کا سن اور بڑھا۔ اس نے اپنی ذکاوت کی بے قاعدہ علامتیں ظاہر کرنا شروع کیں۔ اور اس کے والدین کو اس خیال کی ترغیب ہوئی کہ آیا انھوں نے اولیور کی قابلیتوں کی نسبت سریعہ راے تو نہیں قائم کی ہو؟ صغیر لسن اولیور نے انکی کنٹرولنگ کو اپنی تعلیم کے بارہ میں ایک عمدہ مشیر پایا اس نے یہ راے دی کہ اولیور کے لیے وہ ذرائع معاش جو پہلے تجویز کئے گئے تھے اب وہ بدل دیے جائیں۔ آخر کار تمام خاندان اس امر پر متفق ہوا کہ اولیور ڈبلن کے ٹرنیٹی کالج میں اپنے بھائی ہنری کی طرح تحصیل علم کرے۔ لیکن بد قسمتی سے ذرائع معاش میں پھر تجدید گیان لاحق ہو گئیں۔ ہنری نے جو تمام آئندہ کی اُمیدوں کا مرکز تھا عمدہ موقعوں کو ہاتھ سے جانے دیا۔ اس نے ایک اسکول قائم کیا۔ اُسکے شاگردوں کے زمرہ میں ایک دو لقمہ فروشان شخص مسٹر ہاڈسن نامے بھی تھا۔ جس نے اپنے ماسٹر کی بیٹی کیخبرائیں گو لڈ اسمتھ سے پوشیدہ کورٹ شپ ہی نہیں کیا بلکہ چوری چھپے سے عقد بھی کر لیا۔ اس نامناسب طریقہ نے اس بیڈی کے باپ کو سخت اراغض کر دیا اور اس کو بہت سے مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور مسٹر ہاڈسن کو چار سو پونڈ کا جینز دینا پڑا۔ اولیور کو مجبور ہو کر سترہ برس کے سن میں سیرز کے کم حثیت عہدہ پر کالج جانا پڑا۔ جہاں اس نے کچھ تو کاہلی اور کسی قدر آوارگی کی وجہ سے اور کچھ اس خیال سے کہ وہ تحصیل علم ایک کم حثیت عہدہ کی حالت میں کر رہا بہت تھوڑی ترقی کی غالباً یہ دونوں اسباب مانع ترقی تھے کیونکہ گو لڈ اسمتھ کاہل بھی تھا اور اس کا بد باطن استاد اس کے ساتھ بھارت پیش بھی آتا تھا۔

۱۸۷۷ء میں اس کے باپ نے دفعۃً انتقال کیا تب اولیور کو کالج سے کنارتہ کشی کرنا پڑی بخیر دیگر حقیر ذرائع معاش کے اس نے یہ بھی دل میں ٹھان لی کہ اسٹریٹ بیلڈ یا وہ گیت جو عوام الناس گیلون میں گاتے پھرتے ہیں تصنیف کرے اور بحساب پانچ شلنگ فی بیلڈ بیچ ڈالا کرے۔ لیکن اخلاص نے ایسا شکستہ دل کر دیا تھا اور حقارت آمیز کالج لائف نے ایسے جو اس اڑا سے تھے کہ وہ ڈبلن سے

بھاگھا اور عزم مصمم کیا کہ امریکہ کو ہجرت کر جائے اور دنیا سے جدیدین جا کر پھر دنیا سے عتیق کی طرح کبھی برخیز نہ کرے اور اسی قسم کے خیالات و وابہ تمام زندگی رہی۔ لیکن اس موقع پر اس کے بھائی کو خبر ہو گئی اس نے ایلیور کا تعاقب کیا اور پھر ڈبلن کو واپس لایا جہاں کہ وہ ۱۹۲۹ء تک رہا اور بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

اس امتیاز کے حاصل کر لینے سے بھی ایلیور کے رشتہ داروں کو دلچسپی نہیں ہوئی اور نہ اُس کے خیر خواہوں کو اپنی پیشین گوئی کے صادق ہونے کی کامل امید۔

آولیور جب دیسٹ میٹھ کر لوٹ کر آیا ہے اس وقت اس کے خصائل اور عادات نے اس کی طرف سے بہت سے خوف و لون میں پیدا کر دیے تھے۔ اس نے بظاہر اپنی بیوہ مان اور خود اپنی کفالت کا کوئی معقول سامان پیدا نہیں کیا۔

آولیور نے سبکی میں میں ایک کلب قائم کیا۔ اور وہاں اپنے اوقات زیادہ صرف کرتا تھا۔ اپنے تصنیف کیے ہوئے گیت گایا کرتا تھا۔ یونین شراب پیاتا تھا۔ اور کسی قدر قمار بازی میں بھی مشغول رہا کرتا تھا۔ بہ استثنائے انکلی کنٹرول کے جو ایک بڑا معاف کرنے والا اور فیاض انسان تھا اور اسی رشتہ دار کو ایلیور کی آئندہ

بہبودی کی نسبت امید کرنے کی جرات نہیں پڑتی تھی۔ آخر کار بہت سی نصیحتوں نے کابل آولیور کو متعذ کیا اسے اپنے آبائی پیشہ کے اختیار کرنے کی صلاح دی اور وہ راضی ہو گیا۔ بد قسمتی سے آڈی نیشن (تقریر عہدہ پادری) کے وقت وہ

بشپ اپریل پادری کی خدمت میں قرمزی رنگ کا یا بگامہ پہن کر حاضر ہوا۔ ہزاروں نے بہت برا مانا اور اس امیدوار کو بلا تقریر رخصت کر دیا۔ بعد اس کے آولیور نے چاہا کہ خانی طور پر لڑکوں کو تعلیم دیا کرے اس میں بھی ناکامی حاصل ہوئی۔ تب اُس نے قانون پڑھنا چاہا مگر انکلی کنٹرول میں پچاس پونڈ کی تحصیل لیکر آن موجود ہوا۔ اور آئندہ ہونے والے لارڈ چینسلر نے اہل وطن سے خدا حافظی اور ٹپل کے طرف

روانہ ہوا۔ ہنودہ شہر لندن دور تھا اور ایلیور ڈبلن ہی تک پہنچنے پایا تھا کہ ایک پرانے لنگوٹھے یار مل گئے۔ آولیور نے پاکٹ سے پھیلی بکائی اور تمام یہ وہ جو

میں ہار دیے۔ اس حرکت کی اطلاع اہل وطن اور رشتہ داروں کو ہوئی اور خرابی

پھر مجبور ہو کر اولیور نے اہل وطن کو اپنا منہ دکھایا۔ اچھل کنٹرائن نے پھر معاف کیا اور ان اور بھائی سے زیادہ تعلق کے ساتھ پیش آیا۔
معزز اور عالمانہ پیشگوئیوں میں طہابت باقی تھی اس کی صلاح دیکھی اور اولیور نے کوئی اعتراض یا ناراضی ظاہر نہیں کی۔ اچھل کنٹرائن نے پھر روپیہ سے مدد کی اور بارہ دگر اولیور نے وطن سے قندم باہر نکالا اور ۱۹۳۲ء کے موسم خزاں میں ایڈنبرا پہنچا۔ ایڈنبرا میں زمانہ موجودہ کی طرح پہلے ہی تمام یورپ سے بڑھ کر طبی یونیورسٹی تھی۔ اسی زمانہ میں لندن میں چند طبی مدرسے تھے لیکن کچھ بہت اچھے نہیں اور مدارس صوبہ جات کا جواب انگلستان اور آئرلینڈ میں ہیں نام و نشان تک نہ تھا۔

بہر حال اولیور اس یونیورسٹی میں داخل ہوا مگر اس کے استادوں کی شہرت اور قابلیت نے اس کے دل میں بہت کم سرگرمی اور استعداد پیدا کی اس نے کیمسٹری اور نیچرل ہسٹری سے تھوڑا سا فائدہ حاصل کیا۔ وہ اہل شہر کی صحبت یا سوسائٹی میں زیادہ اوقات صرف کرتا تھا۔ اور اہل بزم کو اس کے ساتھ ایک قسم کی دلچسپی سی ہو گئی تھی۔ اس نے بیلی میں کے ایک دوست کو ایک چھٹی لکھی جس میں اس نے محفل رقص و سرود کا ایک نوکھا طریقہ اور قاعدہ درج کیا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

ابا کہ میں رقص کی نسبت لکھ چکا۔ تھوڑا سا حال جلسہ رقص و سرود کی نسبت لکھوں گا۔ بیان ناچ کے جلسہ علی التواتر ہوتے ہیں۔ جب کوئی اجنبی شخص ڈیننگ ہال (مکہ رقص و سرود) میں داخل ہوتا ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ ایک جانب تمام لیڈیاں بیٹھی ہیں۔ اور دوسری طرف اس کے ساتھ ناچنے والے مرد۔ لیکن ان دونوں جماعتوں میں بات چیت بالکل نہیں ہوتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخالف فرق ایک دوسرے سے کھینچے ہوئے ہیں۔ آخر کار لیڈی ڈانسر کو اس اپنی جگہ سے اٹھتی ہے اور ایک خاتون پر بحال کا ہاتھ دوسرے خوش رو صاحب کے ہاتھ میں دیتی ہے۔ یہ دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے ایک منٹ تک ٹپکتے ہیں اور یہ طریقہ صلح جوئی چندان کامیاب

ہیں ہوتا۔ اسی طرح سے پانچ جہ لیڈی اور جنٹلمن باہم ٹہلتے ہیں اور بالکل افسردہ دلی کے ساتھ بعد لکھتے ہی لیڈی ڈائریکٹس آٹھ کرنا چھ والوں کے جوڑ ملاتی ہے۔ یہ سب اہل کردہائی پانچ ناچتے ہیں۔ اور اس قدر دیر تک ناچتے ہیں کہ آخر تھک جاتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک لفظ بھی منہ سے نکالیں۔ مہر خاموشی کسی طرح لب سے دور نہیں ہوتی اور آخر کار ہاری نیم عشرت ختم ہو جاتی ہے۔

ڈیرھ برس تک گولڈ اسمتھ ایڈنبرا میں مقیم رہا بعد اس کے طبیعت و مان سے اوجاٹ ہوئی۔ لیڈن کی یونیورسٹی کی اعلیٰ شہرت اس وقت تک کسی قدر باقی تھی اولیور نے چاہا کہ اب اُس میں داخل ہوا تکلی کمزائیں سے سیاحت پر اعظم کا حیلہ کیا۔ جو خطوط گولڈ اسمتھ نے اپنے وطن روانہ کیے اس میں لیڈن کی یونیورسٹی کے پروفیسر کے نام سلسلہ وار اس طرز سے لکھے ہیں کہ ان کے دیکھنے سے ایک قسم کی تفریح ہوتی ہے۔

گولڈ اسمتھ کی لائف تین مقررہ زمانوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

(۱) اس کی ابتدائی زندگی آئر لینڈ میں۔ اور اس کی تعلیم ایڈنبرا میں۔

(۲) اس کا براعظم کا سفر۔

(۳) اس کا قیام لندن میں۔

اب ہم اسکے دوسرے حصہ زندگی پر پہنچتے ہیں جس کے بارہ میں بہت کم واقعات اور حالات اور واقعات خود اولیور نے تحریر کیے ہیں ان پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ میکالے صاحب یہ لکھتے ہیں کہ "جو واقعات کہ اولیور نے اپنی زندگی کے اس حصہ کی نسبت لکھے ہیں ان کے تسلیم کرنے کے وقت ہوشیاری سے کام لینا چاہیے" اس قدر تو ضرور یقینی ہے کہ اس مسافرت میں کوئی اس کا مددگار نہ تھا۔ سوائے اکل کمزائیں کے جو کچھ اس کی مدد کرتا تھا (لیکن بعد کو صاحب مذکور کے مرنے سے یہ مدد بھی بند ہو گئی تھی) اس نے لیڈن پیرس اور شمالی ایطالیہ کی سیر کی۔ نئے نئے اوصاف فقہ کے دوا لیسے ذریعہ اُن کے ہاتھ آگئے تھے کہ بخوبی سفر میں اوقات بسر ہوئی جاتی تھی۔ اس کے ذہن کو دن دو دن اور رات چو گنی ترقی تھی۔

خدا پر اس کا بھروسہ تھا اور یہی بھروسہ مصائب سفر میں اُس کو

تشفی و تسکین دیتا تھا۔ اس نے ڈاکٹری ڈبلومہ پا ڈوا میں حاصل کیا اور وطن کی طرف
مرحبت کی۔ آغاز ۱۹۳۷ء میں گولڈ اسمتھ بمقام ڈاؤرپو پنجاگو اس نے مڈسین
(طبابت) سے تعلق نہیں رکھا۔

لیکن بعض بیاگرفر کا یہ لکھنا بالکل غلط تھا کہ ڈاکٹری ڈاکٹر ہی جانتا ہی تھا
اس پیشہ میں جو اسے ٹیلیو ریا نا کامی ہوئی وہ اس وجہ سے کہ اس کے عادات اچھے
نہ تھے۔ مفلس تھا اور کوئی اس کا دوست نہ تھا۔

اب ہم گولڈ اسمتھ کی تاریخ کے زیادہ تاریک صفحہ پر پہنچتے ہیں۔ چار
کتنی ہی اس کی فاضل غلطیاں کیوں نہ ہوں۔ لیکن جب وہ چھ سال تک لندن رہ کر
مختلف جھگڑوں میں پھنسا اور انواع اقسام کے مصائب برداشت کر چکا تو بس تمام
گناہوں کا یہی کفارہ ہو گیا۔ تھکری کا یہ لکھنا بہت ٹھیک ہے کہ "جب ہم لوگوں
کو حسد سے ادلیورپ طعن اور تشبیہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو سخت پیچ و تاب ہوتا ہے
جس طرح کہ ایک لاوارث عورت پر یا مضمون پر پیچا جلتے ہوئے ہیں اور نیک نفس لوگوں کو حملہ
کرنے والے پر غصہ آتا ہے وہی حالت یہ بھی ہے"

ادلیور نے اوقات بھری کی بہت سی فکریں کیں۔ لیکن وہ ناکام رہا۔ باوجود
اس کے کہ اس نے ڈاکٹری کا ڈبلومہ حاصل کر لیا تھا پھر بھی کہیں روزگار نہیں لگتا
تھا۔ اس نے اپنے ہنر کو لکھا "آپ خیال کر سکتے ہیں کہ مجھے کیسی کیسی مصیبتیں
اٹھانا پڑتی ہیں۔ میرا سرزمین انگلستان میں آئرش میں ہونا میرے نوکر ہونے کے
لیے کافی ہے۔ ایسی حالت میں خود کشی ایک عمدہ ذریعہ مصائب سے نجات کا ہے
لیکن میں سب آفتیں استقلال کے ساتھ برداشت کروں گا"

آخر کار ایڈنبرگ کے ایک مہربان شناسا نے اپنی وساطت سے اسے ڈاکٹر
لنر کے مدرسہ ترقی علوم و فنون میں اشر (معلم کو چک) کا عمدہ دلادیا اور ادلیور
یک ہام میں رہنے لگا۔ ڈاکٹر لنر دگر دیو اور منتھلی میگزین میں مضامین لکھا کرتا
تھا۔ اور ان ہونوں کا مالک گرفتہ نام ایک شخص تھا۔ یہ پیشہ کا کتب فروش تھا۔ بہت
بد مانع اور بخیل آدمی تھا۔ یک ہام میں اس سے اور ادلیور گولڈ اسمتھ سے ملاقات
ہو گئی اس نے اسے ترغیب دی کہ وہ بیسٹن ماسٹر میں آکر میگزین کے لیے مضامین

لکھا کرے۔

نہایت ہی سخت مصیبت خیر غلامی۔ سنگری اور بے عزتی اس کی چشم پر پڑی ہوئی۔ گر لپیٹہ حوان تھا اور اُس کی جوڑ جو ایڈیٹر میگزین تھی بہت بڑی جڑیل۔ ٹوڑی آئین کے ایڈیٹر نے ایک موقع پر کہا کہ ”خدا کا لاکھ لاکھ شکر جو کہ تیرے ریو لو کا ایڈیٹر نہ تو کتب فروش ہے اور نہ اُس کی جوڑ دیا اور لیور گولڈھا استھ کی طبیعت اس قسم کی واقع ہوئی تھی کہ وہ بہت کم شکایت کرتا تھا گو اس نامعقول کتب فروش اور اُس جڑیل عورت کی بدزبانیان سنتا تھا انجام کار سختیوں کی کوئی حد باقی نہیں رہی۔ اور اس وجہ سے برداشت کرنا احاطہ امکان سے خارج ہو گیا۔ جوڑ ہو کر او لیور کو کنا رہ کشتی کرنا پڑی۔ اس کے مضامین اُس کے حق میں ایک حد تک مفید ثابت ہوئے۔ اُسکی عمدہ سادہ عبارت جو اڈین کی تحریروں سے بڑھی ہوئی تھی اور اُس کے گرم گرم فقر وں نے پہلک کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔ اسی زمانہ میں گر لپیٹہ کی نوکری چھوڑنے کے بعد او لیور اس قدر غفلت ہو گیا تھا کہ وہ حقیر سی حقیر جڑیل نوکری کی بھی درخواست کرتا تھا۔ لیکن اسے نہیں ملتی تھی۔

افسوس ہے کہ باوجود اسکی شہرت اور انسانی جہد و ی کے اسکی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ ڈاکٹر پرسبی ”ریلیکس آف انگلش پوسٹری“ مشہور ایڈیٹر اس زمانہ میں افلاس کی نسبت ایک ایسا فقر لکھتا ہے کہ دیکھنے والوں کا دل بھرتا ہے۔ کمرہ میں سامان آرائش کچھ بھی نہ تھا۔ پس حد ہو گئی کہ اگر کوئی ملاقاتی آجاتا تھا تو یہ کرسی اس کے لیے خالی کر دیتا تھا۔ اور خود کھڑکی میں بیٹھ جاتا تھا۔

مارچ ۱۹۳۳ء میں اس کا ایک عمدہ ایس سے (جواب مضمون) جس کا سبک ڈاکٹر یا مضمون یورپ کی حالت تحصیل علم بھی شائع ہوا اس جوابی مضمون کی کامیابی نے اسے اس قابل کر دیا کہ عمائد کے محفل میں رہ سکے۔ اور اس مضمون کی شہرت نے بہت سے اُمر اور مشاہیر سے ملاقات اور معرکہ آرمیوں سے جان پہچان کرادی۔ ان مشاہیر میں سے ڈاکٹر جانس تھا جو بہت بڑا ادیب اور اس وقت تک یقید حیات تھا۔ یہ انٹرویو گیشن یا معرنی

خوش قسمتی کی بات تھی کیونکہ جالنس د دست دانا اور صادق تھا۔ رفتہ رفتہ رسم راہ میں ترقی ہوئی۔ یہ دونوں بہت مشہور ممبر کلب کے تھے۔ ٹھوڑے عرصہ کے بعد ممبران لٹریچر کلب نے گولڈ اسمتھ کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔ لائف آف ناش، اور ”انگلش ہسٹری“ یکے بعد دیگرے اہالیان کلب کی خدمت میں پیش ہوئیں۔ لیکن گولڈ اسمتھ بدستور سابق مفلس ہی بنا رہا۔

دسمبر ۱۹۳۲ء میں اسکی مشہور نظم ”ٹریولر“ جس کا ڈیڈکشن اس کے بڑے بھائی ہنری کے نام کے ساتھ ہوا شائع ہوئی اور اس نے تمام شہر کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس نظم کی حیرت انگیز قابلیت خصوصاً اُس زمانے میں جبکہ فن شاعری میں زور کم رہ گیا تھا سب نے تسلیم کی۔ سال میں کئی بار جلدیں چھپیں اور سب ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ لیکن اویور کو ابیس ہی گئی ہاتھ لیکن۔ اُس نے حق تصنیف سٹریو بری کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا۔

اس نظم نے ایک لطف آمیز اثر گولڈ اسمتھ کے اعزاء پر عام سوسائٹی پر اور بالخصوص اس کے کلب پر ڈالا۔

سرجو شوارینا لڈس کی بہن کو جب یہ نظم پڑھ کر سنائی گئی تو اُنھوں نے کہا: اب میں کبھی ڈاکٹر گولڈ اسمتھ کی نسبت کوئی بڑا خیال نہیں کروں گی۔ اس نظم کی کامیابی سے اتنا وہ یہ تو ضرور گولڈ اسمتھ کے ہاتھ آ گیا کہ وہ پمپل کے وضع ادارہ امر کے محلہ میں اٹھ گیا۔ اور اپنی حیثیت کے موافق دوستوں کی دعوت کرنے لگا۔ اس کے بعد سب سے زیادہ مفید اور عظیم الشان واقعہ اس کی زندگی میں یہ ہوا کہ مارچ ۱۹۳۲ء میں اس کا سب سے زیادہ مشہور ناول ویکار آف دی کیفیلڈ، شائع ہوا۔ شائع ہوتے ہی کامیابی ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ اس کی مقبولیت غایت درجہ کو پہنچ گئی تھی۔ جلد دن پر جلدیں شائع ہوتی چلی جاتی تھیں۔ خوش قسمت چھپوانے والے نے ساٹھ گنی کو خریدا کیا۔ اور صد ہا گنیاں فائدہ میں پائیں۔ اس ناول کی اشاعت کے وقت کا ایک قصہ نہایت دلچسپ ہے وہ ایک تحریر ہے جو جالنس نے لکھی اور اس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔ ایک دن صبح کو غریب اور پیارے اویور کا میرے پاس یہ پیام آیا کہ میں

سخت مصیبت میں مبتلا ہوں اور آپ کے پاس حاضر نہیں ہو سکتا آپ خود تکلیف فرمائیے
 میں نے ایک گنی اس کے پاس بھیجی اور کہا بھیجا کہ گھبراؤ نہیں میں ابھی آتا ہوں۔ میں نے
 جلد جلد کپڑے پہنے اور وہاں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عورت مکان کے کرایہ کے لیے
 اسکو کمرے میں بھیجی ہے۔ کسی طرح ہٹے نہیں دیتی۔ اولیور نہایت خوش کی حالت میں ہے
 میری بھیجی ہوئی گنی کب کی خود رہ ہو چکی تھی اور مڈیا شراب کی بوتل اور گلاس میز پر
 رکھا تھا میں نے جل کر بوتل میں تو کاگ لگا دی اور اس سے کہا کہ خدا کے لیے چپ رہو۔
 بعد اس کے میں نے اُن ذرائع کی صلاح دی جن سے وہ تمام مشکلات سے خلاصی
 پاسکتا تھا اس نے مجھے ایک ناول دکھایا جو تیار ہو چکا تھا۔ میں نے وہ ناول اس کے
 ہاتھ سے لے لیا۔ اور دو چار ورق الٹ پلٹ کر دیکھے اور مجھے معلوم ہوا کہ اس میں
 خوب قابلیت صرف کی ہے۔ اسی وقت میں نے مالک مکان سے کہا کہ میں ابھی آتا ہوں
 اور جا کر ایک کتب فروش کے ہاتھ اسے ساٹھ پونڈ کو فروخت کیا اور اولیور کے ہاتھ میں رکھ دیا
 وہ جب کرایہ ادا کر چکا پھر تو اس نے اس عورت کی خبر لی اور اس کی برز بانی اور سخت کلامی کا
 خوب جی بھر کے عوض لیا، یہ زمانہ گولڈ اسمتھ کی شہرت کا تھا لیکن افسوس بڑھتا جاتا تھا۔
 بعض دن تو دن بھر وہی کی عورت دیکھنا نصیب نہیں ہوتی تھی امرائی سوسائٹی
 میں داخل ہو جانی یہ تنگدستی۔ روز دروازہ پر کھڑی رہتی تھی۔ یہ لوگ اسے جین نہیں لیتے
 تھے۔ اور ذہن کو بھی پورے طور پر ترقی حاصل نہیں ہوتی تھی۔

۱۹۳۳ء میں اس نے ایک نئے اکھاڑے میں قدم رکھا یہ تماشہ گاہ تھا جہاں گیر
 اپنے پورے عروج پر تھا۔ دوسرے سال کا ونٹ گارڈن میں کوئین نے اس کا پلے کیا
 اور باوجود اس بات کے کہ یہ تماشہ دس راتوں تک چلی الٹا تر ہوا کیا۔ لیکن کامیابی نہیں
 ہوئی مگر اسے پانسو پونڈ کا فائدہ ضرور ہوا۔ عمدہ عمدہ لباس پہننے لگا اور پرنس کے مقام
 پر دو کمرہ چار سو پونڈ کو خرید کیے بعد کے کئی سال تک اس نے اپنی زندگی فراغت کے
 ساتھ بسر کی۔

ہلال اور یورپ

یہی بات ہے کہ ہلال کے حالات سے اشیاء اس قدر واقف نہیں جس قدر یورپ واقف ہے۔ حالانکہ ہلالی جھنڈا ایشیا ہی میں بلند ہوا تھا۔ یورپ کا شمالی حصہ ہمیشہ سے غیر آباد تھا۔ اور اب بھی اس میں جو کچھ آبادی ہے وہ اس قدر کم ہے کہ گویا نہیں ہے۔ باقی رہا جنوبی حصہ اس کو قدیم میں بھی ترقی والو عربی کا دعویٰ تھا اور اب بھی ہے۔ ہاں زمانے کے تغیر سے فرق ہوا تو اس قدر کہ عہد قدیم میں جنوبی یورپ کے مشرقی حصہ یعنی اہل یونان و روم کو دعویٰ ترقی تھا اور مغربی حصہ جنوبی یورپ یعنی فرانس و انگلینڈ وغیرہ کو دعویٰ ہو۔ قطع نظر اس کے شمالی یورپ بوجہ غیر آباد ہونے کے اگلے زمانے میں فتح و فتح کی نظروں سے چھپا ہوا تھا۔ باقی رہا جنوبی یورپ اس پر مسلمان نے دو طرف سے فوج کشی کی۔ پہلے تو بنو امیہ کے عہد میں مغرب کی طرف سے جب انھوں نے اسپین کو فتح کر کے فرانس کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ اسپین جو مغربی یورپ کا بہت بڑا جزیرہ نام ہے اور جہاں ہمیشہ ایک مستقل سلطنت قائم رہی۔ وہ تقریباً آٹھ سو برس تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ دوسرا حملہ مسلمانوں نے مشرق کی طرف سے کیا۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ یہی ہلال جو یورپ کی اصطلاح میں اسلام کے مراد ہے ترقی جھنڈوں پر چمکتا ہوا دیا گیا دیواروں کے نیچے تک پہنچ گیا۔ ایک تیسرا حملہ جنوبی حصہ یورپ کے وسط کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اس کی ابتدا مسیحی ہوئی جب خلفائے عباسیہ کے عہد میں صقلیہ (جزیرہ سیسیلی) فتح ہوا اور ادھر سے مسلمانوں نے سبقت کا قصد کیا۔

یورپ میں ہلال کی بس اسی قدر مختصر تاریخ ہے۔ جو وہاں کی مسیحی رعایا کو کبھی تو مغرب کی طرف چمکتا نظر آیا۔ کبھی مشرق کی طرف۔ اور کبھی وسط میں۔ غور طلب یہ امر ہے کہ ہلال اور اسلام کو جو مراد خیال کیا گیا ہے یہ صحیح ہے یا غلط ہمارے نزدیک یہ غلط ہے۔ اسلام مذہب ہے۔ اور ہلال سلطنت۔ بلکہ وہ سلطنت جو خلافت راشدہ کے مقدس اور واجب العظم لقب سے یاد کی جاتی ہے وہ بھی ہلال نہ تھی۔ وہ سلطنت البتہ ایک سلطنت تھی جو ادین کی تکمیل کے نیوالی بلکہ دین ہی کی

جزو خیال کیجاتی ہے۔ باقی اس کے بعد کی اسلامی سلطنتوں کو دین اسلام سے کوئی مذہبی تعلق نہ تھا۔ یورپ کو جن مسلمان حکمرانوں اور فاتحانہ سحر سابقہ پڑا وہ یا تو خاندان بنو امیہ میں سے یا عباسیہ خلفائے میں سے یا نسل عثمانی کے تاجدار تھے۔ ان میں سے سب شخصی سلطنت کر رہے تھے۔ اور کوئی ایسا نہ تھا جس نے اپنے اصول سلطنت اور اپنی خواہشوں کو شریعت اسلامی کے تابع کر دیا ہو۔

زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ یورپ پر جن لوگوں نے حملہ کیا ان میں بھی سواخران روایان ترک و یادگار ان دولت عثمانیہ کے اور کسی کا معرکہ حکومت ہلال نہ تھا۔ بنو عباس اور بنو امیہ کے نشانوں پر ہلال کا بنا ہونا کہیں سے نہیں ثابت ہو سکتا۔ خدا جانے یورپ نے عموماً اسلام کو ہلال کا کیوں خطا دے دیا۔ ان تین گزشتہ خاندانوں کے علاوہ یورپ کو مذہبی جہادوں اور کر دیسٹ کی لڑائیوں کی وجہ سے سلطان صلاح الدین اور نور الدین زنگی وغیرہ سے بھی سابقہ پڑا تھا۔ مگر ان لوگوں کے معرکہ جنگ کا ہلال موزا بھی اسلامی تواریخوں سے نہیں ثابت ہے۔ ہلال صرف ترکوں کا معرکہ جنگ پر معلوم ہوتا ہے ترکی سلطنت نے اپنے زور و شور کے زمانے میں یورپ پر ایسی ہل چل ڈال دی تھی اور یورپین قوموں پر اپنی فتحاہیوں کا سکھ اس قدر بٹھا دیا تھا کہ اہل یورپ عوام نہیں خاص مورخین بھی کلی گزشتہ اسلامی قوتوں اور ہیبت و جبروت کو کھول گئے اور عموماً اسلام کا معرکہ ہلال خیال کرنے لگے۔

بہر حال اب یورپین مورخوں نے لفظ ہلال کو اس قدر محسوس بنانا کہ بار بار استعمال کیا کہ خود مسلمانوں نے بھی اس کو اپنا قومی معرکہ تسلیم کر لیا۔ گم گم پھر زور دے گئے اتنا ضرور تیا تے ہیں کہ جس چیز سے اہل یورپ ڈرتے اور جس کا خوف ان کے دل میں سما گیا وہ چاہے ہلال ہو مگر اسلام نہ تھا۔ اسلام ڈرنے کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اگر اسلام و ہلال الفاظ ہم معنی ہیں تو وہ ہلال بھی نہ تھا جس سے یورپ کی آبادی میں لرزہ پڑ گیا تھا۔ وہ صرف چند شخصی سلطنتیں

حقین۔ اور یہی وجہ ہے کہ یورپ میں اسلام آج نظر نہیں آتا۔ ورنہ اسلام ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کی تلاوت دل میں پیدا ہو اور پھر بھی انسان اس کو کبھی چھوڑ دے۔ اس کا تجربہ برابر ہوتا جاتا ہے کہ جن دلوں میں اسلام نے اپنا نور روشن کر دیا ہے ان کو عیسائیت باوجود اس دنیاوی ثروت کے اور باوجود مختلف طریقوں سے طمع دلانے کے پھینک نہیں سکتی۔

اسلام وہ ہے جو اب لندن وغیرہ میں چمکا چدھر سے اتنے دنوں کی تاریکی کے بعد اب صدا سے "لا الہ الا اللہ" آئی ہے۔ لارڈ ہیڈ نے اور ان کی سراسی جھوٹ نے دین اسلام کو قبول کیا ہے وہ اس بات کا نو نہ ہیں کہ اسلام کوئی دوسرے کی چیز نہیں بعض لوگوں کی یہ رائے بت ٹھیک ہے کہ اسلام عیسائیت کو لوی شکست دیتا۔ گوانسوس بعد خلافت راشدہ کے اس کی ترقی کے لیے جتنی کوششیں کی گئیں سب کسی شخصی سلطنت اور ظالمانہ خونریزی کے ہلو میں چھپی ہوئی تھیں۔ اس کا ردوائی نے اہل عقل کے خیال میں اسے ظالم ٹھہرایا اور جابلوں کے مزاج میں مخالفت کی ضد پیدا کی۔ ورنہ اہل میں پوچھنا تو ہمارا اسکا مقصد اور سچا ہادی ملکوں سے زیادہ دلوں کا فتح کرنا تھا۔ جس کے بعد اہل حکام کی بدولت آج بھی ہم باوجود تمام نا انصافیوں اور تمام خرابیوں اور یورپ سے قومی افلاس کے ان مشیون کے مقابل میں بہت زیادہ کامیابی حاصل کر رہے ہیں جن کا لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ تبلیغ کی مدین سمندر وں میں ہر سال ڈوب جایا کرتا ہے

خلفاء اسلام کی قد فرمایا

نمبر ۱۱
ایک تہہ کا ذکر ہے کہ جب امیر المومنین عبداللہ منصور عباسی فریضہ حج ادا کر کے مدینہ شریف میں حاضر ہوئے ہیں اس زمانہ میں ان کی طرف سے وہاں کے قاضی عمر طلحہ یہ نہایت متقی شخص تھے ایک روز ان کی خدمت میں چند دانش والے آئے اور اس مضمون کا دعویٰ پیش کر دیا کہ ہمارے کرایہ کا اس قدر روپیہ امیر المومنین کے

واجب تہ وہ دلا یا جائے قاضی صاحب نے منشی کو حکم دیا کہ امیر المومنین کے نام حکم جاری کرو کہ عدالت میں اس مقدمہ کی جواب دہی کے لیے غلامانِ مارتھ تشریف لاکر جو اب رہی کو رہے۔ منشی نے عرض کیا کہ حضور میں یہ نہیں لکھ سکتا قاضی صاحب نے فرمایا اگر تم نہ لکھو گے تو میں تم کو معزول کر دوں گا۔ مجبوراً بیچارے نے لکھا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے حکم دیا کہ اب اس حکم کی تعمیل کرانیکی لیے جانا ہو گا۔ یہ سن کر اس بیچارے کے ہوش جاگنے لگے۔ اب اس نے مذکور کی چیزیں۔ آخر چار و ناچار وہ دربارِ خلافت میں حاضر ہوا۔ اور ریزہ دربان کو وہ کاغذ دے دیا۔ اس نے امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ اس کو دیکھتے ہی طرے ہو گئے۔ اور حکم دیا کہ اس وقت ہمارے ساتھ ارکانِ دولت میں سے کوئی ساتھ نہ آئے۔ ہم عدالت میں جاتے ہیں۔ صرف بیع کو ہمراہ لیکر امیر المومنین اور القضاہ میں آگئے۔ عدالت میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ امیر المومنین کو لوگ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ اور عرب شاہی سے اوہرادھر ہو گئے۔ قاضی صاحب جیسے نیچے گئے ویسے ہی نیچے رہے اور حکم دیا کہ کرایہ والے مدعی حاضر ہوں۔ جب وہ آگئے اور مقدمہ پیش ہوا۔ جرح کے بعد ان کو ڈگری دیدی۔ بیع نے فوراً کرایہ ان کو دے دیا۔ جب سب لوگ چلے گئے۔ امیر المومنین نے دس ہزار اشرفیان قاضی صاحب کو مرحمت فرمائیں۔ اور ارشاد فرمایا: *حَمْدُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ*۔ یعنی تم کو خداوند تعالیٰ اس وینداری کا اچھا بدلہ دے۔ یہ فرما کر آپ دربارِ خلافت میں واپس تشریف لے آئے۔ آپ ایسے تھے بے لوث قضاہ کو پسند فرماتے تھے۔ چونکہ وہ زمانہ حضورِ سرورِ عالم کے زمانے کے قریب تھا اتوار کی جھلک بادشاہ سے لیکر رعایا تک میں بھی بسط ہے النامی علی۔ یہ مصلو کھ حیدر بادشاہ کے اتوار سے رعایا بھی متقی ہو ا کرتی ہے۔ —

نمبر (۲۰)

حضرت سعید بن سبب آپ خیر الداعین میں سے ہیں۔ آپ میں صبیحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جھلک تھی جس زمانہ میں امیر المومنین ولید بن عبدالمکک الاسوی القریشی نے مسجد نبوی کو وسیع کیا۔ سہارے اور حضرت عمر بن عبدالمطلب بنہ الاسوی القریشی اس کے ہتھم تھے جب عمارت ختم ہو چکی تھی اور امیر المومنین بصرہ میں ملاحظہ مدینہ شریف میں آئے۔ میں

جس وقت مسجد نبوی میں آئے تھے اس وقت حضرت سعید بن مسیب محراب مسجد میں بیٹھے ہوئے وظیفہ میں مشغول تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خیال ہوا کہ میں ایسا نہ ہو کہ امیر المومنین محراب کی طرف سے بیجا یمن اور حضرت سعید بن مسیب کو دیکھیں اور ظاہر ہے کہ وہ مسجد میں تعظیم کے لیے کھڑے ہوں گے اس سے کہیں ان کو تکلیف نہ ہوئے۔ اس خیال سے انھوں نے بہت کوشش کی کہ امیر المومنین حرم نبوی کی چار اطراف کی عمارت ملاحظہ فرمائیں مگر آخر ان کی کوئی ترکیب نہ چلی اور امیر المومنین محراب کے قریب پہنچ ہی گئے اور حضرت سعید بن مسیب کو دیکھ کر ان سے دریافت کیا کہ من هذا۔ یعنی یہ کون شخص ہیں؟ عمر بن عبدالعزیز نے عرض کیا کہ یہ سعید بن مسیب خیر التابین ہیں امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے فرمایا: السلام علیکم یا سعید! انھوں نے بیٹھے ہوئے جواب دیا: علیکم السلام۔ کیا امیر المومنین نے اس کے بعد امیر المومنین آگے کو تشریف لے گئے اور فرمانے لگے: ان بن صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی شان کا ظہور ہو رہا ہے۔ اللہ اکبر! یہ تھی پچھلے زمانہ کے افتخار کی حالت کہ مسجد میں بادشاہ اور عام رعایا میں بالکل مساوات ہوتی تھی۔ ان لوگوں کے دلوں میں خدا کی عظمت کے سوا کسی کی عظمت نہ ہوتی تھی۔

مزدور و شیرہ

از جناب عزیز دہلوی بی اے ایل ایل بی

زخم ڈالے اور بھی جس نے دل پر داغ میں
دیکھتے قدرت بھی کیسی غیر جانبدار ہے
دوسرے کو دم سے ذہنیت جھوٹے کی ہو گئی
آپ ہر طبقہ میں بائیں گے جینے مر جینے

آئی آگ مزدور لڑکی آج میرے باغ میں
حسن کی تقسیم کا بھی کچھ عجیب معیار ہے
ایک کا ہے حسن گر آرائش قصر شہی
الغرض تفصیل اس کی قوم و ملت پر نہیں

کہہ نہیں سکتا ہوا دل پر سرے کتنا اثر
یعنی وہ سن تھا کہا جاتا ہے جس کو لا جواب

ہاں تو اس مزدور و شیرہ کی صورت دیکھ کر
اس کی مٹھی ہو چکی تھی اب ہم آغوش شباب

اس کے اعضا کا تناسب اُسکا جنم و لغو بہ
چھپ سکا بوس کہنے میں نہ حین بمثال
ہاتھ میں زنگ جانتا اور رخ پر غارہ تھا
حقین غلط انداز نظر میں ہر طرف پڑتی ہوئی
بس کہ مشکل تھا بنکھلنا اپنے بار حسن سے
ٹوکر کی مٹی کی لائی سر پہ اٹھلاتی ہوئی
دقتا دروازہ پر آکر اسے ٹھوکر لگی
اس طرح گرنے سے اسکے ہو گیا میں مدح اس
جھاڑ کر ٹون کو اخیر ہو گئی فوراً کھڑی
دیکھنے والی نگاہوں سے جو تھی وہ دہختر
دقتا کر جو دیکھا پڑ گئی مجھ پر نظر
دیکھتے مجھ کو جو دیکھا بے طرح کھب راگئی
ٹوکر کی سر پہ اٹھا کر باغ سے چلتی ہوئی

رہزن ایمان و دین خارت گر صبر و شکیب
آج دیکھا میں نے پہلی مرتبہ گڑی میں لال
انتہا سادگی میں حسن بے اندازہ تھا
اور دل میں دیکھنے والوں کو گڑی ہوئی
ہو رہے تھے پاؤں بے قابو خار حسن سے
ہر قدم سے حشر کا انداز دکھلاتی ہوئی
ٹوکر کی کے ساتھ ہی خود بھی زمین پر گر گئی
اس کے جہر پر گر کر قطعاً تھا کچھ بھی ہر اس
اور گر جانے پر اپنے کھل کھلا کر ہنس پڑی
ایک لمحہ تک رہی استادہ بدختر و خط
دلربا کی کیفیت طاری ہوئی اس سوخ پہ
سکرا ہٹا ان لبوں پر آئی اور شرما گئی
اپنے قدموں سے دل بیتاب کو ملتی ہوئی

جب کبھی آتا ہر جگہ اس پر یوش کا خیال
یعنی یہ لڑکی پریشان خواب کی تعبیر ہے
آہ یہ ہندوستان پہلے کبھی زرخیز تھا
سنے ہیں اس میں کبھی تھی فارغ البالی بہت
یہ سینہ آج سارے دن تو مٹی دھوئے گی
اسکے فرق ناز کو بالمش کی حاجت ہی نہیں
چند پیسے شام کو لے کر جو یہ گھر جائے گی
دوسرے دن کے لئے اُسکو مصیبت ہے وہی
آہ جس کے حسن پر خود محسن کو بھی ناز ہو
عرش سے اتریں فرشتے جسکے دینے اور خراج
جس پر کر دین اہل دولت اپنا سیم و زر تیار

اکی حقیقت کی طرف ہوتا ہر ذہنی انتقال
نکبت و افلاس کی اس دہک کی تصویر ہے
چہ چہ پر مسرت تھا طرب انگیز تھا
اسکے باشندوں کو بھی حاصل تھی خوشحالی بہت
رات کو جا کر کہیں فریش زمین پر سوئے گی
نرم بستر کی اسے گویا ضرورت ہی نہیں
تب کہیں نان جوین اس کو میسر آئے گی
ٹوکر کی سر پر لیے بچہ نے کی محنت ہے وہی
سحر ہو رقتا زمین گھٹا زمین اعجاز ہو
جس کے قدموں پر تصدق ہو شہنشاہ کونج
نکبت و افلاس سے ہونہر نہ گائی اس پر

چشم نظارہ کو جس کے حسن سے ہوا تھا کٹ
پیٹ کو خاطر اسے کرنا پڑے کسب معاش

مشغلہ ہرگز نہ نمایاں بت کم سن نہیں
نور کی سر پر پہلے پھر نیکے اس کے دل میں

(ماخوذ)

شکوہ عشق و جواب سن

مری جان شرح اسرار محبت آپ کیا جانیں
جان میں کیونکر آتی جو قیامت آپ کیا جانیں
جنا کے وقت معنی نہ اکت آپ کیا جانیں
مگر ہو تجھی کمان زلفوں کی نگہ آپ کیا جانیں
شراب عشق کے انداز غفلت آپ کیا جانیں
خدا معلوم کس پر آئی آفت آپ کیا جانیں
شکستہ خاطر یں میں غم کی لذت آپ کیا جانیں
حضور اعجاز جذبہ دل کی قدر آپ کیا جانیں
علاج درد دنیا کی فرقت آپ کیا جانیں
دکھ دیتی ہے جو حالت وہ حالت آپ کیا جانیں
کسی پر آتی ہو کوئی طبیعت آپ کیا جانیں
نگاہ ناز کا حین شرارت آپ کیا جانیں
بدل جاتی ہے جو جس کی نگہ آپ کیا جانیں
رازِ حسن کی دلکش حقیقت آپ کیا جانیں
نہ منہ کھلوا کیے بس رنگ محبت آپ کیا جانیں
کے کہتے ہیں خلوت اور جلوت آپ کیا جانیں

فراق و وصل کی اصل حقیقت آپ کیا جانیں
دل پر درد کے نالوں سے ڈرنا بھی نہیں آتا
رکنا جس کے گلے پر چل کے خنجر پوچھتے اس سے
مگر زینت کسے میں سر سے ہاتھ آج آپ کیا جانیں
سے حسن جوانی سے ہو سہ سجو دیوار کس ہو
شب وصل آپ کے نزدیک وعدہ دلی گوی
برابر شوخیوں کی گدگدی پر ہنسنے سے مطلب
ہمارے غمکے میں آئے کہ نہ کر پوچھتے ہم سے
مریض ہجر ہو کر ہم نے مبتلائی سہجائی
خوار نشہ میں انکڑائی لینے کی ادا دلکش
فریب ناز کی سرگرمیوں کو پوچھتے ہم سے
بوقتِ یخو دی عالم سا عالم ہم نے دیکھا ہے
دم پر ہم مزاجی ہواش ہے کس کو سر پر کیا
سنی اس نے جو یہ تقریر طعن آئینہ بول اٹھا
نہیں زیا سخن سنجی پر ناز اے حمت محشر
جان پہنچے وہاں پڑھنے لگے فوراً کلام اپنا

کلام بے محل سے اہل باطن تنگ ہوتے ہیں
طریقِ بزمِ اربابِ بصیرت آپ کیا جانیں

محشر لکھنؤی

دولگان

مولانا شہر مہم کی یادگار اور کاشف الدلی و تاریخی رسالہ جسے زبان اردو کے علمی حلقوں کی علمی تحریک سے پیدا فرمایا گیا
ایک سال خرمادہ کے بعد گوارہ دوسرے سال کی خریداریوں کو ایک نیا دہلی مفت مذکور جاتا ہے اور دہلی سال اب کے چھ
اور حصول قاک پر ایک روپیہ بارہ آئین بی بی و مان کر دیا جاتا ہے۔ بیچر دگوار گنہ

تصانیف مولانا محمد عبدالمجید صاحب شہر مہم

- | | |
|---|---|
| ۱۔ تاریخ سوانحی اور کچر و غیرہ | ۲۱۔ فردوس بریں۔ بیچر جنت کی بریں |
| ۲۔ حیدر آبادی۔ حضرت عینہ کے حالات | ۲۲۔ قیس لیبی۔ مشہور عاشق و دلہن کی مشہور |
| ۳۔ ابو بکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات | ۲۳۔ بیعت چین۔ محمد صابہ کا تاریخی ناول |
| ۴۔ حسن بن صباح۔ ابی ذرقا طینہ کے حالات | ۲۴۔ مقدس نائین۔ ایک عینہ کا یوپی ناول |
| ۵۔ خواجہ حسین الدین۔ خواجہ ابی جری کے حالات | ۲۵۔ اہل ملک۔ عورتوں کا فوج اور فوج |
| ۶۔ گلہ زنیہ۔ سلسلہ کی ایک عری ناول | ۲۶۔ بوسہ بکیر کامل۔ تاریخی ناول |
| ۷۔ سکنہ بنت حسین۔ جناب سکنہ بنت امام حسین | ۲۷۔ پیام عرب۔ جاہلیت عرب کی کل تصدیق و رد |
| ۸۔ قرۃ العین۔ ایران کا مشہور شہر دی گھاٹ | ۲۸۔ جولہ کے عشق۔ حضرت رسول اکرم کی سوانحی |
| ۹۔ ولادت مسعود عالم۔ علامہ شبلی نعمانی کے حالات | ۲۹۔ نعلین نعلین۔ شہیدین کی انقلابی کائنات |
| ۱۰۔ سیرت امیر المومنین۔ امام علی کے سیرت کے حالات | ۳۰۔ نعلین نعلین۔ شہیدین کی انقلابی کائنات |
| ۱۱۔ سیرت امیر المومنین۔ امام علی کے سیرت کے حالات | ۳۱۔ طاہرہ۔ نہایت دلچسپ ناول |
| ۱۲۔ قانون وراثت اسلام پر روشنا کا ایک کچر | ۳۲۔ جیسا بازار۔ سولہ سو سال کا ناول |
| ۱۳۔ ہندوستان کی سوانحی | ۳۳۔ بیک کی کاچل۔ نہایت دلچسپ تاریخی تصنیف |
| ۱۴۔ ثانی اشین۔ حضرت صدیق اکبر کے حالات | ۳۴۔ القاسم۔ ایک عاشق ناول |
| ۱۵۔ ذی النورین۔ حضرت عثمان کے حالات | ۳۵۔ ایک بکری۔ سلطنت عثمانیہ کے حالات |
| ۱۶۔ ابو نعین۔ حضرت علی کے حالات | ۳۶۔ جین بھیل۔ رومن دوم کی لڑائی |
| ۱۷۔ تاریخ ناول | ۳۷۔ فلور فلور۔ دنیا کے مہنگے ناول |
| ۱۸۔ غزوہ مصر۔ عبدی طویل کا تاریخی ناول | ۳۸۔ ملک الغیر۔ دنیا کے مہنگے ناول |
| ۱۹۔ تاریخ اندلس۔ اسپین کے ناول | ۳۹۔ منصور و ہنا۔ شہزادہ کی ایک ناول |
| ۲۰۔ رومہ الکبریٰ۔ رومن کا ناول | ۴۰۔ شہید وفا۔ شہیدین کے حالات |
| ۲۱۔ مفتوح قلع۔ ایک نہایت دلچسپ ناول | |
| ۲۲۔ فلان۔ افسانہ اور کہانی کا ناول | |

مولانا محمد عبدالمجید صاحب شہر مہم کی یادگار اور کاشف الدلی و تاریخی رسالہ جسے زبان اردو کے علمی حلقوں کی علمی تحریک سے پیدا فرمایا گیا

جسے مولانا محمد عبدالمجید صاحب شہر مہم کی یادگار اور کاشف الدلی و تاریخی رسالہ جسے زبان اردو کے علمی حلقوں کی علمی تحریک سے پیدا فرمایا گیا

مولانا مولوی عبدالحکیم صاحب مہتمم و مفتی
کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر ۱۱ باب اول نمبر ۱۳۱ جلد ۲

مرتبہ

محمد صدیق حسن طبر

بہتنام

خاک حکیم محمد راج الحق مینجراؤ پرنٹ و پبلشر

دلگداز پریس محلہ بزن سگجان مین

چھپ کر شائع ہوا



”ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ البصری النخعی اللغوی“ زبان عرب کے جاننے والوں اور پرکھنے والوں میں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ زمانہ ان کی استاد کو ہمیشہ تسلیم کرے گا۔ اور ان کے فیصلوں اور ادبی اجتہادوں کے آگے بلا لاؤ سب سر جھکائے رہے گا۔ مشہور نامور اسلام قصبہ میں ان کا معاصر تھا۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب معارف میں ان پر کیا اچھا ریلو کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ”کان الخریف اجبار العرب وایکھا عکبر عکبر“ یعنی عربی زبان کے لغات غریبہ اہل عرب کے حالات اور ان کے عہد قدیم کی باہمی لڑائیوں کا حال اُنھیں نہایت تفصیل سے معلوم تھا۔ وہ عبید اللہ بن معریتی کے لڑکوں کے غلاموں میں تھے۔ عہد قدیم کے علما کی سوانح عمری ہمیشہ یہ بتاتی ہے کہ ایک غریب اور کم حیثیت شخص ادنیٰ درجہ سے کہاں پہنچ گیا۔ اور کس گناہی کے گڑھے سے نکل کے کتنے بڑے ناموری کے ایسے پر نظر آیا۔

رجب سنہ ۱۱۷ھ میں اس گران پایہ لغوی نے دنیا میں قدم رکھا۔ ان کے سال ولادت میں اختلاف ہے۔ کوئی سنہ ۱۱۷ھ کوئی سنہ ۱۱۸ھ کوئی سنہ ۱۱۹ھ کوئی سنہ ۱۲۰ھ بتاتا ہے۔ علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ صحیح روایت یہی ہے۔ کہ سنہ ۱۱۷ھ میں پیدا ہوا ہو جس سال حسن بصری نے سفر عالم آخرت کیا تھا۔ مورخین کہتے ہیں کہ امیر جعفر بن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس نے خود ان سے دریافت کیا تھا کہ آپ کس سال پیدا ہوئے۔ انھوں نے جواب دیا مجھ سے

پہلے اسی قسم کا سوال عمر بن ربیعہ مخزومی سے کیا گیا تھا جو اب انھوں نے دیا تھا وہی جواب میرا بھی سمجھ لیجیے۔ انھوں نے بتایا تھا کہ ایک نہایت کبخت مخوس اور بد نصیب رات کو میں پیدا ہوا۔ جس رات خلیفہ ثانی عمر بن الخطابؓ نے انتقال فرمایا۔ اس سے زیادہ مخوس کون رات ہو سکتی ہے کہ اتنی بڑی نعمت دنیا سے اٹھالی گئی۔ اور اتنی بڑی آفت دنیا پر نازل ہو گئی۔ بس تصور کر لیجیے کہ ایک ایسے ہی برس میں پیدا ہوا یہ اشارہ ہے اس جانب کہ وہ برس جس میں حسن بصریؒ نے انتقال فرمایا۔ اور ان کی برکتوں سے دنیا خالی ہو گئی۔

عربی کی وہ بیباگری (سوانح عمری) کی کتاب میں جنھوں نے علماء اسلام کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی سے زمانہ کو مطلع کرنے کا کام اپنے ذمے لیا ہے ان کے صفحات دکھا رہے ہیں کہ ابو عبیدہ کو اگرچہ فن لغت اور فن ادب کی دنیا میں سب سے زیادہ نامور ہی حاصل ہوئی۔ لیکن وہ ایک اعلیٰ درجہ کے محدث بھی تھے۔ عربیت و ادب کے مشہور استاد ہونیس بن جلیب نخوی اور ابو عمرو بن العلاء کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کے در سگاہ فیض سے تعلیم پانے اتنا بڑا فاضل نکلا نہ پیدا ہوا جو ہر زمانے میں زبان عرب کی تحقیق کرنے والوں کا مرجع رہے گا۔ باقی رہا علیہ حدیث جو اس عہد میں ہر شخص کی ترقی علمی کا ایک لازمی ذریعہ تھا۔ اس کے اعتبار سے اس عالمی رتبہ نامور نے ہشام بن عروہ کے ایسے نقاد حدیث اور مرجع ملت اسلامیہ کے آگے زانوئے شاگردی نہ کیا ہے۔ ان بزرگوں کے علاوہ تمام کالمین دہر کی طرح انھوں نے اور بھی بہت سے استاد ان زمانہ کی شاگردی کا فخر حاصل کیا ہے۔ ابتداً ہی سے ان کو زبان عرب کی تحقیق کا ایسا شوق تھا کہ چند ہی روز میں تمام دنیا میں کوئی نہ تھا جو زبان دانی کے اعتبار سے ان کا مقابلہ کر سکے۔ یا ان کے ہم پلہ بتایا جاسکے۔ کچھ اسی زمانہ پر منحصر نہیں ہے۔ آج تک تمام ماہرین لغات عرب اور کالمین فن ادب ان کے قول کو فیصلہ ناطق تصور کرتے ہیں۔ ان کی سند پاکے ہر مدعی اور ادیب کو سکوت

کرنا پڑتا ہے۔

یوں تو ساری دنیا جو ان کے بعد ہوئی ہے جس حد تک وہ زبان عرب کی طرف توجہ کرے ان کی شاگردی لیکن قرون سابقہ کے بہت بڑے بڑے نامی گرامی اور جلیل القدر علماء و فضلا کے نام ان کے شاگردوں کی فہرست میں نظر آئیں گے۔ علی بن مغیرہ اشرم۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام۔ ابو عثمان مازنی۔ ابو حاتم سجستانی۔ عمر بن شبہ فیری۔ ابو عمرو صالح بن اسحق جرمی۔ ان کے تلامذہ میں ہیں۔ اصمعی باوجود اُس شہرت و ناموری عظمیٰ کے جو اسے حاصل ہے۔ ذوق ادبیت و انشا پرورداری میں ان کا ادنیٰ شاعر سے حسیل ان شاعر جو انہی الوا لغز می اور تاجدار می کے علاوہ دنیا سے علم کا بھی ایک لائق نمبر مانا گیا ہے وہ بھی فن ادب میں ان کے بارغ افادت کا خوشہ چین اور ان کے حلقہ درس کا ایک معمولی طالب علم تھا۔ ریشہ ان کی تمام تصانیف کو خود ان کے سامنے شاگردانہ ادب سے پڑھا تھا۔ ابو نو اس شاعر جس کی شاعری کا چرچہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور جس کی حاضر جوابیاں صحبتیں لطف و مسرت میں ہمیشہ مزہ دین گی اُس نے بھی ان کے بارہ علی بن ایک صہ تک حاضر کیا دی ہے۔ اور ان کا ایک ابوی شاگرد ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ ان کی نسبت اپنا نہایت قوی اور راسخ اعتقاد ظاہر کیا کرتا تھا۔ اگرچہ اپنی رائے میں وہ اپنے اور استادوں کو ان پر ترجیح دیتا تھا۔ چنانچہ ایک بار اُس سے لوگوں نے پوچھا ”اصمعی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟“ ”بلبل فی فقس“ یعنی ایک بلبل اسیر ہے۔ پوچھا ”خلف الاحمر کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟“ ”بولا“ ”جمع علوم الناس و فہما“ یعنی تمام لوگوں کا علم اُس نے اپنی ذات میں جمع کر لیا اور اس کو خوب سمجھا پھر دریافت کیا ”اچھا بتائیے ابو عبیدہ کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں؟“ ”کہنے لگا“ ”ادیع طوننی علی علیہ“ یعنی ایک کھال ہے جسے صرف عقل و دانش پر لپیٹ دیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک مرتبہ اور بھی ابو نو اس نے ان پر اپنی شاعرانہ نازکی خیالی کے بموجب ریو یو کیا ہے لوگوں نے آگے اس سے کہا ”بارون ریشہ نے

ابو عبیدہ اور اصمعی کو بلا یا جو تاکہ دونوں کا مقابلہ کرے۔ اور جس کو زیادہ
لاؤن یا اسے اپنی صحبت کے لیے منتخب کرے یہ سن کے ابو نواس کہنے لگا
”ما ابو عبیدہ حاتمہ من اہل ائمتہ و اولادہ و اولادہ و اولادہ و اولادہ
و اما الا صمعی فنبی بطاہرہ“ یعنی ابو عبیدہ اگر انھیں موقع
دیا گیا تو انگلیوں اور پھلوں کی ساری داستانیں کہہ سکتا ہیں گے۔ اور اصمعی
ایک قبل ہے جو اپنے دلکش نعروں سے محفوظ کر دے گا۔

ابو نواس کا یہ رویہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نہایت صحیح اور بالکل
سچا ہے۔ باوجود ان تمام کمالات کے جو علم ادب و فن انشا پر داری اور تحقیق
و نقد زبان عرب کے متعلق ہیں۔ ابو عبیدہ میں یہ بہت بڑا نقصان تھا کہ تقریب
کرنے کی قوت نہ تھی۔ ہر مطلب چاہے کتنا ہی عمدہ اور بے مثل ہو مگر ابو عبیدہ
اسکو جیسا کہ چاہیے ادا نہ کر سکتے تھے۔ بخلاف اصمعی کے کہ اس عجیب و غریب شخص کا
کمال یہی تھا کہ چاہے کیا ہی غیر قابل التفات بلکہ مبتذل خیال ہو اس کی
زبان سحر ناما سے ادا ہوتے وقت ایسا لطف پیدا کر لیا کرتا تھا کہ سننے والے از خود متہ
اور محو ہو کے لطف ہوجاتے تھے۔ چنانچہ اس بنا پر علامہ باہلی اکثر کہا کرتے تھے
”طالبان علم جب اصمعی کی محفل میں آتے ہیں تو ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے
کہ گویا مینگینوں کو موتیوں کے بازار میں خریدتے ہیں اور جب ابو عبیدہ کی
محفل میں آتے ہیں تو گویا موتیوں کو مینگینوں کے بازار میں بول لیتے ہیں
اس لیے کہ اصمعی مہل اور مبتذل باتوں کو بھی عجب لطف کے ساتھ بیان کر جاتا
تھا۔ یہاں تک کہ اس کی زبان سے بڑی بات بھی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ باوجود
اس کمال سحر بانی کے اس کی صحبت میں نادمہ بہت کم تھا۔ اور ابو عبیدہ اگرچہ
ان کی تقریر کے الفاظ نہیں اچھے ہوتے تھے مگر ان کی باتوں میں فائدہ
بہت کچھ مرتب تھا۔“

خود ابو عبیدہ ایک موقع پر اپنا تذکرہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں میں
بصرہ میں تھا میرے نام قنصل بن ربیع وزیر بار و نرشد کا فرمان آیا۔ جس کے
ذریعہ سے مجھے دار السلام بغداد میں حاضر ہونے کی ہدایت کی گئی تھی۔ میں نے

فورا تعمیل کی اور بغداد میں حاضر ہوا۔ وزیر موصوف کے دربار میں گیا۔ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس میں پورا ایک فرش نہایت حسن و خوبی سے بچھا ہوا تھا۔ صمد بھام پر ایک بہت بڑی منہ بکھی تھی۔ اور وہ اتنی اونچی تھی کہ بغیر کسی پیرچہ سے کوئی شخص اس پر نہیں جاسکتا تھا۔ اس منہ بکھی وزیر اعظم جلوہ آفر دے گئے۔ میں نے حاضر دربار ہو کے وزیر کے آداب کے ساتھ سلام کیا اور وزیر اعظم مجھے دیکھ کے مسکرایا اور اپنے اور نزدیک بلایا۔ میں قریب گیا تو اپنے پہلو پر مجھے بٹھا لیا اور نہایت لطف و مہربانی سے پیش آنے لگا۔ اس کے بعد کہا، ”عرب العرب کا کچھ کلام سنائیے“ میں اچھا شعرا پڑھے تو سن کے کہنے لگا یہ اشعار تو مجھے بھی یاد تھے۔ انیس کلام سنائیے جس کے سننے کا مجھے اس وقت تک اتفاق نہ ہوا ہو“ میں نے پھر بہت سے منتخب اور عمدہ اشعار عرب قدیم کے سنائے تو سن کے وجد میں آگیا۔ اور میری نہایت تعریف کرنے لگا۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا جو منشیوں کی وضع میں تھا۔ اور نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ وزیر نے اس کی تعظیم کی اور اس کو میرے برابر بٹھا کے اس سے پوچھا (میری طرف اشارہ کر کے) ”آپ کو بھی آپ نے پہچانا؟“ اس نے جواب دیا، ”ہنیں“ وزیر ”آپ بصرے کے علامہ زمان ابو عبد اللہ ہیں آپ کو میں نے تکلیف دے کے بصری سے بلایا ہے تاکہ آپ کے کمالات علمی اور آپ کے ذہن رسالے فائدہ اٹھاؤں“ یہ سن کے وہ شخص وزیر اعظم کی قدر دانی اور علم دوست ہونے کی تعریف کرنے لگا۔ اور میری طرف متوجہ ہو کے کولہ ایک عرصہ سے میں آپ سے نیاز حاصل کرنے کا مشتاق تھا۔ الحمد للہ کہ آج یہ آرزو پوری ہوئی۔ مجھے ایک امیر آپ سے مل کرنا ہوا اگر اجازت ہو تو عرض کر دوں تاکہ اس شبہ کا کافی جواب مل جائے۔ میں نے کہا فرمائیے ”مجھ سے اجازت پا کے کہنے لگا“ دوزخ کے درخت تو قوم کے بارہ میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے ”كَانَ ذُو نُوْرٍ مِّنْ الشَّجَائِرِ“ گو یا شیطانوں کے سرہن تشبیہ تو کسی ایسی چیز سے چاہیے جو خارج میں محسوس ہو شیطانوں کا سرکس نے دیکھا ہے جو سمجھ کا“ میں نے کہا ”اللہ جل شانہ اہل عرب کی اصطلاح میں باتیں کرتا ہے ام القیس کا مصرع ہے ”وَمَنْ لَّيْلٌ زَوْجٌ لِّكَ نِكَاحٌ اَعْوَالٍ“ اور تیرائی رنگ کا جیسے غولوں کے دانت ہوں کس نے اگیا بیتال کے دانت دیکھے ہیں لیکن تشبیہ سے

مراد صرف اسکا بھائی بن دکھانا ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں میں نے جو یہ تقریر بیان کی تو وزیر کو اور نیز اس شخص کو اتنا سے زیادہ مسرت ہو گئی اس روز سے میں نے ارادہ کر لیا کہ ایک کتاب قرآن مجید کی تفسیروں اور مجازات کے بابت لکھوں۔ تبصرہ جانے کے بعد میں نے وہ کتاب مرتب کر لی اور اس کا نام کتاب المجاز رکھا۔

اسی طرح ابو عبیدہ اپنی ایک اور روایت بیان کرتے ہیں کہ اتفاقاً ایک روز راکڈز ابن ربیع کی محفل میں ہوا۔ فضل نے جیسی ہی میری صحبت دیکھی پوچھا ”بتائیے تمام شعراء عرب میں سب سے بڑا فضل کون ہے؟ میں نے کہا ”راعی“، اس نے سند پوچھی تو میں نے اس کا ایک قطعہ پڑھا جو اس نے سعید بن عبد الرحمن اموی کی شان میں کہا تھا۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ راعی ایک مرتبہ سعید کو رکے پاس گیا تھا سعید نے بے پریشی اور بے کسی قسم کے پس و پیش کے اس کو بہت کچھ نقد و جنس دے ڈالا۔ راعی وہاں سے اپنے قبیلہ میں گیا۔ اور سعید کی فیاضی کی سب کو خبر کی۔ اور وہ قطعہ تصنیف کیا۔ ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ میری اس رائے سے فضل نے اور تمام لوگوں نے اتفاق کیا۔ اور تسلیم کر لیا کہ بیشک جیسی مدح راعی نے اس ایک مختصر قطعہ میں کر دی ہے ویسی کوئی اور شاعر بڑے بڑے قصائد میں نہ ظاہر کر سکا ہو گا۔ چونکہ اس قطعہ کا حسن ترجمہ سے بالکل نہیں ظاہر ہو سکتا۔ لہذا ہم اس کا نقل کرنا غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔

اصمعی کو اگرچہ ابتداءے ایام میں ان کے تلمذ اور ان کے باغ علم سے خوشہ چینی کی عزت حاصل تھی۔ لیکن وہ ان کا معاشرہ مانا گیا ہے۔ اس لیے کہ قدردان ازانے اور کتبہ بنج خلفاء اور اہل دولت نے اس کو بھی نہایت اعلیٰ نامور کیا اور کامیابی کے درجہ پر پہنچا دیا تھا۔ خصوصاً سوجہ سے کہ اسکی بذلہ سخاوت اور لطیفہ گوئیوں نے ایک زمانہ کو اس کا دل و شہانہ دیا تھا۔ انھیں مرتبوں نے ضرور اس کے دل میں بھی معاشرت کا خیال پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ خود بیان کرتا ہے کہ فضل کی صحبت میں ایک مرتبہ میں بھی تھا اور ابو عبیدہ بھی موجود تھے۔ باتوں باتوں میں فضل نے میری طرف دیکھ کے کہا گھوڑے کی ہجائے کے متعلق تم نے کتنے فرس نامہ لکھے ہیں۔ میں نے کہا ”ایک جلد“ اس کے بعد ابو عبیدہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا ”آپ نے کتنے لکھے ہیں“ انھوں نے جواب دیا کہ ”میں نے پچاس

جلدین اس بار سے میں لکھی ہیں یہ سن کے فضل نے ایک عمدہ گھوڑا انگویا اور ابو عبیدہ سے کہا: تکلیف کر کے ذرا اس گھوڑے کو دیکھیے اس کے تمام اعضا و جوارح کے نام بتائیے۔ اور حسن و عیب سے مطلع فرمائیے۔ ابو عبیدہ نے کہا: میں کچھ سلوتری تو ہوں نہیں۔ اور میں نے اپنی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اس کو اس سے کوئی تعلق بھی نہیں۔ میں نے تو گھوڑوں کی قسموں کی بابت اشعار عرب میں سے جو کچھ یاد تھا لگے ہیں ان کو جمع کر دیا ہے۔ یہ سن کے وزیر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا: اچھا آپ جائیے۔ اور اگر آپ کو خبر ہو تو آپ ہی بتائیے۔ میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ جا کے گھوڑے کی پیشانی کے بال بکریلے اور ہر عضو کے نام اور ان کے محاسن و معائب بیان کرنے لگا۔ اور نیران کے متعلق کلمات و ابیات عرب سے جو کچھ یاد تھا اسکو بھی سنا شروع کیا۔ فضل یہ دیکھ کے مجھ سے بہت خوش ہوا۔ اور وہ گھوڑا ان مجھی کو دیدیا۔ اس کے بعد جب کبھی میرا جی چاہتا تھا کہ ابو عبیدہ کو ذرا چھیڑوں اور چٹھاؤں تو اسی گھوڑے پر سوار ہوا کرتا تھا۔

اگرچہ اس روایت سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اصمعی کی واقف کاری نے ابو عبیدہ کو ایک دربار میں ترک دیدی۔ لیکن اس امر کو زمانہ بھلا نہیں سکتا کہ ابو عبیدہ نے مجرد علمی حیثیت سے اسی ام کے متعلق پچاس جلدیں لکھوائی تھیں اس زمانہ کے علما کے تمام کمالات صرف خیالی عالم میں رہا کرتے تھے۔ لہذا علمی دربار میں جو وقعت ابو عبیدہ کی ہو سکتی ہے وہ اصمعی کو ہرگز نہیں نصیب ہو سکتی۔ اگرچہ اس نے ایک وزیر کے دربار میں کامیابی حاصل کر لی۔ یہ خیال ہمارا ہی نہیں ہے۔ اس عہد کے لائق لوگوں میں یہ خیالات موجود تھے۔ اور ان کے دل میں جو وقعت ابو عبیدہ کی تھی وہ بہت کم کسی اور کی تھی۔ چنانچہ اسخی بن ابراہیم موصلی نے فضل کی طرف خطاب کر کے دو شعر کہے تھے جن میں ابو عبیدہ کی تعریف اور اصمعی کی توہین کی تھی۔ وہ کہتا ہے: —

”مَنْ لَكَ ابْنُ عَبِيدَةَ وَأَصْطَنْعَةُ فَادَّاءَ الْعِلْمَ عِنْدَ ابْنِ عَبِيدَةَ“

یعنی اسے وزیر تو ابو عبیدہ کی صحبت اختیار کر اور اس سے فائدہ حاصل کر۔ اس لیے کہ علم ابو عبیدہ ہی کی ذات میں ہے۔

وَقَدْ لَمَّ وَأَنْشَرَهُ عَلَيْهِ وَدَعَا عَمَلُ الْقُرْبَانِ مِنَ الْقُرْبَانِ

اور اس کو سب پر مقدم جان اور اختیار کر اور اس بندہ کی ادلاؤ کو جو خود ہی

بندر سے چھوڑ دے۔ یہ چوٹ تھی صنعتی پر کہ اُس میں مذاق اور تسخیر کا مادہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔

ابو عبیدہ کی ناز اور عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں۔ مشہور ہے کہ ابو عبیدہ نے لوگوں کا دل ٹوکھانے اور اپنے معاملوں پر حملہ کرنے میں اکثر سبقت اور زیادتی کی ہے۔ یہ خیال اکثر شعرا میں ہوتا آیا ہے۔ اور انھوں نے لوگوں کی دل شکنی میں بار بار یاد تازہ کیا ہے۔ چنانچہ ابو عبیدہ کا بھی یہی حال ہے بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی عزت پر ان کا ظالمانہ ہاتھ نہ پور چل گیا ہو۔ حتیٰ کہ صمصامی صاحب بھی باوجود اپنی شیدا بیانیوں اور زبان اور یوں کے اُن نئے نام سے لرزتے تھے۔ درس دینے یا فائدہ رسانی کی غرض سے جب مسجد بصرہ میں آتے تھے جو ان ابو عبیدہ موجود ہوتے تھے تو ڈر کے اس دم نہ اُرتے تھے اور خاموش بیٹھ رہتے تھے۔ مجال کیا کہ کوئی لفظ بھی زبان سے نکال سکیں یا کسی قسم کا شک ظاہر کر سکیں

ابو عبیدہ کی برہم مزاجیوں نے اگرچہ بہتوں کو ان کا شاکی و دشمن بنا دیا مگر یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ ان میں کسی قسم کی بدعتی تھی۔ اسکی صلیبت یہ ہے کہ وہ آزاد مشرب اور آزاد منش شخص تھا اور جو خرابی یا فطری نظر آجاتی تھی یا جو لطیفہ سوچو جاتا تھا اس کو بغیر نگ صحبت کا لحاظ کیے بے تردد اور بلا تاملی کہہ گزرتے تھے۔ اس طبیعت کے لوگ اکثر ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں اور ان کی نسبت باوجود اسکے ان کی مکتہ جینیوں کے ہر شخص ڈرتا تھا دنیا کا عام خیال چھار ہاتھ اور بیساک ان کے عہد میں بھی ان کی یہ آزاد مشربی قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی۔ مشہور رُوسا اور بعض ذمی اختیار لوگوں پر انھوں نے اس بے تکلفی سے حملہ کر دیے کہ سن کے تعجب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسکے صلہ میں ان سے کوئی بد خلقی کا برا کبھی نہیں کیا گیا۔ موسیٰ بن عبد الرحمن ہلال سرزمین فارس میں ایک نامور رئیس تھے۔ ابو عبیدہ نے ایک زمانہ میں ادھر کا سفر کیا اور ان کے مہمان ہوئے۔ موسیٰ ان کی نازک مزاجیوں سے خوب واقف تھے۔ انھوں نے اپنے خدام اور غلاموں کو بلا کے تاکید کر دی کہ یہ آدمی بڑے نازک مزاج ہیں۔ دیکھو ان کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔ ہر وقت دست بستہ حاضر رہنا اور اس کا بھی خیال رکھنا کہ تم سے کسی قسم کی بد خلقی یا بد ہمتی ان کے سامنے نہ ظہور میں آئے۔ البتہ ہو کہ تمہارا بے وقوفی اور بد ہمتی سے میری بے وقوفی ہو جائے۔ سب نے عرض کیا کہ ہم کسی امر میں حصہ کی مرضی اور حضور کے اشارہ کے خلاف نہ کریں گے۔ موسیٰ کی ہمتی

اول سے آخر تک ان کی ایسی خاطر و مدارت ہوئی اور اس شائستگی و تہذیب سے
 بتاؤ کیا گیا کہ انھیں کوئی موقع نہ ملے چینی اور حسب عادت چوٹ کا نہ ملا۔ ہوتے ہوتے
 ایک روز موسیٰ اور یہ دونوں دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ غلام برابر کھانا لالا کے چیتے
 جاتے تھے اتفاقاً ایک غلام کے دامن پر گوشت کے پیالے سے ذرا سا شور باگر پڑا
 وہ ذرا متفکر سا ہوا۔ اور موسیٰ نے چھوٹے ہی کہا "کوئی تشویش کی بات نہیں اس
 ایک کپڑے کے عوض میں تجھ کو دس کپڑے دیں گے۔ اب بعدہ صاحب کو اس موقع
 پر خاموش نہ رہا گیا۔ گوشت میں کھی بہت کم تھا۔ آپ نے اس کی شکایت ظاہر کرنے کا
 موقع پایا۔ چھوٹے ہی بولے "موسیٰ صاحب آپ کو اس قدر زیادہ فیاضی اور
 ایسے معاذنے کی ضرورت نہیں۔ اسے کہتے کیوں دیجیے اس لیے کہ کچھ شور بے میں کھی
 تو ہر ذہن جو چھوٹنے میں وقت نہ پاسانی و بعدہ مٹ جائے گا۔ یہ سن کر موسیٰ کے
 چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ پچاس خاموش بیٹھے رہے۔ اور صرف پاس و لحاظ سے دم
 نہ مارا۔

شاید اسی ناراضی عام کی وجہ سے ایسی اور وجہ سے (واللہ اعلم بالصواب)
 اکثر علماء کے خیالات ان کی طرف سے اچھے تھے۔ بعض بعض لوگوں نے انھیں متہم
 کیا ہے کہ امر بدست تھے۔ اور لوہٹا میں مبتلا رہتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان
 کے عقائد میں فتور تھا۔ اور خوارج کی طریقت میدان کرتے تھے۔ ان دونوں الزاموں کے
 ثبوت میں بعض واقعات بھی پیش کیے گئے ہیں۔ جن کو اختلاف کی وجہ سے ہم چھوڑ
 دیتے ہیں۔

ابو حاتم سجستانی کا بیان ہے کہ باوجود اس فضل و کمال کے ان کی زبان پر
 گویائی کا مادہ اس قدر کم تھا کہ اکثر شعر پڑھتے تو وزن اور بحر سے ٹھیک۔ اور اگر کچھ
 تھے۔ جا بجا کہتے ہوتے تھے۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ کبھی کسی بحر میں
 جارہے۔ قرآن مجید اور حدیث پڑھتے تھے تو عدا کا گاکے اور نامناسب طریقہ سے خزان
 میں اعراب کی رعایت ہوتی تھی۔ علاوہ برین ذرا زبان بھی مولیٰ تھی۔ چنانچہ بعض حدوت
 اپنے مزاج سے ادا نہ ہو سکتے تھے۔ مگر ہمیں اس سے غرض نہیں۔ ہم ان کی تصانیف اور
 ان کی تحقیقات سے نفع اٹھا رہے ہیں۔ ان کی درشت مزاجیان ان کی لکھتے اور سن

کی تمام چیزیں ان کے ساتھ قبر میں چلی گئیں۔

ایک روز اپنے خاص مستقر بصری میں محمد بن قاسم نوشجانی کے پاس گئے انھوں نے کچھ کیلے کی پھلیاں سنگوڑا کے سامنے رکھ دیں اور کہا ”لحجے نوش فرمائے“ بے تکلفی میں انھوں نے دو تین کیلے کھالے۔ خدا جانے کس حالت میں اور کس وقت کیلے کھائے تھے کہ کھرجا کے بیمار پڑ گئے۔ اور ایسے بیمار ہوئے کہ صاحب فراش ہو گئے۔ انھوں نے مرض ہی مرض سمجھا۔ تدریجاً علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر ۹۰ سالہ یا ۸۰ سالہ یا ۷۰ سالہ میں علی اختلاف الروایات انتقال کیا۔ اللہ جل شانہ نے ان کو عمر بھی بہت وسیع دی تھی۔ قریباً قریب پورے سو برس کی عمر پائی۔ اہل بصرہ ان سے ایسے ناراض تھے کہ ان کے جنازے پر کوئی نہیں آیا۔ آخر چند لوگوں کو اجرت دی گئی کہ انھوں نے پچھتر ویکھیں کر کے دفن کیا۔

ان کے مرنے کے بعد مشہور شاعر ابوالقاسم ایک مرتبہ محمد بن قاسم نوشجانی کے پاس گئے محمد نے چند کیلے ان کے سامنے بھی لاکے رکھ دیے۔ ابوالقاسم نے کہا ”معاذ یکھ۔ یہی کیلے کھلا“ ایک بار ابوعبیدہ کو آپ مار چکے ہیں۔ کیا اب میری تدبیر لگائی ہے؟“
ابوعبیدہ کی تصانیف کا شمار دوسو کتابوں کے قریب ہے۔ علمائے امامیہ میں سے شیخ زین الدین شہید زانی کہتے ہیں کہ احادیث کے لغات غریبہ کے متعلق پہلے جس نے کوشش کی وہ بعض کے نزدیک انصربن شمس ہیں۔ اور بعض کے نزدیک ابوعبیدہ نقوی۔ اس فن کی اولیت کا تاج انھیں دو عالموں کے سر پہ ہے۔

اولیور گولڈ اسمتھ

سلسلہ کے لیے دیکھ صفحہ ۱۵۳

۱۸۷۶ء میں ”رومن ہسٹری“ اور سال بعد ”ایٹلی میڈ کریشن“ شائع ہوئیں۔ اور ان دونوں کتابوں کی فروخت سے معقول آمدنی ہوئی۔ لیکن بعض خراب عادتیں اس کی لاعلاج ہو چکی تھیں۔ اور اس کی عمر کہ گھٹا رہی تھیں اب وہ واقعہ اسکی خانی تاریخ کو متعلق بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) ستمبر ۴ میں اس کے بھائی ہنری نے اس جان سے رحلت کی۔
 (۲) اس کی جان بچان ایک خاتون پر بحال مسماۃ جیمی براڈ سے ہو گئی۔
 اس خاتون نے جو ڈیولا شائر کی منس ہو مک تھی ایک خیال اولیور کے
 دل میں پیدا کر دیا۔ اور اس خیال کی نسبت نکتہ چینوں نے مختلف رائے میں ظاہر
 کیں۔ بعض کی تو یہ رائے ہے کہ وہ خیال ایک خیال ہی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ
 اس خیال کو اس خاتون کے حسن و جمال اور قابلیت سے بہت بڑا تعلق تھا
 اس نے گوڈ اسمتھ کی خوش مزاجی پر بہت بڑا اثر ڈالا۔

ستمبر ۶ میں گوڈ اسمتھ پھر میدان شاعری میں ظاہر ہوا "ڈیزرڈ وچ" کی
 شہرت "ڈیزرڈ وچ" سے کہیں بڑھتی ہوئی تھی۔ ۲۶ مئی سنہ ۱۸۷۰ء کو اس
 کی اشاعت ہوئی۔ اور دسویں اگست کو پانچویں بار اس کی جلد چھپی اور شائع
 ہوئی۔ اس اشاعت کے بہت عرصے عرصہ کے بعد گوڈ اسمتھ منس ہو مک کے
 ساتھ مع اجاب کے عیش و عشرت کی فرض سے پیرس کو روانہ ہوا۔

اولیور گوڈ اسمتھ کی پہلی نظم دوسری سے ایرٹ (قابلیت) میں کم
 تھی اور اس کا دوسرا پلے پہلے سے بڑھا ہوا تھا۔

۱۵ مارچ ۱۸۷۱ء کو اس کا تصنیف کیا ہوا "اشا" شعی اسٹوپس ٹو کا کٹر
 تھینر میں کیا گیا۔ اور میجر کو لین کی پیشین گوئی صحیح ہوئی۔ اور ڈاکٹر جانسن کی امید
 برآئی یعنی اس پلے میں خوب کامیابی ہوئی۔

ڈاکٹر جانسن اس پلے پر نکتہ چینی کرتے وقت لکھتا ہے: "کئی برس سے کسی
 کامیڈی (وہ نقل جس کے انجام میں خوشی کی خبر نکلتی ہو) نے حاضرین کو اس قدر
 محظوظ نہیں کیا جتنا کہ اس پلے نے"

مصنف کی تنگدستی کی حالت روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ وہ بڑے حد
 مشکلات میں پھنسا ہوا تھا۔ اور اس کا جسم روز بروز زہر و نہر قہقہہ ہوتا جا رہا تھا۔ امید
 تھی کہ تاج برطانیہ کی طرف سے کچھ حقوق سی سی پلشن مقرر ہو جائے گی۔ لیکن افسوس
 ہے کہ یہ امید پوری نہیں ہوئی۔

گوڈ اسمتھ کے خصائل اور عادات اس قسم کے تھے کہ اس کی نسل آگے کو نہ چلی

۴۴ سالہ کے شروع میں قرض سے بہت گران بار ہو گیا۔ اور ایک پرانے مقامی عارضہ نے اسے آگے بڑھتا رہتی میں روز بروز فرق آتا گیا اور ۲۵ مارچ کو تو وہ ایسا بیمار اور صاحب خراش ہو گیا تھا کہ اس سے کلب میں کسی طرح نہ آیا گیا۔ بڑے بڑے اطباء کا ذاتی طلب ہوا۔ انھوں نے اعصابی بخار و بخار ہو گیا۔ روز بروز حالت ابتر ہوتی گئی اور آخر کار ۱۱ اپریل سنہ مذکورہ کو ڈاکٹر ادیور گولڈ اسٹیم کی روح نے جس نصیب سے پر وانا لیا۔ بعد انتقال کے ان لوگوں نے اس کا بہت بڑا کام کیا جو زمانہ زندگی میں اس کے خیال رکھے۔ جانسن کو بہت حد تک ہوا جس نے اسکی وفات کی خبر سن کر آنسو بہا۔ سر نیالڈس نے اس رنج میں اس روز نقاشی نہیں کی۔ دلیر شیل ہرج یارو میں دفن ہوا۔ مہر ایسٹن مہر ایسٹن نے یادگار کا پتھر نصب کیا۔ جانسن کا کتبہ ہے۔

اس کی تصانیف کی قدر روز بڑھتی گئی۔ دکار آت و گینڈا و مڈل و ڈیوڈ مڈل و غیرہ وغیرہ اس کی یادگار اور نوہ خوان اب بھی اسی قدر کی نگاہ سے دیکھ جاتی ہیں۔

سابع فن طباعت

انسان کی جب یہ خواہش پوری ہو چکی کہ وہ اپنی آوازوں کی علامات مفہم کرے تاکہ اسکی غیر حاضری میں دوسروں پر اس کے خیالات ظاہر ہو سکیں یعنی جبکہ وہ فن تحریر ایجاد کر چکا تو روز افزون ترقی کرنے والے زمانہ نے اسے یہ حق کیا اور یہ فکر و امنیکہ ہوئی کہ اب کوئی طریقہ نکالنا چاہیے کہ جس سے تحریر کی محنت میں کمی ہو اور خاص کر اس صورت میں جبکہ ایک ہی خیال کی اشاعت کے لیے بہت سی تحریروں کی ضرورت ہو۔ موجودہ فن طباعت کے محرک کا ہی خیال تھا۔ ایجاد نقاشی نے اس کے خیال کو اس طرف رجوع کیا کہ اگر وہ لکڑی کے حروف کی صورت کندہ کر کے ان کے نشانات کسی ذریعہ سے کسی چیز پر سے

لے سکے تو اس سے وہ ایک ہی تحریر کو بار بار لکھنے کی زحمت سمجھ جائے گا۔ اور اس طرح اس کا وقت بھی بہت کم صرف ہو گا۔ چنانچہ ابتدائ میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ لکڑی پر عبارت کندہ کی گئی۔ لیکن بہت جلد اس کا خیال اس طرف رجوع ہوا کہ لفظ کو کندہ کرنے کے بجائے ہر حرف لکڑی کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر کندہ کیا جائے اور پھر حرفوں کو جوڑ کر لفظ بنالے جائیں۔ چنانچہ تمام وکمال حروف ابجد اس طرح طیار کر لیے گئے۔

اکثر ایجادات ہندوستان کی گذشتہ عظمت کا مین ثبوت ہیں۔ اور مصر و ایران و عرب کا چکر لگاتی ہوئی یورپ اپنی اپنی۔ لیکن اس ایجاد کا سہ اولیٰ کے مرتبہ موجودہ تحقیقات بتاتی ہے کہ لکڑی کے حروف چند سوین صدی اور اس سے قبل زائج تھے۔ لیکن لکڑی کی ناپائیداری نے جان کشن برگ نامی جرمن کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ حروف بنائے چنانچہ اس نے لکڑی کے سانچے بنا کر اس میں حروف ڈھالے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کشن برگ نے سنہ ۱۷۹۶ء اور سنہ ۱۸۰۶ء کے درمیان یہ ایجاد کی۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ کشن برگ سے پیشتر نہیں تو اسی کے زمانے میں بھی حروف ڈھالے گئے۔ یہ شہادت کاوژن کشن برگ کے دعوے کی تائید کرتا ہے۔

کشن برگ کی ابتدائی زندگی کے حالات پہلا علمی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ لیکن کیا جاتا ہے کہ وہ سنہ ۱۷۹۶ء یا سنہ ۱۸۰۶ء میں شہر میٹز میں پیدا ہوا۔ اور اہل یورپ کے مروجہ طریقہ کے خلاف یعنی باب کا خاندانی نام اختیار کرنے کے بجائے ان کا خاندانی نام اختیار کیا۔ اور سنہ ۱۸۰۶ء میں اسٹراس برگ میں مقیم تھا۔ سنہ ۱۸۱۰ء میں ایک تھوڑے عرصے کے دوران میں یہ راز کھلا ہے کہ وہ مخفی طور پر کسی بات کا تجربہ کر رہا ہے۔ اس تجربہ کی تکمیل کے لیے اس نے لکڑی کے آلات بنائے ہیں۔ اس کے آلات جو اب تک اس کی کہ لکڑی کے چار ٹکڑے جو بریس (یعنی چھپنے کی گئی) میں لپٹے ہوئے ہیں۔ انہیں کر دیے جائیں یا کم سے کم ان کو الگ الگ کر دیا جائے تو انہیں کوئی دیکھنے نہ پائے۔ اس نے ان چاروں ٹکڑوں سے بریس نہیں بنایا تھا بلکہ ان کے بارے سے ایک آلہ بناتا تھا جس میں حروف ڈھالے جاتے تھے اور یہی سوچ و مشابہی ایجاد کا آغاز ہے۔

ہمان پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ تنگ خیالی صرف ایشیائیوں ہی کا حصہ نہیں ہر ملکہ اگر تحقیقات کی جائے تو معلوم ہو گا کہ دنیا کی تمام اقوام اس مرض میں گرفتار رہ چکی ہیں۔ اگر ایشیا کے ہزاروں اہل کمالات کے کمال زندگی بھران کے سینے میں مخفی رہے اور ان کے ساتھ ہی زیر زمین دفن ہو گئے تو اور ممالک میں بھی ایسا ضرور ہوا۔ گنن برگ کی درخواست اس کا ثبوت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طبع انسانی اکثر صورتوں میں کمیان واقع ہوئی ہے۔ ہوس تفوق اس کا ایک خاصہ ہے جس چیز کی نسبت اس کا خیال ہوتا ہے کہ اس کی ذات میں اس کا وجود اسے اور دن سے بلند تر سطح پر پہنچا دیتا ہے۔ اسے وہ اور دن کی ذات میں نہیں دیکھ سکتی کیونکہ تعمیم تفوق کی جڑ کاٹ دیجیے اور یہی خیال اسے بجلی کی طرف مائل کرتا یا بلحاظ دیگر واقعہ تعمیم ہوتا ہے۔

جان فٹن نامی ایک سنار و پیہ قرض دکر گنن برگ کی ہمت افزائی کیا کرتا تھا۔ اس سنار نے ایک بار گنن برگ پر اپنے روپیہ کے لیے تالش کی اور عدالت نے اسے مطبع پر قبضہ دلادیا۔ گنن برگ نے ساٹھ سال کی عمر میں دوبارہ مطبع جاری کیا مگر ضعیفی صحت پر اپنا اثر کر رہی تھی اس لیے مجبوراً مطبع بند کر دیا۔ ۱۹۶۱ء یا اس کے قریب قریب وہ اس عالم فانی سے جلد باس رہا۔

۱۹۶۲ء میں مینر پر حملہ ہوا اور اس کے باشندے یورپ کے مختلف ممالک میں کل گئے۔ گنن برگ کے مطبع کے آدمی بھی اس تباہی کے زمانہ میں خانہ

ویران ہو گئے اور یونین فن یورپ میں پھیلا۔ ۱۹۶۷ء میں برطانیہ میں ایک مطبع تھا جس کا بانی کو لارڈ مینٹن تھا۔ اسکے گاہکوں میں ولیم کیکنگ نامی ایک انگریز تھا۔ کیکنگ نے اس فن کو جس کے ذریعہ اس کی تصنیفات کے متعدد

نسخے آسانی سے ہم ہونے سکے تھے بہت پسند کیا اور کو لارڈ نے اپنے لیے ایک خاص وضع کا ٹائپ ڈھلایا۔ ۱۹۶۸ء میں کیکنگ وطن کو لوٹا اور خوش قومی

دھند روی نے اسے فن کو انگلستان میں رائج کرنے پر آمادہ کیا۔ قدر واتی کا زمانہ تھا۔ اب ورتھارم شہنشاہ وقت نے اسے اپنے سایہ عاطفت میں

لیا اور رفتہ رفتہ ملکاتین ٹائپ ڈھالنے والے پیدا ہو گئے۔ اور یہ فن جس

عروج پر پہنچ گیا۔ محتاج بیان نہیں۔ اگر کیکیٹن شاہی حمایت میں نہ آ جاتا تو اس وقت کی اودھام پرستی اس فن کو شاید عرصہ کے بعد وہاں مروج ہونے دیتی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ چھاپنے والے (پرنٹرس) شیطان کے ہاتھ بک گئے ہیں۔ اور اس نے سعادۂ حق میں ان کو یہ فن سکھایا ہے۔ ایڈورڈ ایک دفعہ مع ملکہ شہزادوں اور ارکان دولت کے بطع دکھنے گیا۔ ایک پادری صاحب بھی ہر کا بٹھے تھے حضرت پر خوف طاری ہوا اور ردلا کے لیے سینہ پر دونوں ہاتھ صلیب نما شکل سے باندھ کر سب سے پیچھے کھٹ ہو گئے۔ وہ لوگ جو آج زور و زوال کا اودھام پرست و باطل پرست کہتے ہیں وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ وہ بھی اتنی ہی منزلیں طے کرتے ہوئے اس منزل سے گزرے ہیں یا نہیں۔

پادریوں کے ذوق اشاعت انجیل نے اس فن کو ہندوستان میں ۱۸۵۷ء بمقام سیرم جوہر جلوہ گر کیا اور رفتہ رفتہ یہ فن تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔

ہندوستان کی ہر زبان کے حرف یہاں ڈھالے گئے دیوگری خط میں ان کو خطوں کا ماخذ تھا۔ ان کے ڈھالنے میں نہایت ہی آسانی ہوئی اور سلی وجہ یہ ہو کہ جن اصول پر یورپین زبانوں کے حرف ڈھالے گئے ہیں وہی ان پر منطبق ہوتے تھے یعنی جس طرح ان زبانوں کے حرف جدا جدا لکھے جاتے ہیں اسی طرح سنسکرت ماخذ زبانوں کے الفاظ کے حرف لکھے جاتے ہیں۔ پس انیسو عہد اور خوشنما دھل گیا۔ لیکن جن زبانوں کے خط کا ماخذ عربی خط تھا ان کے ڈھالنے کے لیے ایک اصول ایجاد کرنا پڑا یعنی ہر لفظ کے حروف کے تین درجے مقرر کرنے پڑے اور حروف کو ان درجوں میں سے کسی ایک درجہ میں رکھنا پڑا۔ عربی خط تو پھر بھی اپنی پوری شان قائم رکھ سکا۔ لیکن مغربی خط تاہنوز اپنی ذاتی خوبصورتی کے ساتھ نہیں ڈھالا جاسکا۔ اگرچہ انڈین پریس آلہ آباد اور گرائی ٹائپ فونڈر نے بھی کے مساعی اس بارے میں قابل داد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران نے جب عربی خط اختیار کیا ہے تو اس کو خوبصورت بنانے کی ہمت کو شش کی اور خوبصورتی کے خیال میں اس قدر محو ہو گیا کہ اس نے عربی خط کے اصول نظر انداز کر کے حرف کے اوپر حرف رکھ دیا اور بعض صورتوں میں کچھ اس طرح کا قصہ کیا کہ اب اسکو

معلومہ اصول کے تحت میں لاکر ڈھالنا بہت دشوار ہو گیا ہے۔ اس کی خوبصورتی کا دار و مدار کچھ اس پر بھی ہے کہ لفظوں میں زیادہ فصل نہ ہو اور مناسب میں اکثر اوقات یہ فصل ناگزیر ہو جاتا ہے اور یہی اس کی خوبصورتی کو نہ اٹل کر دیتا ہے۔ مفسر عربی خط جتنا تک ہمارا خیال ہے کبھی حسب منشا نہیں ڈھالا جاسکتا اور جو کوششیں اب تک کی جا چکی ہیں اور جو نتائج اس سے مترتب ہوئے ہیں اگر اول سے بہتر نتائج کبھی پیدا بھی ہوئے تو اس میں کم از کم پانچ درجہ مقرر کرنے پڑیں گے۔ چند حرفوں کی صورت میں کچھ کاٹا چھانٹ کر پیڑھے لگی۔ اور یہ تو بالکل ہی ناممکن ہو گا کہ حرف پر دو سرائف آسکے۔ پس اگر مفسر عربی خط کے لیے کبھی کوئی عمدہ ٹائپ نکلا بھی تو وہ اس قدر خوبصورت نہ ہو گا جتنا کہ قلم کا لکھا ہوا خط۔ تاہم وہ لوگ جن کو قدرت نے دماغ عطا کیا ہے فرصت دی ہے اور ساتھ ہی دولت۔ ان کا فرض ہے کہ پہلے مفسر عربی خط کے اصول دریافت کریں۔ پھر ان اصولوں کے مطابق ٹائپ ڈھال کر نتیجہ دیکھیں اور حسب ضرورت خط میں بھی ترمیم کریں۔

اگرچہ صرف اپنے فرصت کے اوقات سے فائدہ اٹھائیں تو کیسے کیسے کام کر سکتے ہیں۔ سرہ زنیہ ہذا کا مطالعہ علم فلسفہ کا بھی ان حضرات کا ہارت نہیں ہوا جو اس نے عوام کی کین اور اس نے محض وہ وقت علم فلسفہ کے مطالعہ میں صرف کیا جو دوسرے لوگ کھیل کو اور سامان تفریح میں صرف کرتے ہیں۔

دیگو سیبا نے (جو کہ فرانس کا ایک اعلیٰ ترین چائے تر تھا) وقت کے تمام حصوں کو خوش اصدابی سے صرف کرنے سے کھانا کھانے کے لیے عرصہ انتظار کر نیکیہ دوران میں ایک ضمیمہ اور بریاق کتاب لکھی۔

ڈاکٹر فی نے فرانسیسی اور اطالین زبانہانی اسپا سوار ی پر جب وہ ایک شاگرد موسیقی سے دوسرے شاگرد موسیقی کے پاس بڑھانے کے لیے جایا کرتا تھا۔ سیکھی۔

دگلدار

مولانا شرم محمد کی یادگار اور دو کاشتہ ادبی و تاریخی رسالہ جسے زبانِ مادہ کے علمی خزانے کا اعلیٰ لکھنے سے بہرہ مند ہو کر ایک سال خیر حاصل ہونے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خرید لوں تو ایک یا دو مفت تذکرہ کیا جاتا ہے اور دہائی سال بعد کے چند اور محمول ڈاک پر ایک دو بارہ آئین میں بی بی۔ ملا کر دیا جاتا ہے۔

تصانیف مولانا محمد عبدالحکیم صاحب شرم محمد

- | | |
|--|--|
| ۱۔ تاریخ سوانحی اور پچھو وغیرہ | ۲۱۔ فردوس بریں۔ بی بی جنت کی سیر |
| ۲۔ تہذیبِ بغدادی۔ حضرت جید کے حالات | ۲۲۔ قیس لیلی۔ شہزادہ عیسیٰ علی کی شہزادی |
| ۳۔ ابو بکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات | ۲۳۔ بعثتِ حسین۔ عہدِ عباس کا تاریخی اہل |
| ۴۔ جن بن صباح۔ بانی فرقہ باطنیہ کے حالات | ۲۴۔ مقدس نامین۔ ایک عینہ کا یو پ بن جانا |
| ۵۔ خواجہ حسین الدین۔ خواجہ امیر کے حالات | ۲۵۔ ۱۰۱ ملک۔ عورتوں کا فوج اور فتوحات |
| ۶۔ ملکہ زونبہ۔ سلف کی لکھنے کی خواہش | ۲۶۔ یوسف خیر کا۔ بی بی میل پتی |
| ۷۔ سکینہ بنت جحش۔ جناب سکینہ بنت امیر | ۲۷۔ پیامِ عرب۔ جاہلیت عرب کی مکمل تصویر |
| ۸۔ قرۃ العین۔ ایران کی شہرِ مقدس دی سے حالات | ۲۸۔ جولیئے حق۔ حضرت رسول اکرم کی سوانحی |
| ۹۔ ولادتِ مسعود عالم۔ مولانا خیر حفصہ علیا۔ ابوالفتح | ۲۹۔ بطور ناول حصہ اول۔ پیر دوم کا نام |
| ۱۰۔ ابن ہندی کا ترجمہ شہر کا شہر اور نظم کا نظم من جلد | ۳۰۔ زوالِ ہندو شیشو سنوں کی نا اقلی کا عبرت |
| ۱۱۔ سفر نامہ الماشائی۔ امام مروج کے سفر کے حالات | ۳۱۔ نیو۔ بھو کی تباہی۔ |
| ۱۲۔ سر سید کی دینی برکتیں۔ | ۳۲۔ شوقینِ ملکہ۔ دوسری سلی لڑائی |
| ۱۳۔ قانونِ وراثتِ اسلام پر نوٹ کا ایک لکچر | ۳۳۔ طاہرہ۔ نہایت دلچسپ اڑہ ناول |
| ۱۴۔ ہندوستان کی سوتیلی | ۳۴۔ مینا بازار۔ مولانا کا سب سے اچھا ناول |
| ۱۵۔ ثانی اشین۔ حضرت صدیق اکبر کے حالات | ۳۵۔ نیکی کا پھل۔ نہایت دلچسپ آخری تصنیف |
| ۱۶۔ ذبی النورین۔ حضرت عثمان کے حالات | ۳۶۔ الفاشو۔ ایک عاشقانہ ناول |
| ۱۷۔ ابو الحسین۔ حضرت علی کے حالات | ۳۷۔ بابا بکرمی۔ سلطنتِ عباس کے حالات اور وجہ |
| تاریخی ناول | ۳۸۔ جن بچیاں۔ دوسرے دم کی لڑائی۔ |
| ۱۸۔ بغیر مصر۔ عبدی طولان کا تاریخی ناول | ۳۹۔ فلور اقلو رتھ اپنا کے مدد کے ساتھ |
| ۱۹۔ مسیح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ | ۴۰۔ ملک العزیز و حنا۔ جڑ بیل اور سیر الی |
| ۲۰۔ رومہ انلیہ۔ روم پر کاہلو کو کا حملہ | ۴۱۔ منصور و مہنا۔ شہزادہ کی اکیلا نضاری |
| ۲۱۔ مفتوحِ فلج۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول | ۴۲۔ خاندان کے حالات۔ |
| ۲۲۔ فلیما۔ افریقا میں العرب پر صاب کا حملہ | ۴۳۔ شہید و فانی۔ |

اشتر حکیم محمد سراج الحق شہزادہ دگلدار کٹرہ بزین بی بی خاں لکھنؤ

مولانا شرم محمد کی یادگار اور دو کاشتہ ادبی و تاریخی رسالہ جسے زبانِ مادہ کے علمی خزانے کا اعلیٰ لکھنے سے بہرہ مند ہو کر ایک سال خیر حاصل ہونے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خرید لوں تو ایک یا دو مفت تذکرہ کیا جاتا ہے اور دہائی سال بعد کے چند اور محمول ڈاک پر ایک دو بارہ آئین میں بی بی۔ ملا کر دیا جاتا ہے۔

تصانیف مولانا عبدالحکیم صاحب شہر مرحوم

مولانا شہر کے خیالی ناول

- ۴۱۔ آغا صادق کی شادی ایک پریپ تھی
- ۴۲۔ حسن کا ڈاکو حرا بچہ کے ذریعہ اعلان
- ۴۳۔ اسرار دہ بار حرا میوزک جو بچہ کے خواب کے
- ۴۴۔ یہ سب حالات ہر دو جلد
- ۴۵۔ غیب دان، بسن حیرانگیر حیب انی کی
- ۴۶۔ خوفناک محبت، ہندوستان کی شریفیاد کی
- ۴۷۔ پاکداسنی وجہات کی سب اچھی تصویر نہیں ہو سکتی
- ۴۸۔ محبت، مصنف کا پہلا روزنامہ ہر دو جلد
- ۴۹۔ نقش کش کا مل

ڈرامے اور نظیں

- ۴۸۔ اسیری بابل گولڈ ہتھ کے ایک ڈرامے کا ڈرامہ
- ۴۹۔ زمانہ اور اسلام ایک نرزد لندونچل نظم
- ۵۰۔ شب عیشم - فریق کی بنیاد بیان اور تقریر
- ۵۱۔ شب محفل، لڑاق کے بعد محفل کا بیان

مضامین شہر

شاعرانہ و عاشقانہ دوحے

تاریخی و جغرافی

گذشتہ لکھنؤ

سیر حال ہے سیر علم

ختم سال و شروع سال

سہ عنوان دوحے

ادب و تحقیق مسائل

اصلاح قوم و ملت

تاریخی واقعات پر خیال پرانی

نظم و ڈرامہ

دلگذازی مکمل جلدین

- | | | | | | | | | | | | | | |
|-----------|-----------|-----------|-----------|-----------|-----------|-----------|-----------|-----------|-----------|-----------|-----------|-----------|-----------|
| جلد ۱۸۸۷ء | جلد ۱۸۸۸ء | جلد ۱۸۸۹ء | جلد ۱۸۹۰ء | جلد ۱۸۹۱ء | جلد ۱۸۹۲ء | جلد ۱۸۹۳ء | جلد ۱۸۹۴ء | جلد ۱۸۹۵ء | جلد ۱۸۹۶ء | جلد ۱۸۹۷ء | جلد ۱۸۹۸ء | جلد ۱۸۹۹ء | جلد ۱۹۰۰ء |
| جلد ۱۸۸۷ء | جلد ۱۸۸۸ء | جلد ۱۸۸۹ء | جلد ۱۸۹۰ء | جلد ۱۸۹۱ء | جلد ۱۸۹۲ء | جلد ۱۸۹۳ء | جلد ۱۸۹۴ء | جلد ۱۸۹۵ء | جلد ۱۸۹۶ء | جلد ۱۸۹۷ء | جلد ۱۸۹۸ء | جلد ۱۸۹۹ء | جلد ۱۹۰۰ء |

مختصر مضامین دلگذازی

مستغرق تصانیف

- ۴۱۔ لکھنؤ کی عورتیں ۱۶
- ۴۲۔ اسلامی سوچ و فکر شاہ میرا نام کے حالات
- ۴۳۔ حکم الرفاعیہ سید احمد قاسمی کے رسالہ
- ۴۴۔ حلیۃ العبد را غلامی جی جی جی کی تاریخ
- ۴۵۔ اولاد محمدی صلعم اول محمد کا کمال ہے
- ۴۶۔ معتزلہ مولانا کا ایک پریپ لکچر ۱۲
- ۴۷۔ دیگر مطبوعات دلگذازی
- ۴۸۔ مرزا غالب کی شاعری نرزد جو عسکری صاحب
- ۴۹۔ کلک محققانہ لکچر ۱۲ (دار آتہ)
- ۵۰۔ پادشاه علی، ریشا لک کے شہنشاہ ناول کتنے کا تکرار
- ۵۱۔ عجم و عجم سوہم جہاں جہاں جہاں جہاں
- ۵۲۔ رقص العقاب، امر و جہاں کے تروید
- ۵۳۔ اکاڈمی کی تاریخ پر نرزد جو عسکری صاحب لکچر ۱۲
- ۵۴۔ رامائن کے بعض سین
- ۵۵۔ اتالیق بی بی، سیان کی حرکتوں پر بی بی کی
- ۵۶۔ فریاد شکستہ

شہر کا خادم حکیم محمد علی الحق صاحب دلگذازی نرزد سبکدان لکھنؤ

مولانا مولوی عبدالحکیم صاحب رحمہ اللہ
کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر ۱۱۱ ابتداء دسمبر ۱۹۳۳ء جلد ۲

محبوب حسن ایڈیٹر

اہتمام

حاکم حکیم محمد سراج الحق مینجراؤ پرنٹرس دہلی

دلگداز پرینٹنگ خانہ بزنس گھرانہ مین
چھپ کر شائع ہوا



جمیل شاعر

از مہ لٹا عبدالمجید فروری ۱۹۳۳ء

”ابو عمر جمیل بن عبد اللہ بن معمر بن صباح ابن قلیان عذری“
 اگرچہ جمیل کا نام لوگوں کو شعرا کی فہرست میں ملے گا۔ مگر اصل یہ ہے کہ وہ
 بوالہوس شعرا میں نہ تھا بلکہ ایک راست باز اور پاک طینت عاشق تھا۔ یہ
 اور بات ہے کہ شعراے عرب میں سے صرف قیس عامری کا نام ہماری
 اردو دیکھ تک پہنچا۔ لیکن غور کیجئے تو جس قسم کے واقعات عشق قیس
 عامری اور اسکی معشوقہ لیلہ عامریہ میں گزرے اسی کے قریب قریب
 واقعات جمیل عذری اور اسکی پرجمال معشوقہ ثینہ عذریہ میں بھی پیش آئے
 عاشق و معشوق دونوں عرب کے قبیلہ بنی عذرہ میں سے تھے۔ اس کا حال تو
 نہیں معلوم کہ ابو عمر جمیل کس سنہ میں پیدا ہوا۔ لیکن مورخین کی شہادت
 سے یہ امر تحقیق ظور پر معلوم ہوا ہے کہ یہ تیاب اور حبلی طبیعت والا شاعر یحییٰ
 ہی سے ثینہ کے حسن و لفریب پر بے چینیان ظاہر کرتا۔ اور عشق کے پُر جوش
 جذبات دکھاتا نظر آیا تھا۔
 واقعی مشہور عشاق کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عشق
 کی تیابان مان کے پیشا ہی سے لے کے آئے تھے۔ جمیل یحییٰ میں عاشق ہوا۔
 جب زمانہ بلوغ آیا اور جوان ہوا تو کوشش کی کہ جسطرح ثینہ کو
 اپنے عقد کماحقہ میں لائے۔ مگر وہ ظالم نہ راضی ہوئی اور یہ اپنا سامنے
 لے کر رہ گئے۔ غالباً وہ تو راضی ہو گئی مگر اس کے مان بابت نے منظور

کیا ہوگا۔ اور ان کے خیال سے خود اس کو بھی عاشق جاننا سے یونانی کہ باپری ہوگی۔ اس لیے کہ آئندہ حالات دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ آتش عشق اس پاک دامن لڑکی کے دل میں بھی بھڑک رہی تھی۔ اور عشق کے وہ سچے جذبات و دونوں طرف موجود تھے جن کو اردو کے سخن سنج نے ان مؤثر الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

افت کا جب مزہ ہے کہ دونوں ہوں یقیناً دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی
جہل کو جب وصال میں ناکامی ہوئی تو جذبات عشق کو شاعرانہ طبع آزمائیوں
میں ظاہر کر کے دل کی بھر اس کا لٹے لگا۔ ہمیشہ شبیہ کے جمال جان آری تعریف
میں قصائد کہے اور علانیہ اس پر اپنا عشق جتا رہا۔ شبیہ کے دل پر بھی ان خوش
اشعار نے اپنا جادو ڈال دیا۔ اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ فکر سے بھلی کے بعض معنی
دادیوں اور مقامات میں آتی تھی اور جمیل سے ملتی تھی۔ اور دونوں عاشق و
مستحق ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اٹھاتے تھے۔ یہ ایک ایسا ناجائز طریق
وصال تھا جس نے عام طور پر بدگمانی پیدا کر دی۔ اور ہر شخص کو جو یہ خبر سُن
بدگمانی ہوگی۔ مگر ہم کو اطمینان ہے کہ دونوں میں باوجود ہمیشہ ملنے جلنے کے
کوئی ناجائز تعلق نہ تھا۔ جمیل کی زندگی کی پچھلی گھریلوں کا حال بیان کرتے
وقت ہم سب کو یقین دلا دین گے کہ ہمارا اطمینان سچا نہیں ہے۔ دونوں پاکباز
تھے۔ اور عشق کے ان مدارج پر پہنچے ہوئے تھے کہ کسی کے دل میں دوسرے
کی عزت پر حملہ کرنے کا کبھی خیال بھی نہ آتا تھا۔

قبیلہ بجا عذرہ کا حسن و جمال عرب میں مشہور تھا۔ اس قبیلہ کے
مرہ اور عورتیں دونوں نہایت ہی حسین ہوتے تھے۔ قبیلہ عذرہ کے ایک اعرابی
سے لوگوں نے دریافت کیا کہ "کیوں جی یہ تم لوگوں کے دلوں کی کیا حالت
ہو۔ گویا جڑیوں کے دل میں کہ نہک کی طرح گھل جاتے ہیں۔ یہی حال ہو تو تمہاری
کھال ادھر سے لے کر کیوں نہیں جاتی۔" یہ سن کے وہ اعرابی بولا "جن آنکھوں کو
ہم دیکھتے رہتے ہیں وہ تمہاری نظر سے نہیں گزرتی۔" نہیں تو قدر و عافیت
معلوم ہو جاتی۔ ایک اور اعرابی سے کسی صاحب نے پوچھا "تم کس قبیلہ سے
ہو؟" بولا "اس قبیلہ سے جس کے لوگوں کے دل میں اوہر عشق پیدا ہوا دھرم سے

یہ جملہ کسی عورت نے سن لیا۔ فوراً بول اٹھی، "خدا کی قسم یہ قبیلہ بنی عذرہ میں سرحد پر
جیل کا ایک دیوان بھی ہے۔ جو عرب میں نہایت متداول تھا۔ حافظ ابن عساکر
اپنی تاریخ دمشق میں لکھتے ہیں کہ کسی نے جیل سے کہا، "تم یہ کن لغویات میں ہو۔ اگر
قرآن پڑھتے تو کیا خوب تھا" جیل نے کہا، "خود انس ابن مالک نے مجھ سے بیان کیا ہے
کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے، "ان من الکشر الحکمۃ" یعنی بعض اشعار حکمت
ہوتے ہیں۔" جیل کے اکثر واقعات کو کثیر غرہ نے نقل کیا ہے اور وہی ان کے واقعات
کا راوی ہے۔ اس کا نام تو صرف کثیر ہے مگر اس کی معشوقہ غرہ تھی جس کا نام اس کے
نام میں ہمیشہ کے لیے ندغ ہو گیا۔

ان کی معشوقہ بٹینہ کی کنیت ام عبد الملک تھی۔ اور جس قبیلہ میں یہ دونوں
تھے اس کا حسن و جمال ہی نہیں مشہور تھا بلکہ یہ بھی مشہور تھا کہ عشق و محبت کا ادھ بھی
اس قبیلہ والوں کے دل میں بہت ہے۔ انسی بنا پر اگر جیل بٹینہ پر عاشق ہوا تو کوئی
نئی بات نہیں کی۔

کثیر کہتا ہے ایک بار میں راستہ میں جا رہا تھا کہ جیل سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا
"کہان سے آتے ہو؟" میں نے کہا بٹینہ کے پاس سے، "پھر پوچھا، "جائے کہاں ہو؟"
میں نے کہا اپنی دلربا غرہ کے پاس، "یہ سن کے کہنے لگے، "نہیں اس وقت تو تم جان
سے آتے ہو وہیں جاؤ۔ اور میرے لیے بٹینہ سے ایک ملاقات کا وعدہ لے آؤ" میں
بولا، "اجی میں ابھی ابھی بٹینہ کے پاس سے چلا آ رہا ہوں۔ مجھے پھر جاتے ہوئے شرم آتی
ہے، انھوں نے کہا، "نہیں اس وقت تو ٹھیک جانا پڑے گا۔ میں نے مجبور ہو کر پوچھا، "اچھا
تو بتائیے آپ کو بٹینہ سے ملے ہوئے کتنا زمانہ ہوا؟" کہنے لگے ابتدا سے موسم گرما میں دادی
دوم کے نشیب میں پانی بردہ سا تھا۔ وہ اپنی لونڈی کے ساتھ وہاں کپڑے دھونے کے لیے
آئی۔ مجھ سے چار آنکھیں ہوئیں۔ مگر اس نے مجھے نہیں پہچانا اور غیر سمجھ کے پانی میں
سے چادر نکال کے اوڑھ لی۔ لیکن اس کی لونڈی مجھے پہچان گئی جب لونڈی کہتا ہے
سے اس نے مجھے پہچانا تو پھر چادر پانی میں ڈال دی اور مجھ سے بامین کرنے لگی
باتوں ہی باتوں میں آفتاب غروب ہو گیا۔ اب مفارقت کے خیال سے گھبرائی۔ میں نے
پوچھا، "پھر اب کب ملاقات ہوگی؟" اس کے جواب میں اس نے اتنا ہی کہا، "اب میں

دے کے مین جمیل کو اپس گیا ساری سرگزشت اس سے بیان کر دی۔ مین اس شوخ طبع
 لڑائی کا مطلب سمجھ سکا تھا مگر جمیل فوراً سمجھ گیا۔ کہنے لگا: تمہارے جتنی میں ملنے کا اس نے
 وعدہ کیا ہے! الغرض دوسرے دن جمیل اپنے پیامبر کثیر کو ہمراہ لے کے اس جنگل میں پہنچا
 دیکھا تو بیشنہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ وہاں موجود تھی۔ رات بھر اس جنگل میں لطف صحبت
 رہا۔ اور صبح ہونے ہی دو دن ایک دوسرے کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھ کر رخصت
 ہوئے۔ کثیر کہتا ہے مین نے کوئی صحبت اس سے زیادہ دلچسپ زندگی بھر نہیں دیکھی۔ اور نہ
 جمیل اور بیشنہ سے زیادہ کسی کو ایک دوسرے کے دل سے واقف پایا۔ دو دن ایک دوسرے
 کے جذبات دلی کو فوراً سمجھ جاتے تھے۔

جمیل کے اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا دیوان گویا بیشنہ کو یا اس سے لقا کے
 دلفریب خیال کو آنکھوں کے سامنے بٹھا کے لکھا گیا ہے کہتا ہے۔

مأذلت ابغی الحیا اشیع قلہم
 سحی وقتت الی اریبہ ہوش

مین برابر اس قبیلہ میں جاتا تھا اور اس کے شکست خوردہ لوگوں میں جلا جاتا تھا یہاں تک
 کہ ایک صاحب محل نازنین تک پہنچا۔

قد اوتی تحقناً المہینۃ
 حتی دلجت الی احنی الموالج

مین چھپ کر اس کے قریب گیا اور اس کے گھر میں جانے لگا۔ آخر پو شیدہ کمرو میں
 داخل ہو گیا۔

قد اذلت راسی معہ سہ
 بخصب الاطارد غیر مشیل

اس نازنین نے اپنی کشادہ اور ہمدردی میں رنگی ہوئی انگلیاں بڑھائیں کہ میرے سر کو
 ٹٹول کے دریافت کرے کہ کون ہوں۔

قالہ و عیش احنی و مہ والی
 لا یصون اھرم ان لا یفوج

اور کہنے لگی مجھے بھائی کی عیش و عشرت اور بابا جان کی نعمت و دولت کی قسم اگر سوت
 تم چلے نہ گئے تو میں سب کو جگا دوں گی۔

خروجہ یقینہ حق لھا فبتہ
 قد لیت ان یمنہا المہلج

بس اس کی باتوں سے ڈر کے مین وہاں سے نکلا اور وہ ہنس پڑی تب مین سمجھا
 کہ اس کی قسم کا اعتبار نہ تھا۔

فلذت قاصداً اخذاً بقرادنها شری العزیز بماء بود الحشر
پھر میں نے اسکی زمین ہاتھ میں لے کے اس کے ہونٹا چوسے اسی طرح جس طرح کسی
بدست کے گلے سے رُس رُس کر کے ٹھنڈا پانی اترتا ہے۔

جمیل کی زندگی اسی طرح برابر بیتا بابت عشق۔ شاعرانہ ولولوں اور مسلسل
نا کامیوں میں گزری۔ گو کہ وفادار اور قادرِ دلِ الفت معشوقہ اکثر ان سے
مل کے ان کی مراد پوری کر جاتی تھی۔ مگر یہ آرزو نہ برآنتھی نہ برآئی کہ کبھی اس دلربا نازنین
کی ہم آغوشی کا لطف اٹھا سکیں۔ انھیں بے مراد یوں میں مصر کا ارادہ کیا۔ قاضی ہرون
بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ان دنوں عبدالعزیز بن مردان والی مصر تھا۔ اور اس کی
کتبتہ سخی اور دقیقہ فہمی کا شہرہ تھا۔ خدا نے اسے اہل علم اور نازک خیال شعر کا قدردان
بنایا تھا۔ مصر میں اس سے ملنے کی غرض سے گئے تھے۔ اس نے اپنے ملک میں ایسے
بالکمال کے آئے کو نہایت افتخار کی نظر سے دیکھا اور ان کی بہت کچھ خاطر مدارات کی جمیل
نے اس کی شان میں قصائد کہے اس نے ان کو سنا۔ اور انعام و اکرام سے نہال کر دیا۔ اگر
جمیل کے دل میں دولت اور مرفہ حالی کی آرزو بینہ تعین تو مصر ہو چنے کے اور عبدالعزیز
بن مردان کے ایسے فیاض والی ملک سے مل کے سب پوری ہو گئی تھیں۔ لیکن نہیں۔
ان کے دل میں جو کائنات کھٹک رہا تھا وہ کسی کے نکالے سے نہیں نکل سکتا تھا۔ یہ بینہ کے
شہید ناز تھے۔ اور اس کے حسن گلو سوز کی تمنا میں ہر وقت بیقرار رہا کرتے تھے۔ اس
عشق کا تذکرہ عبدالعزیز سن چکا تھا۔ موقع دیکھ کے اور مدد دی کے لہجہ میں اس نے
خود ہی بینہ کا ذکر چھیڑا۔ اور ان کے دردِ دل کا حال پوچھنے لگا۔ بس چھیڑنے کی دیر
تھی۔ انھوں نے درد کے اپنا دکھ بیان کرنا شروع کیا۔ اپنی نا کامیاؤں اور
مایوسیوں کو ایسی درد بھری آواز اور ایسے بیتابی کے لہجہ میں بیان کیا کہ والی
مصر کا دل بھر آیا۔ اس نے ان کی دل دہی اور تسلی کی۔ اور کہا: آپ مطمئن رہیے۔
انشاء اللہ آپ کو آپ کی بینہ سے ملا دوں گا۔ بلکہ خدا نے چاہا تو اسے کوشش کر کے آپ
کی بی بی بناؤں گا۔ تاکہ آپ ہمیشہ کے اس کی ہم آغوشی سے مسرور و مخطوظ ہوں۔
اس نے بعد اس نے انھیں ایک عمدہ مکان رہنے کو دیا اور اپنے ہی ذلِ عاطفت
میں ٹھہرایا۔ لیکن عشق کا وارِ ان کے دل پر ایسا کاری پڑ چکا تھا کہ ان تسلی کے الفاظ نے

ان پر کوئی اثر نہ کیا۔ ٹھہرنے کو تو وہاں ٹھہر گئے مگر چند ہی روز کے بعد بیمار پڑ گئے اور بیمار ہی رہے۔ رفتہ رفتہ ترقی کر کے پہلے صاحب خراش اور پھر لب گور کر دیا۔ زمر بن بکار کا بیان ہے مجھ سے عباس بن سیس بیان کرتے تھے کہ ایک روز مصر کے بازار میں چلا جاتا تھا۔ اتفاقاً راستہ میں ایک شخص ملا اس ذمہ سلامت کے بعد کہا: "آپ کو کچھ جمیل کی بھی خبر ہے؟ وہ بہت بیمار ہیں۔ چلیے ذرا ان کی عیادت کر آئیں" یہ سن کے میں نے اسے اپنے ہمراہ لیا۔ اور جمیل کے گھر پہنچا۔ دیکھا تو وہ جسمانی تکالیف میں مبتلا ہیں۔ اور کسی پہلو پر انھیں قرار نہیں آتا۔ میری طرف دیکھتے ہی بولے: "اے ابن سیس! اس شخص کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ جس نے کبھی شراب پی۔ نہ کبھی زنا کیا۔ نہ کسی شخص کو قتل کیا۔ نہ کبھی چوری کی اور کلمہ طیب لا الہ الا اللہ کا معترف ہے" میں نے کہا: "بظن غالب اس کی نجات ہوگی۔ اور امید کی جاتی ہے کہ وہ جنت میں جائے گا" اس کے بعد میں نے کہا: "اچھا یہ تو بتائیے کہ آپ کس شخص کا تذکرہ کرتے ہیں؟" بولے: "خود اپنا" اتنا سنتے ہی مجھے حیرت ہو گئی۔ اور میں نے کہا: "خدا کی قسم مجھے کبھی اس کا خیال بھی نہ تھا کہ آپ انصافی سے اس قدر محفوظ ہوں گے۔ حالانکہ کہیں برس سے یمنہ کے عشق میں مبتلا ہیں۔ اور اس سے ملنے اور لطف اٹھانے کو شاعرانہ خیال بتا میں براہِ ادارے رہتے ہیں" یہ سن کے جوش میں آ کے بولے: "تم دیکھتے ہو کہ یہ میری زندگی کی کچھ گھڑیاں ہیں اور اب مجھے عالمِ آخری سے بہت جلد سابقہ پڑنے والا ہے۔ اس وقت میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ مجھے جناب رسالت آب صلوم کی شفاعت نہ نصیب ہو۔ اگر میں نے کبھی بدعتی سے اس کی طرف اپنا ہاتھ بھی بٹھایا ہو" جس روز کا یہ واقعہ ہے وہ دن ہنوز تمام نہ ہونے پایا تھا کہ جمیل نے دنیا کو رخصت کیا۔ اور وہ نور و عالم بالا ہوئے۔

جمیل نے یہ امر ایسے وقت میں اور ایسی حالت میں بیان کیا کہ ہم کبھی جھوٹ کا احتمال نہیں کر سکتے اور اسی سے پتہ چلتا ہے بلکہ ہم یقین کیے لیتے ہیں کہ وہ دنیا سے ناکام و نابرا دار اور دینی حیثیت سے نہایت ہی پاک و صاف گئے۔ خدا غوثی رحمت کرے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ جو محمل و صبر اپنے جذباتِ دلی کے مقابلے میں دکھایا انھیں کا کام تھا۔ معشوقہ سے اکثر صحبتوں میں ملنا۔ بے تکلفی اور تنہائی میں اس پر اپنے جذبات و خیالات کو خود اس کا بھی

اُن کی کشش عشق سے قیام ہو ہو جانا۔ اور پھر دونوں کا بیگناہ اور پاکیزہ رہنا
 پرستہ نہ ہو کہ نہایت دشوار کام ہے۔ لیکن یہ دشواریاں صرف ہماری نظر میں ہیں اس
 لیے کہ ہمارے جذبات جھوٹے ہیں اور ان کا مدار صرف نفس پرستی پر ہے جن لوگوں کا عشق
 سچا تھا۔ ان کی حالت اکثر ایسی ہی دیکھی گئی ہے کہ اُن کی نظریں وصال اور عدم وصال
 دونوں کیفیتیں برابر ہوتی ہیں۔ ان کو جیسی بیانی عالم حیران میں تھی ویسی ہی بتائی
 ان سے اُس وقت بھی ظاہر ہوئی جب دلفریبا معشوقہ آنکھوں کے سامنے بیٹھی تھی
 ان کے نزدیک عشق کا نشا اور جذبات دلی کا سنتھہ سیاہ کاری اور ذلیل شہوت
 پرستی نہ تھی بلکہ وہ صرف ایک دلربا صورت کے دیوانے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ
 کمال اور قدرت کی ہمیشہ صناعت کی خبر دیتی تھی۔ صورت دیکھ کے صرف اتنے خیال
 نے انھیں اور انہیں خود رفتہ بنا دیا کہ "ہاے کیا پیاری صورت ہو؟" جمیل شاعر
 جس کی زندگی ایک ہم قبیلہ عورت کے عشق میں گزری اُس کے حالات صاف بتا رہے
 ہیں کہ وہ غریب بھی اسی قسم کا دیوانہ تھا۔ قیس عامری کی طرح وہ بھی انامیلی کہنے کا
 دعویٰ رکھتا تھا۔ اس کے دل میں ہمارے زمانہ کے شہوت پرست عشاق کی طرح
 کسی بوبیٹی کی بے عصمتی کے جذبات اور خیالات نہ تھے۔ ایک یہ بھی عجیب بات ہو
 کہ اس درجہ عشق کو پہنچے ہوئے عشاق ہمیشہ ناکام رہے اور دنیا سے نامراد ہوا
 گئے جتنے سچے واقعات ناموران دنیا سے عشق کے ہیں سب بتا رہے ہیں کہ باوجود
 ہر قسم کی اور ہر طرح کی بتیاہوں کے اور باوجود اس کے کہ معشوقہ بھی اکثر وفاسا
 بلکہ ان کے درد دل پر آنسو بہانے والی تھی انھیں اپنی آرزوؤں میں کامیابی
 نہ نصیب ہوئی جذبات دل اکثر معشوقہ کو ان کے پاس جھگی میں بھی پھینچ لائے۔
 لیکن یہ نہ ہوا کہ جائز طور پر دونوں میں رابطہ محبت قائم ہو جائے۔ اور ناجائز
 وصال سے ان کو پرہیز رہا۔

الغرض اپنے تمام سچے ہم مذاقوں کی طرح جمیل عذری نے بھی مایوسی ہی
 کے ساتھ جان دی۔ اور مرے وقت یقین دلا دیا کہ اُن کی معشوقہ اور وہ خود
 دونوں اس اختتام عشق کی گھڑی تک پاکیزہ رہی کے ساتھ خدا سے ڈرتے تھے۔
 علامہ ابوالفرج اصبہانی نے اپنی مشہور کتاب "آفاقی" میں نقل کیا کہ

کہ صمعی کسی شخص کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے تھے کہ جب جمیل کا آخری وقت تھا اور زندگی کی کھلی سانسیں رک رک کے چل رہی تھیں اس وقت انھوں نے اس شخص کو بلا بھیجا وہ سانسے گیا تو کہنے لگا اگر تم میری ایک وصیت بجالاؤ اور مجھ سے عہد کرو تو میں تمھیں اپنے تمام مال و اسباب کا وارث اور مالک کروں گا وہ کہنے لگا آپ جو خدمت فرمائیے میں بجالائے گا جو وہوں یہ قابل اطمینان وعدہ سن کے ہوئے اچھا تو میں جب مرجاؤں تم میرا یہ کرتا تو رہنے دینا باقی تمام چیزیں تمھاری ہیں۔ خیر اس کرتے کوئے تم سفر کرنا اور بٹینہ کے قبیلہ میں جا کے میرے اس اونٹ پر سوار ہونا اور میرا یہ کرتا خود پسینا اور اس کا گریبان چاک کر دینا پھر کسی بلند ٹیلہ پر چڑھ جانا اور باؤاں بلند یہ تین شعر پڑھنا جن کا مطلب یہ ہے "خیر مرگ پہونچانے والے نے جمیل کے مرنے کی خبر سنائی۔ وہ مصر میں جا کے ایسا ٹھہرا تھا کہ پھر آنا نہ نصیب ہوا۔ عام وادی تھی میں پکستون اور جھاڑیوں کے درمیان میں کھڑا تھا کہ سردی کا حدسہ اٹھا کے مر گیا۔ اسے بٹینہ اٹھ اور اس پر آنسو بہا۔ اور اپنے اس دوست پر گریہ و زاری کر جو سب دوستوں سے ادنیٰ درجہ پر تھا خود اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے وہ اشعار جاسے پڑھے ہنوز تینوں شعر پورے نہ ہونے پائے تھے کہ بٹینہ نہایت ہی بدحواسی کے ساتھ بچھاتی ہوئی نظر آئی لیکن ایسی پیاری صورت تھی کہ معلوم ہوتا تھا گویا اندھیری رات میں چاند چلا آتا ہے۔ وہ اپنی چادر میں لپیٹی ہوئی تھی۔ اور نہایت ہی حیران و پریشان تھی میرے قریب آ کے اس نے میری طرف خطاب کر کے کہا "اسے شخص سچ بنا۔ اگر تو نے سچ کہا تو مجھے مار ڈالا۔ اور اگر جھوٹ کہا تو مجھے اس قدر بدحواس کر کے اپنے قبیلہ میں رسوا کر دیا" میں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں سچ کہتا ہوں اور یہ کہتے ہی میں جمیل کا کرتا تار کے اسکے سامنے پیش کیا۔ کرتے کی کھورت دیکھتے ہی اس نے اپنا منہ پٹینا اور فوجہ کرنا شروع کیا۔ قبیلہ عذرہ کی اور عورتیں بھی آ کے جمع ہو گئیں اور اسکے ساتھ ل کے بھوننے لگا۔ وہ اپنا پٹینا شروع کیا۔ کچھ دیر یونین بزم ماتم گرم رہی تھی کہ یکایک بٹینہ غش لکھا کے گر پڑی۔ دیر تک غش پین پڑی رہی۔ پھر اٹھی اور انتہا سے زیادہ حسرت و اندوہ کی آواز میں اس نے وہ شعر پڑھے وہ اسے شعر تھے کہ انھوں نے ہر چار طرف عالم پر عجب وحشت ناک حسرت برسا دی۔ اسی شخص کا بیان

کر مین نے اس روز بٹینہ کو جس قدر روئے ہوئے دیکھا تھا اس قدر پروئے آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ شخص اس کے بعد چلا آیا اور یہ نہیں معلوم کہ اس غم و اندوہ نے بٹینہ کا کیا حال کیا۔

اسی مقام سے تہ چلتا ہے کہ بٹینہ کو بھی جمیل کے ساتھ سچا عشق تھا اور اسی پر قیاس کر لینا چاہیے کہ جمیل کی بیا بانہ حسرتوں کا اثر ہمیشہ بٹینہ کے دل کو بے چین رکھتا ہو گا۔ وہ دشینرگی کے زمانہ سے جمیل کی معشوقہ بنی اور شادی کی لذتوں سے آخر تک محروم رہی جمیل کی جانب سے جو کوششیں نکاح کی بابت ہوئیں ان میں ناکامی ہوئی گو پوشیدہ طور پر ان باپ سے چھپ چھپ کے صھاون اور وادیوں میں آئی۔ اور جمیل اسکی صحبت سے اکثر لطف اٹھایا کیا لیکن چونکہ جمیل اپنے عشق میں سچا اور پاکیزہ تھا لہذا وہ آخر تک پاکدامن رہی۔

جمیل نے سترہ مین اس دنیا سے انتقال کیا جس کے چند روز بعد زمانہ نے اسکی معشوقہ کو بھی اسکے پاس پہنچایا۔ دونوں اُس دوسرے عالم میں ایک دوسرے کو وصل سے لطف اٹھا رہے ہیں۔ عدم کی شہ نشین مین دونوں ہیں اور دونوں کے دل رنج و اندوہ سے پاک و صاف ہیں۔ مگر دنیا والوں کے لیے ایک حسرت ناک داستان چھوڑ گئے ہیں جو آخر زمانہ تک یاد آئے گی۔ اور پاک بازان محبت ان کی مایوسوں کو یاد کر کے ہمیشہ روئیں گے۔

سوسال کے بعد دنیا کی حالت کا دلچسپ نقشہ

حال میں لارڈ برکنہڈ نے دنیا سے سترہ مین کی ایک تصنیف شائع کی جو اس میں قابل مصلحت نے دکھایا ہے کہ آج سے ایک صدی گزرنے پر دنیا کمان ہوگی۔ اور کیا ہوگی بعض جگہ تو دنیا کا ایسا بتر نقشہ کھینچا گیا ہے کہ دل بھی چاہتا ہے کہ پڑھے جائے۔ مگر بعض مقام پر دنیا سے سترہ مین ایسی ہولناک صورت دکھائی ہے کہ ہر شخص ایک طرح کے خون سے ستا رہو جاتا ہے آخری حصہ کتاب میں جو صوفی نے لکھا ہے کہ وہ یہ دیکھ کر خوش ہیں کہ اس وقت تک وہ مر چکے ہیں اور ان کے بعد ان کی پیشین گوئی ان پورے ہون کی ہر طور لارڈ برکنہڈ کی اس کتاب کے شائع شدہ اقتباسات کا ترجمہ انگریزین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

نستلہ عین یعنی پورے ایک صدی بعد حورب سے زیادہ خوش کرپولی بات ہوگی
یہ ہوگی کہ ایک ہفتہ میں سولہ گھنٹہ زیادہ چومیں گئے ایک شخص کو کام کرنا پڑے گا اور اس لیے
کہ بجلی کی قوت بہت سستی ہو جائے گی جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک معمولی شخص سے
سوسال کے بعد اگر وہ اپنے وقت کا انتظام رکھے اور اس کی قدر جائے تو یہ کر سکتا
کہ مہینہ بھر کا کام پہلے ہفتہ میں انجام دے لے اور آخری تین ہفتوں میں آرام کرے۔
اسم تغیرات۔ اور اسی طرح لوگوں کو اس کا کافی وقت مل سکے گا وہ اپنی تفریح اور
سیر و کفرہ پر زیادہ وقت صرف کر سکیں گے اور جب وہ روزانہ فٹ بال اور اس جیٹم
کے دوسرے تفریحی کھیلوں سے تھک جائیں گے تو پھر یونیورسٹی تعلیم کھیل فٹ بالین گے کیونکہ
اس سے بہتر طریقہ تفریح کا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ذہن اور دل و دماغ کی صحیح معنی میں
تفریح درس یونیورسٹی ہی سے ہوگی۔

رابرٹ لاسڈ نے جریدہ ڈیلی نیوز میں لکھا ہے کہ لارڈ برکنہڈ کا اس کہنے سے یہ عقیدہ
ہرگز نہیں ہو کہ لوگ گھوڑوں اور لوٹری کا شکار بالکل چھوڑ دیں گے۔ یہ بات ہرگز نہیں ہو
گھوڑوں پر خاصا اس وقت کی بخت کا بہت زیادہ اثر پڑے گا۔ اس زمانہ کے ہزار ہا لوگ
اس میں اپنی زندگی کی حقیقی فرحت محسوس کریں گے۔

لارڈ برکنہڈ بہت جوشیلے نظر آتے ہیں گویا کہ وہ خود سائنسدان لوگوں میں سے
ہیں آپ کا خیال جو کہ فرکس کے ذریعہ سوائیم (ڈورہ) کی پوری قوت دریافت ہو سکے گی اور پھر
یہ بہت آسان ہو گا کہ ایک گھوڑے کی طاقت کا انجن ایک آؤس ہو اور ایسا ہونا کوئی غیر ممکن بات
نہیں ہو اور ۶۰۰ گھوڑے کی طاقت رکھنے والا انجن فائنٹین قلم کی برابر ہو گا۔

کوئلہ کی تجارت۔ ایسے حالات میں یہ قرین قیاس سمجھنا چاہیے کہ زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا
کہ کوئلہ کی تجارت ختم ہو جائے گی۔ لارڈ برکنہڈ نے گویا ہی تجارت کے متعلق اظہار خیال
ہو کر ہم کہتے ہیں کہ تمام کاروباروں کا دھڑکنے کی طرف بھی آپ ہی آپ ختم ہو جائے گی۔
سائنس کو قدرت کے معاملات میں بہت کچھ دخل ہو گا اور کھانے پینے میں بھی کسی خاص اہتمام
کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ مختصر یہ کہ اس زمانہ کی دنیا میں ہر شخص کچھ ایسا خود غرض ہو گا کہ اسے
اپنی ہیٹاں کھا جائے میں کوئی دریغ نہ ہو گا۔

مصنوعی گوشت۔ سب سے زیادہ خوفناک چیز جو سنہ ۲۰ کی ایجاد و اختراع میں شامل

ہوں وہ یہ ہے کہ گوشت مصنوعی طریقہ پر بنایا جائے گا۔

سب سے اعلیٰ قسم کا گوشت بیل اور مرغی کا ہے۔ اور یہ چیزیں سائنس کے عمل سے بہتر سے بہتر صورت میں بنائی جا سکیں گی اسی طرح اسکی ضرورت قطعی باقی نہ رہے گی کہ بیل یا بکرا بنائے اور پھر ضرورت کے وقت اسکو کام میں لایا جائے۔ مصنوعی گوشت کی تیاری میں زیادہ عرصہ تو نہیں لگے گا مگر ان ہر عمل خانہ میں گوشت کی پیداوار کا انتظام ہوگا۔ بلکہ یہاں تک ہوگا کہ مصنوعی گوشت جو زیادہ ہوگا اسکو مارکیٹ میں فروخت کیا جائے گا۔ اس سے بھی زیادہ ایک شخص کے لیے یہ حیرت کا موجب ہوگا کہ عورتیں اپنے بچے جتنا چھوڑ دین گی۔ اور انھیں درودہ سے نجات مل جائے گی کیونکہ جسم کے بیرونی حصہ سے بذریعہ سائنس کے بچہ پیدا کیا جاسکے گا جسے کی پیدائش کی صورت یہ ہوگی کہ ان کے جسم کی اوپر کی کھال میں ایک شیشہ کا حلقہ قائم کیا جائے گا۔ اس میں بچہ رہے گا۔

اس کے علاوہ نوجوان - بچے کا یہ عالم ہوگا کہ ڈیڑھ سو برس کی عمر تک زندہ رہنا ایک معمولی بات ہوگی۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ کون شخص ہوگا جو اس طویل عمر تک پہنچ سکے؟

جنگ کے خطرات۔ اس میں کسی کو ذرا کلام نہیں ہو سکتا کہ سائنس اس سوال کے عرصہ میں کیا کیا ترقی کر جائے گی۔ مگر جیسا کہ خود لارڈ برکنہیڈ کا خیال ہے کہ جنگ کا سدبآ نہیں ہو سکے گا۔ سدباب یا کسی کمی کا واقعہ ہونا تو درکنار۔ پیش گوئی یہ تو یہ پایا جاتا ہے کہ بنیائے مجلس اقوام کے وہاں ایسے ایسے خطرناک گیس ہوں گے کہ بیان سے باہر یہ معمولی بات ہوگی کہ ایک مدت کے لیے کوئی شخص گیس کو ذریعہ سے بہوش کر دیا جائے۔ اور بہوش ہونے والے شخص کی تندرستی پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ گیس ہی پر کچھ منحصر نہیں ہے آلات جنگ میں ایک خطرناک آلہ آبدوز کشتی ہوگا جو ضرورت کے وقت فضا میں پرواز بھی کر سکے گا۔

برطانیہ کا جدید دارالسلطنت۔ خیال ہو کہ ایک صدی گزرنے پر برطانوی اسپارٹر کا دارالسلطنت بجائے لندن کے کینڈیا آسٹریلیا ہوگا۔ اور ہندوستان برطانوی سلطنت کا ایک جزو اور حکومت کا وفادار ہو گا۔ موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے اہل ہند کے لیے لارڈ برکنہیڈ کا یہ قول کبھی بھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک

صدی میں اونٹ کس کل بیٹھ ہندوستان کو اپنی غلامی کا احساس پورے طور پر ہو چکا
ہو اور آج ۱۹۳۳ء میں وہ سول افزائی کے ذریعہ سے آزادی کامل حاصل کر لینے کے

درپے ہے۔
یورپ پر اہل چین کی یورش۔ لیکن یورپ پر چین کا ایک پولین یورش کرے گا۔ یہ جنگ
صرف اس غرض سے لے ہوئی کہ زرد اقوام کے اقتدار حکومت سے آزادی حاصل کی جائے اور
اس کے بعد چین جو جنگیں ہوں گی ان سے محض اظہار دشمنی اور بدلہ لینا مقصود ہوگا۔

سب سے بڑا اور اہم واقعہ نیکرو جمہوریہ کا اپنے ملک افریقہ پر قبضہ کر لینا ہوگا۔ دنیا
۳۰ء کی تصنیف میں لارڈ برکھیڈ نے یہ پیش گوئی ان ایک دو ہی چند دن کی بین کی ہیں
بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی نہ کوئی پیش گوئی نہ کی گئی ہو۔
غالباً اس کتاب کی تصنیف کے وقت لارڈ موصوف کے پیش نظر یہ رہا ہے کہ دنیا کا کوئی عنوان
ایسا باقی نہ رہے جس کے متعلق ان کی پیشین گوئی نہ ہو۔ سیاسیات کے بارے میں آپ فرماتے ہیں
کہ "فرقہ اور جماعتوں کی سیاسیات کے بجائے اس وقت اہل فن کی حکومت ہوگی اور اس سے
چارے بعد آئینوالے اصحاب مطمئن ہوں گے۔"

لارڈ برکھیڈ نے عورتوں کے بارے میں بھی ایسی ہی ایک پیش گوئی کی ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پیش گوئی ان صرف مردوں کے متعلق نہیں کی گئی ہے بلکہ صنفِ انرک
کی بابت بھی ہیں۔

آئندہ لڑائیاں۔ لڑائیاں بالکل مختصر ہو کر رہیں گی۔ اور ایسی ظالمانہ طریق پر نہیں
ہوں گی جیسی کہ پہلے ہوتی رہی ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ جنگ عالمیہ خواہ کیسی ہی
تھی لیکن سپاہیوں کو کھانے پینے کی کوئی کمی نہ تھی ہر طرح کی آسائش پہنچتی تھی۔ حالانکہ
پہلے زمانوں میں ایسا نہیں ہو سکتا تھا اور سپاہیوں کا قابل بیان کلیفون اور سیبتون
سے واسطہ پڑتا تھا تو گویا پہلے زمانے کی لڑائیوں کی نسبت جنگ عالمیہ کا انتظام بہتر تھا۔
ذرا سپاہی کو چوٹ لگی یا زخمی ہو گیا تو ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ اور مقابلہ بہت ہی مختصر
عرصہ میں تندرست ہو گیا حالانکہ پہلے زمانوں میں بعض وقت معمولی زخموں سے مناسب
غور و پیرداشت نہ ہونے کے باعث وہ موت کے منہ میں چلا جاتا تھا۔

پانی کی طاقت پر قبضہ کر کے یہ ممکن ہو سکے گا کہ تہالیہ جیسے پہاڑوں کے

ذریعہ صنعت و حرفت کی ترقی ہو جائے جامع غذائیں دن بدن گھٹتی جائیں گی۔ لہذا
ڈنمارک، نیوزی لینڈ، ارجنٹائن اور کینیڈا کے لوگ کم ہوتے جائیں گے۔ تاوقتیکہ وہ اپنے لیے
دولت کا کوئی اور نیا ذریعہ تلاش نہ کریں قلعی اور تانبے کا قحط پڑ جائے گا۔ کوئی علاقہ بلکہ
کوئی یکسر جڑے بڑے شہروں سے گنجان طور پر آباد نہ ہو گا۔ کیونکہ "قوت" اذعان ہو جائے
کے باعث ایسے گنجان شہروں کی ضرورت نہ رہے گی۔ گاؤں میں رہنا بھی ویسا ہی آرام دہ
ہو گا جیسا کہ شہروں میں رہنا۔ انگلستان میں زراعت نہ ہوگی اور وہ ایک نہ ختم ہونے والی
تفریح گاہ بن جائے گا۔ دستکار لوگ اپنے دستکاری کے طریقوں کو اعلیٰ الجبر کی طرح صیغہ راز
میں رکھا کریں گے اور وہ ایسے زبردست ہو جائیں گے کہ ملک کی حکومت میں ان کا سب سے
زیادہ حصہ ہو جائے گا۔

سائنس پر ایمان۔ سائنس پر آج کل بھی ہمارا ایمان زبردست ہے اور ایک صدی
میں وہ ایمان دوبارہ وار ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ سائنس میں وہ دنیا پر اس طرح حاوی ہو جائے
گا جس طرح گزشتہ درمیان میں زانڈن میں روس کی تھوکر کلب۔

علم الادراہ یقینی علوم میں شمار ہونے لگے گا اور جو ابھی کہ اس علم الادراہ پر
انسان حاوی ہو جائے گا تو فرقہ دارانہ تقریفات کا قلع قمع ہو جائے گا۔ بدترین بہت
ہوشیار اور سمجھدار (ضرورت سے زیادہ) ہو جائیں گے۔ اور اپنی ہر ایک تجویز میں عصبیت
کے ذریعے بادشاہ سے منظور کرالیا کریں گے۔ مزدور مہینہ میں صرف ایک ہفتہ کام کیا
کریں گے۔ لیکن چونکہ تعلیم کے ذریعہ ان کے دائمی فوائے اعلیٰ زیادہ ترقی یافتہ ہوں گے
اس لیے وہ اتنے محدود دن میں ہی سارے مہینہ کا کام کر سکیں گے۔ محنت کی باقاعدگی
اور سرگرمی ہفتہ ہی میں سب کمی پوری کر دیا کرے گی۔ گھوڑے دوڑے اور لومڑی کا شکار معمولی
طور پر جاری رہے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ زیادہ ہر دلعزیز ہو جائے۔ انسان صرف تین قسموں
کے کپڑوں پر اکتفا کرے گا۔ ایک لباس معمولی طور پر پہنے والا۔ دوسرا کام کر نیکے دوران
میں اور تیسرا سیر و تفریح کے وقت زیب بدن کر کے والا۔ ان میں سے ہر ایک لباس آرام دہ
اور نوازش صحت کے مطابق ہو گا۔ وہی جیسا کہ آج کل عورتیں پہنتی ہیں۔ مگر بن لینڈ اور
صحرا سے اعظم پھینے کے میدان بن جائیں گے۔ کوئی ایکڑ اگر گارہ ہو گا تو ہزار دن میں کافی صلہ
پڑے گی۔ ذریعہ سیر و تفریح ہو گا۔ جسمانی طور پر دکھائی دے گا تو یا کہ وہ بالکل

دو قدم پر ایکٹ کر رہا ہے۔ تھیٹر اور ادوار چاہاؤس جون کے تون ترقی کرتے جائیں گے۔
انگلستان ہندوستان پر قابض رہے گا۔

ریویو

فلسفہ توحید اس مختصر رسالے کے مصنف حکیم محمد عبدالقوی صاحب جھولی ٹوڈہ لکھنؤ کے مشہور طبیب ہیں
حکیم صاحب موصوف علاوہ ایک جاذب طبیب ہونے کے علوم جدیدہ اور فنون لطیفہ میں بھی
نظر وسیع رکھتے ہیں۔ آپ نے ایک عرصہ سے کوچہ فقر میں قدم رکھا کر مجاہدہ جسمانی و فکریہ کی جانی
سے جو بصیرت قلبی حاصل کر لی ہے۔ یہ رسالہ انھیں تجاہدات و تفکرات کا نہایت کارآمد و مفید نتیجہ ہے
مسئلہ وحدت الوجود کو زیرِ مباحثہ عقائد کے خلاف حکیم صاحب نے طریقت کو شریعت سے بالکل
علیحدہ کر کے دکھلایا ہے۔ اور اس دعوے کے ثبوت میں بڑے بڑے عارفین و موحیدین مثلاً
حضرت مولانا روم حضرت خواجہ فرید الدین عطار۔ حضرت مغربی۔ حضرت جامی وغیرہم جیسے
بزرگانِ سلف کا کلام بھی پیش کرتے گئے ہیں غرض کہ اپنے ہر دعوے کو عارفانہ و فلسفیانہ رنگ
میں نہایت خوبی کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔ عارفین ملاحظہ فرما کے کیفیات و وجدانی سے مرعہ
ہوں۔ اور تعلیم یافتہ حضرات اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔ ملنے کا پتہ دفتر رسالہ الناظر
و کٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ۔ لکھائی اور چھپائی معمولی حجم ایک جز قیمت چار آنہ (۴ ر)
فلسفہ موسیقی۔ یہ رسالہ بھی حکیم صاحب موصوف کے وسعت نظری اور ذوق علمی کا
بہترین نتیجہ ہے۔ اس رسالہ میں فن موسیقی کے شرف اور انسانی سوسائٹی میں اس کی ضرورت پر
مدلل بحث کی گئی ہے۔ موسیقی کا تعلق تمام اہل اور انسان کے ساتھ قدرے تاکس حد تک اور کیونکر
ہے نہایت دلچسپ طریقہ سے ثابت کیا ہے۔ ہندوستان میں ہندی اور اسلامی موسیقی کا اتحاد
اور اسکی ترقی و تفریق کے اسباب تاریخیہ نظر سے دکھائے گئے ہیں۔ شاعری اور موسیقی
کا اتحاد اور دونوں کا لازم و ملزوم ہونا نہایت دلچسپی اور خوبی سے ظاہر کیا گیا ہے۔
نتیجہ کے طور پر فنون لطیفہ سے قومی و ملی ترقی کے اسباب اخذ کیے گئے ہیں۔
لکھائی و چھپائی اچھی ہے۔ دفتر رسالہ "اعجاز" بارہ بنکی سے مرین دستیاب ہوگا

۱۹۳۲ء کا خاتمہ اور ہمارا نیا ناول

قدر افزایان دگلڈز آپ کی توجہ و عنایت سے آپ کے پیارے دگلڈز نے سنہ ۱۹۳۲ء کو غیر معمولی خوش انتظامی کے ساتھ خاتمہ پر پہنچا دیا۔ اور آئندہ سال ۱۹۳۳ء کی مبارکباد پیش کر کے عرض کرتا ہوں کہ کیا چندہ وصول کرنے کا وقت آگیا۔ سال آئندہ کا چندہ وصول کرنے کے واسطے نیا ناول "ماہ وخت" چھپ رہا ہے جو انبشار امتد آخر جزوی یا شروع فردر می ۱۹۳۳ء میں حسب دستور خریدار کے نام ایک روپیہ بارہ آنہ (۱۱ روپیہ) پر دی جائے گی۔ ہمارے قدر افزا اس کے لینے کے واسطے طیارہ میں جس کا حساب حرب تفصیل ذیل ہوگا۔ چندہ دگلڈز ۱۹۳۱ء (۶ روپیہ) محصول ڈاک و فیس رجسٹر ۱۱ روپیہ ۱۱۔

بعض حضرات ایسے ہیں کہ جن کے ذہن میں یہ خیال ہے کہ چندہ بانی ہے وہ بھی توجہ فرما کر ابنا گذشتہ چندہ بذریعہ نئی آرڈر روانہ کر دیں۔ جو صاحب آئندہ خریدار رہنا نہ چاہیں وہ مہربانی کر کے ہمیں مطلع کر دیں۔ ان کی اس اطلاع سے ہم چار آنہ کے نقصان سے جو ناول کے روانہ کرنے میں خرچ ہو گیا ہو اسے جبران کیا جائے گا۔

اکثر حضرات جب انعامی ناول کے دیہی طیارہ ہو جاتے ہیں تو اطلاع دیتے ہیں کہ فلاں فلاں کتابیں بھی اس دیہی کے ساتھ روانہ کر دی جائیں۔ ان کی خدمت میں گذشتہ ہر کہ یہ پرچہ پہنچے ہی ہمیں اطلاع دیں۔

ہمارا نیا ناول جو بطور ہدیہ پیش کیا جائے گا جلیقہ انانی یعنی حضرت فاروق اعظم کے حالات سے بھر ہوا ہے۔ اور اس میں حسن و عشق کے مختصر مگر دلچسپ حالات کے ساتھ اس زمانہ کے فتوحات و دیگر کمینہ متنبیان کر کے صحابہ کرام و تابعین عظام کے مختصر حالات بھی حاشیہ میں تحریر کر دیے گئے ہیں۔

خاکر۔ حکیم محمد راج الحق۔ منیر دگلڈز کٹرہ بن بن بیگ خان۔

معموز ناظرین۔ ماہ صیام اور عید مبارک کا زمانہ قریب ہے۔ آپ کے کارخانہ روضہ الراحین نے عطاردن کی فراہمی کا خاص انتظام کیا ہے۔ فرمائش کرتے وقت اس کا پتہ نہ بھولیے۔ منیر کا خانہ روضہ الراحین۔ کٹرہ بن بن بیگ خان۔ لکھنؤ

ملکدراز

مولانا شہر رحیم کی یادگار وادعائے دینی و ملی و تاریخی رسالہ سیرت اہل اسلام کے علمی خزائن کے اعلیٰ ثمرات ہے جو داخدا ملکدراز
ایک سال قبل وفات کے بعد امداد دوسرے برائے ملی و تاریخی و ادبی نایاب المصنوعات تذکرہ کیا جاتا ہے اور دینی سالانہ کے چند
ادھار حاصل تاکہ ہر ایک پیر و امیر و دین مہربانی و داد کر دیا جاتا ہے۔ یہ خبر گمراہ لکھنو

تصانیف مولانا محمد علی محمد صاحب شہر رحیم

- | | |
|---|--|
| ۱۔ تاریخ سوانحی اور پچھو غیرہ | ۲۱۔ فردوس بریں۔ جنت کی سر |
| ۲۔ جہنم و ناردی۔ حضرت عیسیٰ کے حالات | ۲۲۔ عیسوی و نبوی۔ مشہور عاشق عرب کی شہرہ |
| ۳۔ ابو بکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات | ۲۳۔ لبت چین۔ عہد صحابہ کا تاریخی اہل |
| ۴۔ حسن بن صباح۔ ابی فرقانیہ کے حالات | ۲۴۔ مقدس نائین۔ ایک عین کا روپ بن جانا |
| ۵۔ خواجہ عین الدین۔ خواجہ عیسیٰ کے حالات | ۲۵۔ اہل ملک۔ عہدوں کا مروج اور توحید |
| ۶۔ ملکدراز۔ سلف کی حکمرانی و خاں | ۲۶۔ اوسخیر کال۔ تباہی کی شہرہ |
| ۷۔ سیکینہ بنت حسین۔ جناح مکتبہ دینی | ۲۷۔ ایام عرب۔ جاہلیت کی کل تصویر |
| ۸۔ قرۃ العین۔ اہل کتب و پند و اندیشہ | ۲۸۔ جولہ کی حق۔ حضرت رسول اکرم کی سوانحی |
| ۹۔ ولادت سرور عالم۔ مہر و شرف عظیمہ | ۲۹۔ زوال بغداد۔ شہر کی تباہی کا نقشہ |
| ۱۰۔ عہد احمدی۔ تاریخ و شہرہ | ۳۰۔ زوال بغداد۔ شہر کی تباہی کا نقشہ |
| ۱۱۔ سلطان وراثت اسلام پر مولانا کا ایک پچھو | ۳۱۔ شوقین ملک۔ دوری و ملی رائے |
| ۱۲۔ ہندوستان کی سوانحی | ۳۲۔ طائرہ۔ نہایت دلچسپ ناول |
| ۱۳۔ ثانی انیس۔ حضرت صلیب اکبر کے حالات | ۳۳۔ مینا بازار۔ سوانحی ناول |
| ۱۴۔ ذبی النورین۔ حضرت عثمان کے حالات | ۳۴۔ نیکی کا پھل۔ نہایت دلچسپ ناول |
| ۱۵۔ ابو نعین۔ حضرت علی کے حالات | ۳۵۔ الفاسو۔ ایک عاشقانہ ناول |
| ۱۶۔ تاریخ ناول | ۳۶۔ بابا کبھی۔ سلطنت قبا کے حالات |
| ۱۷۔ غزوہ مصر۔ عہد عثمان کا تاریخی ناول | ۳۷۔ حسن بخیل۔ درس و دم کی رائے |
| ۱۸۔ فتح اندلس۔ امین پوروں کا حال | ۳۸۔ فلور افروز۔ نہایت دلچسپ ناول |
| ۱۹۔ روم و اندلس۔ روم پر غارتگری کا حال | ۳۹۔ ملک الغزوہ۔ چاروں طرف سے |
| ۲۰۔ مفتوح قلع۔ ایک نہایت دلچسپ ناول | ۴۰۔ منصوبہ مونا۔ شہر کی ایک نصابی |
| ۲۱۔ فلپنا۔ افریقہ کے عرب پر حکمرانی کا حال | ۴۱۔ خاندان کے حالات |
| ۲۲۔ شہرہ | ۴۲۔ شہرہ |

المشہر حکیم محمد سراج الحق پچھو ملکدراز کتبہ بہمن یا پچھو لکھنو

اسلام آباد پچھو لکھنو کی پچھو سوانحی و تاریخی رسالہ سیرت اہل اسلام کے علمی خزائن کے اعلیٰ ثمرات ہے جو داخدا ملکدراز

تصانیف مولانا محمد علی صاحب شبر روم

دکھلائی مکمل جلدیں		مولانا شبر کے خیالی نام	
جلد ۱۸۸۷ء	جلد ۱۸۸۸ء	۴۱- آغا صادق کی شادی کے سبب قصہ	۱۰
جلد ۱۹۱۷ء	جلد ۱۸۸۹ء	۴۲- حسن کا ڈاکو جاپ کے ہوا کا اعلان	۱۱
جلد ۱۹۱۸ء	جلد ۱۹۰۰ء	۴۳- اسرارہ اسرار پور جو پور جو پور کے	۱۲
جلد ۱۹۲۱ء	جلد ۱۹۰۱ء	۴۴- عجبہ وان بہن حیرت انگیز غیبی	۱۳
جلد ۱۹۲۲ء	جلد ۱۹۰۲ء	۴۵- خوفناک محبت، ہندوستان کی شہریت	۱۴
جلد ۱۹۲۳ء	جلد ۱۹۱۲ء	۴۶- انسانی وجہات کی تاریخ اچھی تصویر نہیں ہو سکتی	۱۵
جلد ۱۹۲۴ء	جلد ۱۹۱۵ء	۴۷- دیکھو، مصنف کا پہلا روزنامہ	۱۶
جلد ۱۹۲۵ء	جلد ۱۹۲۳ء	۴۸- گوشتیں کا مل	۱۷
جلد ۱۹۲۶ء	جلد ۱۹۲۴ء	۴۹- ڈرامے اور نظمین	۱۸
جلد ۱۹۲۷ء	جلد ۱۹۲۵ء	۵۰- امیری بابل گولڈ سنہ کے ایک ڈرامے کا روزنامہ	۱۹
جلد ۱۹۲۸ء	جلد ۱۹۲۶ء	۵۱- زمانہ اول اسلام، ایک سوز و گداز کا نظم	۲۰
جلد ۱۹۲۹ء	جلد ۱۹۲۷ء	۵۲- شبِ غم - فراہ کی بیباکیاں	۲۱
جلد ۱۹۳۰ء	جلد ۱۹۲۸ء	۵۳- شبِ غم، لڑائی کے بعد مل کا بیان	۲۲
جلد ۱۹۳۱ء	جلد ۱۹۲۹ء	۵۴- مضامین شبر	۲۳
جلد ۱۹۳۲ء	جلد ۱۹۳۰ء	۵۵- شاعرانہ و عاشقانہ دوحے	۲۴
جلد ۱۹۳۳ء	جلد ۱۹۳۱ء	۵۶- تاریخی و جغرافیہ	۲۵
جلد ۱۹۳۴ء	جلد ۱۹۳۲ء	۵۷- گزشتہ کوئی	۲۶
جلد ۱۹۳۵ء	جلد ۱۹۳۳ء	۵۸- سیرِ حال ہے سیرِ طالع	۲۷
جلد ۱۹۳۶ء	جلد ۱۹۳۴ء	۵۹- ختم سال و شروع سال	۲۸
جلد ۱۹۳۷ء	جلد ۱۹۳۵ء	۶۰- سیرِ نوان دوحے	۲۹
جلد ۱۹۳۸ء	جلد ۱۹۳۶ء	۶۱- ادب و تحقیق مسائل	۳۰
جلد ۱۹۳۹ء	جلد ۱۹۳۷ء	۶۲- اصلاح قوم و ملت	۳۱
جلد ۱۹۴۰ء	جلد ۱۹۳۸ء	۶۳- تاریخی واقعات پر خیال کرائی	۳۲
جلد ۱۹۴۱ء	جلد ۱۹۳۹ء	۶۴- نظر و ڈرامہ	۳۳
جلد ۱۹۴۲ء	جلد ۱۹۴۰ء		۳۴
جلد ۱۹۴۳ء	جلد ۱۹۴۱ء		۳۵
جلد ۱۹۴۴ء	جلد ۱۹۴۲ء		۳۶
جلد ۱۹۴۵ء	جلد ۱۹۴۳ء		۳۷
جلد ۱۹۴۶ء	جلد ۱۹۴۴ء		۳۸
جلد ۱۹۴۷ء	جلد ۱۹۴۵ء		۳۹
جلد ۱۹۴۸ء	جلد ۱۹۴۶ء		۴۰
جلد ۱۹۴۹ء	جلد ۱۹۴۷ء		۴۱
جلد ۱۹۵۰ء	جلد ۱۹۴۸ء		۴۲
جلد ۱۹۵۱ء	جلد ۱۹۴۹ء		۴۳
جلد ۱۹۵۲ء	جلد ۱۹۵۰ء		۴۴
جلد ۱۹۵۳ء	جلد ۱۹۵۱ء		۴۵
جلد ۱۹۵۴ء	جلد ۱۹۵۲ء		۴۶
جلد ۱۹۵۵ء	جلد ۱۹۵۳ء		۴۷
جلد ۱۹۵۶ء	جلد ۱۹۵۴ء		۴۸
جلد ۱۹۵۷ء	جلد ۱۹۵۵ء		۴۹
جلد ۱۹۵۸ء	جلد ۱۹۵۶ء		۵۰
جلد ۱۹۵۹ء	جلد ۱۹۵۷ء		۵۱
جلد ۱۹۶۰ء	جلد ۱۹۵۸ء		۵۲
جلد ۱۹۶۱ء	جلد ۱۹۵۹ء		۵۳
جلد ۱۹۶۲ء	جلد ۱۹۶۰ء		۵۴
جلد ۱۹۶۳ء	جلد ۱۹۶۱ء		۵۵
جلد ۱۹۶۴ء	جلد ۱۹۶۲ء		۵۶
جلد ۱۹۶۵ء	جلد ۱۹۶۳ء		۵۷
جلد ۱۹۶۶ء	جلد ۱۹۶۴ء		۵۸
جلد ۱۹۶۷ء	جلد ۱۹۶۵ء		۵۹
جلد ۱۹۶۸ء	جلد ۱۹۶۶ء		۶۰
جلد ۱۹۶۹ء	جلد ۱۹۶۷ء		۶۱
جلد ۱۹۷۰ء	جلد ۱۹۶۸ء		۶۲
جلد ۱۹۷۱ء	جلد ۱۹۶۹ء		۶۳
جلد ۱۹۷۲ء	جلد ۱۹۷۰ء		۶۴
جلد ۱۹۷۳ء	جلد ۱۹۷۱ء		۶۵
جلد ۱۹۷۴ء	جلد ۱۹۷۲ء		۶۶
جلد ۱۹۷۵ء	جلد ۱۹۷۳ء		۶۷
جلد ۱۹۷۶ء	جلد ۱۹۷۴ء		۶۸
جلد ۱۹۷۷ء	جلد ۱۹۷۵ء		۶۹
جلد ۱۹۷۸ء	جلد ۱۹۷۶ء		۷۰
جلد ۱۹۷۹ء	جلد ۱۹۷۷ء		۷۱
جلد ۱۹۸۰ء	جلد ۱۹۷۸ء		۷۲
جلد ۱۹۸۱ء	جلد ۱۹۷۹ء		۷۳
جلد ۱۹۸۲ء	جلد ۱۹۸۰ء		۷۴
جلد ۱۹۸۳ء	جلد ۱۹۸۱ء		۷۵
جلد ۱۹۸۴ء	جلد ۱۹۸۲ء		۷۶
جلد ۱۹۸۵ء	جلد ۱۹۸۳ء		۷۷
جلد ۱۹۸۶ء	جلد ۱۹۸۴ء		۷۸
جلد ۱۹۸۷ء	جلد ۱۹۸۵ء		۷۹
جلد ۱۹۸۸ء	جلد ۱۹۸۶ء		۸۰
جلد ۱۹۸۹ء	جلد ۱۹۸۷ء		۸۱
جلد ۱۹۹۰ء	جلد ۱۹۸۸ء		۸۲
جلد ۱۹۹۱ء	جلد ۱۹۸۹ء		۸۳
جلد ۱۹۹۲ء	جلد ۱۹۹۰ء		۸۴
جلد ۱۹۹۳ء	جلد ۱۹۹۱ء		۸۵
جلد ۱۹۹۴ء	جلد ۱۹۹۲ء		۸۶
جلد ۱۹۹۵ء	جلد ۱۹۹۳ء		۸۷
جلد ۱۹۹۶ء	جلد ۱۹۹۴ء		۸۸
جلد ۱۹۹۷ء	جلد ۱۹۹۵ء		۸۹
جلد ۱۹۹۸ء	جلد ۱۹۹۶ء		۹۰
جلد ۱۹۹۹ء	جلد ۱۹۹۷ء		۹۱
جلد ۲۰۰۰ء	جلد ۱۹۹۸ء		۹۲
جلد ۲۰۰۱ء	جلد ۱۹۹۹ء		۹۳
جلد ۲۰۰۲ء	جلد ۲۰۰۰ء		۹۴
جلد ۲۰۰۳ء	جلد ۲۰۰۱ء		۹۵
جلد ۲۰۰۴ء	جلد ۲۰۰۲ء		۹۶
جلد ۲۰۰۵ء	جلد ۲۰۰۳ء		۹۷
جلد ۲۰۰۶ء	جلد ۲۰۰۴ء		۹۸
جلد ۲۰۰۷ء	جلد ۲۰۰۵ء		۹۹
جلد ۲۰۰۸ء	جلد ۲۰۰۶ء		۱۰۰
جلد ۲۰۰۹ء	جلد ۲۰۰۷ء		۱۰۱
جلد ۲۰۱۰ء	جلد ۲۰۰۸ء		۱۰۲
جلد ۲۰۱۱ء	جلد ۲۰۰۹ء		۱۰۳
جلد ۲۰۱۲ء	جلد ۲۰۱۰ء		۱۰۴
جلد ۲۰۱۳ء	جلد ۲۰۱۱ء		۱۰۵
جلد ۲۰۱۴ء	جلد ۲۰۱۲ء		۱۰۶
جلد ۲۰۱۵ء	جلد ۲۰۱۳ء		۱۰۷
جلد ۲۰۱۶ء	جلد ۲۰۱۴ء		۱۰۸
جلد ۲۰۱۷ء	جلد ۲۰۱۵ء		۱۰۹
جلد ۲۰۱۸ء	جلد ۲۰۱۶ء		۱۱۰
جلد ۲۰۱۹ء	جلد ۲۰۱۷ء		۱۱۱
جلد ۲۰۲۰ء	جلد ۲۰۱۸ء		۱۱۲
جلد ۲۰۲۱ء	جلد ۲۰۱۹ء		۱۱۳
جلد ۲۰۲۲ء	جلد ۲۰۲۰ء		۱۱۴
جلد ۲۰۲۳ء	جلد ۲۰۲۱ء		۱۱۵
جلد ۲۰۲۴ء	جلد ۲۰۲۲ء		۱۱۶
جلد ۲۰۲۵ء	جلد ۲۰۲۳ء		۱۱۷
جلد ۲۰۲۶ء	جلد ۲۰۲۴ء		۱۱۸
جلد ۲۰۲۷ء	جلد ۲۰۲۵ء		۱۱۹
جلد ۲۰۲۸ء	جلد ۲۰۲۶ء		۱۲۰
جلد ۲۰۲۹ء	جلد ۲۰۲۷ء		۱۲۱
جلد ۲۰۳۰ء	جلد ۲۰۲۸ء		۱۲۲
جلد ۲۰۳۱ء	جلد ۲۰۲۹ء		۱۲۳
جلد ۲۰۳۲ء	جلد ۲۰۳۰ء		۱۲۴
جلد ۲۰۳۳ء	جلد ۲۰۳۱ء		۱۲۵
جلد ۲۰۳۴ء	جلد ۲۰۳۲ء		۱۲۶
جلد ۲۰۳۵ء	جلد ۲۰۳۳ء		۱۲۷
جلد ۲۰۳۶ء	جلد ۲۰۳۴ء		۱۲۸
جلد ۲۰۳۷ء	جلد ۲۰۳۵ء		۱۲۹
جلد ۲۰۳۸ء	جلد ۲۰۳۶ء		۱۳۰
جلد ۲۰۳۹ء	جلد ۲۰۳۷ء		۱۳۱
جلد ۲۰۴۰ء	جلد ۲۰۳۸ء		۱۳۲
جلد ۲۰۴۱ء	جلد ۲۰۳۹ء		۱۳۳
جلد ۲۰۴۲ء	جلد ۲۰۴۰ء		۱۳۴
جلد ۲۰۴۳ء	جلد ۲۰۴۱ء		۱۳۵
جلد ۲۰۴۴ء	جلد ۲۰۴۲ء		۱۳۶
جلد ۲۰۴۵ء	جلد ۲۰۴۳ء		۱۳۷
جلد ۲۰۴۶ء	جلد ۲۰۴۴ء		۱۳۸
جلد ۲۰۴۷ء	جلد ۲۰۴۵ء		۱۳۹
جلد ۲۰۴۸ء	جلد ۲۰۴۶ء		۱۴۰
جلد ۲۰۴۹ء	جلد ۲۰۴۷ء		۱۴۱
جلد ۲۰۵۰ء	جلد ۲۰۴۸ء		۱۴۲
جلد ۲۰۵۱ء	جلد ۲۰۴۹ء		۱۴۳
جلد ۲۰۵۲ء	جلد ۲۰۵۰ء		۱۴۴
جلد ۲۰۵۳ء	جلد ۲۰۵۱ء		۱۴۵
جلد ۲۰۵۴ء	جلد ۲۰۵۲ء		۱۴۶
جلد ۲۰۵۵ء	جلد ۲۰۵۳ء		۱۴۷
جلد ۲۰۵۶ء	جلد ۲۰۵۴ء		۱۴۸
جلد ۲۰۵۷ء	جلد ۲۰۵۵ء		۱۴۹
جلد ۲۰۵۸ء	جلد ۲۰۵۶ء		۱۵۰
جلد ۲۰۵۹ء	جلد ۲۰۵۷ء		۱۵۱
جلد ۲۰۶۰ء	جلد ۲۰۵۸ء		۱۵۲
جلد ۲۰۶۱ء	جلد ۲۰۵۹ء		۱۵۳
جلد ۲۰۶۲ء	جلد ۲۰۶۰ء		۱۵۴
جلد ۲۰۶۳ء	جلد ۲۰۶۱ء		۱۵۵
جلد ۲۰۶۴ء	جلد ۲۰۶۲ء		۱۵۶
جلد ۲۰۶۵ء	جلد ۲۰۶۳ء		۱۵۷
جلد ۲۰۶۶ء	جلد ۲۰۶۴ء		۱۵۸
جلد ۲۰۶۷ء	جلد ۲۰۶۵ء		۱۵۹
جلد ۲۰۶۸ء	جلد ۲۰۶۶ء		۱۶۰
جلد ۲۰۶۹ء	جلد ۲۰۶۷ء		۱۶۱
جلد ۲۰۷۰ء	جلد ۲۰۶۸ء		۱۶۲
جلد ۲۰۷۱ء	جلد ۲۰۶۹ء		۱۶۳
جلد ۲۰۷۲ء	جلد ۲۰۷۰ء		۱۶۴
جلد ۲۰۷۳ء	جلد ۲۰۷۱ء		۱۶۵
جلد ۲۰۷۴ء	جلد ۲۰۷۲ء		۱۶۶
جلد ۲۰۷۵ء	جلد ۲۰۷۳ء		۱۶۷
جلد ۲۰۷۶ء	جلد ۲۰۷۴ء		۱۶۸
جلد ۲۰۷۷ء	جلد ۲۰۷۵ء		۱۶۹
جلد ۲۰۷۸ء	جلد ۲۰۷۶ء		۱۷۰
جلد ۲۰۷۹ء	جلد ۲۰۷۷ء		۱۷۱
جلد ۲۰۸۰ء	جلد ۲۰۷۸ء		۱۷۲
جلد ۲۰۸۱ء	جلد ۲۰۷۹ء		۱۷۳
جلد ۲۰۸۲ء	جلد ۲۰۸۰ء		۱۷۴
جلد ۲۰۸۳ء	جلد ۲۰۸۱ء		۱۷۵
جلد ۲۰۸۴ء	جلد ۲۰۸۲ء		۱۷۶
جلد ۲۰۸۵ء	جلد ۲۰۸۳ء		۱۷۷
جلد ۲۰۸۶ء	جلد ۲۰۸۴ء		۱۷۸
جلد ۲۰۸۷ء	جلد ۲۰۸۵ء		۱۷۹
جلد ۲۰۸۸ء	جلد ۲۰۸۶ء		۱۸۰
جلد ۲۰۸۹ء	جلد ۲۰۸۷ء		۱۸۱
جلد ۲۰۹۰ء	جلد ۲۰۸۸ء		۱۸۲
جلد ۲۰۹۱ء	جلد ۲۰۸۹ء		۱۸۳
جلد ۲۰۹۲ء	جلد ۲۰۹۰ء		۱۸۴
جلد ۲۰۹۳ء	جلد ۲۰۹۱ء		۱۸۵
جلد ۲۰۹۴ء	جلد ۲۰۹۲ء		۱۸۶
جلد ۲۰۹۵ء	جلد ۲۰۹۳ء		۱۸۷
جلد ۲۰۹۶ء	جلد ۲۰۹۴ء		۱۸۸
جلد ۲۰۹۷ء	جلد ۲۰۹۵ء		۱۸۹
جلد ۲۰۹۸ء	جلد ۲۰۹۶ء		۱۹۰
جلد ۲۰۹۹ء	جلد ۲۰۹۷ء		۱۹۱
جلد ۲۱۰۰ء	جلد ۲۰۹۸ء		۱۹۲
جلد ۲۱۰۱ء	جلد ۲۰۹۹ء		۱۹۳
جلد ۲۱۰۲ء	جلد ۲۱۰۰ء		۱۹۴
جلد ۲۱۰۳ء	جلد ۲۱۰۱ء		۱۹۵
جلد ۲۱۰۴ء	جلد ۲۱۰۲ء		۱۹۶
جلد ۲۱۰۵ء	جلد ۲۱۰۳ء		۱۹۷
جلد ۲۱۰۶ء	جلد ۲۱۰۴ء		۱۹۸
جلد ۲۱۰۷ء	جلد ۲۱۰۵ء		۱۹۹
جلد ۲۱۰۸ء	جلد ۲۱۰۶ء		۲۰۰
جلد ۲۱۰۹ء	جلد ۲۱۰۷ء		۲۰۱
جلد ۲۱۱۰ء	جلد ۲۱۰۸ء		۲۰۲
جلد ۲۱۱۱ء	جلد ۲۱۰۹ء		۲۰۳
جلد ۲۱۱۲ء	جلد ۲۱۱۰ء		۲۰۴
جلد ۲۱۱۳ء	جلد ۲۱۱۱ء		۲۰۵
جلد ۲۱۱۴ء	جلد ۲۱۱۲ء		۲۰۶
جلد ۲۱۱۵ء	جلد ۲۱۱۳ء		۲۰۷
جلد ۲۱۱۶ء	جلد ۲۱۱۴ء		۲۰۸
جلد ۲۱۱۷ء	جلد ۲۱۱۵ء		۲۰۹
جلد ۲۱۱۸ء	جلد ۲۱۱۶ء		۲۱۰
جلد ۲۱۱۹ء	جلد ۲۱۱۷ء		۲۱۱
جلد ۲۱۲۰ء	جلد ۲۱۱۸ء		۲۱۲
جلد ۲۱۲۱ء	جلد ۲۱۱۹ء		۲۱۳
جلد ۲۱۲۲ء	جلد ۲۱۲۰ء		۲۱۴
جلد ۲۱۲۳ء	جلد ۲۱۲۱ء		۲۱۵
جلد ۲۱۲۴ء	جلد ۲۱۲۲ء		۲۱۶
جلد ۲۱۲۵ء	جلد ۲۱۲۳ء		۲۱۷
جلد ۲۱۲۶ء	جلد ۲۱۲۴ء		۲۱۸
جلد ۲۱۲۷ء	جلد ۲۱۲۵ء		۲۱۹
جلد ۲۱۲۸ء	جلد ۲۱۲۶ء		۲۲۰
جلد ۲۱۲۹ء	جلد ۲۱۲۷ء		۲۲۱
جلد ۲۱۳۰ء	جلد ۲۱۲۸ء		۲۲۲
جلد ۲۱۳۱ء	جلد ۲۱۲۹ء		۲۲۳
جلد ۲۱۳۲ء	جلد ۲۱۳۰ء		۲۲۴
جلد ۲۱۳۳ء	جلد ۲۱۳۱ء		۲۲۵
جلد ۲۱۳۴ء	جلد ۲۱۳۲ء		۲۲۶
جلد ۲۱۳۵ء	جلد ۲۱۳۳ء		۲۲۷
جلد ۲۱۳۶ء	جلد ۲۱۳۴		

